کلیاتِ میراجی
مرتب
ڈاکٹر جمیل جالبی

کلیاتِ میراجی

مرتب

ڈاکٹر جمیل جالبی

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

کلیاتِ میراجی

مصنف: میراجی   مرتب: ڈاکٹر جمیل جالبی

خوشنویس: سید اشفاق احمد

صفحات: ۱۰۸۰   سائز: 23x36/16   قیمت: -/۳۰۰

باهتمام: محمد ناصر خان

ناشر

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp.Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Phones:23247075, 23289786, 23289159 Fax:23279998 Res.:23262486

Kulliyat-e-Meeraji

Author: Meeraji   Compiled by: Dr. Jameel Jalibi

Pages: **1080**

Ist Edition (India): **June 2005**

Price: **Rs. 300/-**

Our Branches:

Delhi: Farid Book Depot (P) Ltd.

422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Ph.: 23265406, 23256590

Farid Book Depot (P) Ltd.

168/2, Jha House, Basti Hazrat Nizamuddin (W),

New Delhi-110013 Ph.: 55358122

Mumbai: Farid Book Depot (P) Ltd.

208, Sardar Patel Road, Near Kheja Qabristan,

Dongri, Mumbai-400009 Ph.: 022-23731786, 23774786

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-2

فہرست

نظمیں

متفرقات

ہزلیات

گیت

غزلیں

تراجم

اے پیارے لوگو!
تم دور کیوں ہو؟
کچھ پاس آؤ،
آؤ کہ پل میں
یہ سب ستارے
تاریکیوں کے
اُس پار ہوں گے

— میراجی

۲۵

لندن

۱۴ر ستمبر ۱۹۸۷ء

میراجی صاحب!

کلیات حاضر ہے، قبول فرمائیے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کلیات کے بہانے آپ کے دوست ایک پرانا قرض اُتار رہے ہیں۔ بات قرض چُکانے کی نہیں فرض ادا کرنے کی ہے۔ اب اگر آپ کا کلام یکجا نہ کیا جاتا تو اردو ادب کی تاریخ میں کتنا بڑا خلا رہ جاتا۔ ویسے یہ کام آپ کے دوستوں نے نہیں جمیل جالبی صاحب نے کیا ہے اور وہ بھی اُن دنوں میں جب آپ شیخ الجامعہ کراچی کے منصب سے نبرد آزما تھے، اور چشم حسد تنگ ہی نہیں تاریک ہو رہی تھی۔

آپ کی جالبی صاحب سے شاید ملاقات نہیں تھی مگر آپ انہیں شاہد احمد دہلوی کے رشتہ سے پہچان لیں گے۔ دونوں میں بڑی دوستی تھی اور یہ دوستی پاکستان میں اردو ادب کی ترقی کا باعث بنی۔ جالبی صاحب صاحب علم اور صاحب قلم ہیں۔ انہوں نے اردو تنقید کو جس اعلیٰ مقام تک پہنچایا ہے اس کی نظیر اس کی تصانیف ہیں۔ اس افراتفری اور نفسا نفسی کے زمانے میں اُن سا منکسر المزاج، اور دُھن کا پکا انسان مشکل سے ملتا ہے۔ بڑی کاوش سے انہوں نے آپ کا کلام اکٹھا کیا ہے اور پھر اُسے ترتیب دے کر، اس کی کتابت، طباعت اور اشاعت کے سارے مرحلے بھی بڑے عزم اور خندہ پیشانی سے طے کئے ہیں۔ آپ کے دوست اور اردو ادب سے لگاؤ رکھنے والے سب ان کے احسان مند ہیں۔

آپ آئے اور چلے گئے، مگر دوستی (بلکہ یاری) کا ایک ایسا نقش چھوڑ گئے کہ آج تک دوست کی کمی محسوس نہیں ہوتی، اکیلے میں، محفل میں، چلتے پھرتے آپ سے باتیں ہوتی رہتی ہیں، اور کبھی کبھار تو بحث بھی ہو جاتی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے ایک دفعہ پوچھا تھا "کبھی دیکھا کہ گورستان سے کوئی کفن پہنے ہوئے نکلا، انہی گلیوں، انہی کوچوں میں آیا" تو آپ دیر تک حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے، اور وہ لمحہ جب آپ ریل گاڑی کے ڈبے سے لگے کھڑے تھے "لاگ اسارھ چلی پُروِیا ـــــ سارس دوڑ لگائے" آج بھی ذہن کے آئینہ خانے میں جگمگانے لگتا ہے، شاید وہ لمحہ توجہ کا تھا۔

کوئی درویش تھا جو بال بڑھائے، ہاتھوں میں گولے اور گلے میں مالا سجائے سچ کی تلاش میں اس نگری میں آنکلا (اور کچھ دیر کے لئے گھر کا رستہ بھول گیا) اور جب اُس نے دیکھا کہ یہاں تو جھوٹ ہر لمحہ جواں رہتا ہے تو وہ جہاں سے آیا تھا وہیں پلٹ گیا، لیکن اس مختصر سے عرصے میں اس کی ذات ہر ملنے والے کی زندگی پر اپنا عکس چھوڑ گئی۔

میراجی! آپ کو زندگی محبوب تھی، ایک ہی گھونٹ میں اُسے پی گئے، ہم لوگ تو اب تک ایک جرعے کی تلاش میں عمر گذار رہے ہیں، اور اب ایک ایک کر کے آپ کے دوست آپ ہی کی طرف آرہے ہیں۔

میانِ نالہ و گُل خواستم کہ مے نوشم
ز شیشہ تا بہ قدح ریختم بہار گذشت

والسلام

الطاف گوہر

کُلّیاتِ میراجی کے بارے میں

"کُلّیاتِ میراجی" آپ کے سامنے ہے۔ یہ کُلّیات جو ۸۰۰ اصفحات پر مشتمل ہے، کم و بیش تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ مآخذ کو کھنگال کر مرتب کی گئی ہے۔

اس کُلّیات کو مرتب کرنے کے کئی اسباب ہیں۔ ایک یہ کہ میراجی کا کلام برسوں سے کمیاب ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ نئی نسل ان کے کلام سے براہ راست کم سے کم واقف ہوتی جارہی ہے اور میراجی چونکہ نئی شاعری کے پیش رو ہیں، اس لیے ان کے کلام کا مطالعہ جدید اردو شاعری کو سمجھنے اور وسیع تر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ میراجی نئے امکانات کے شاعر ہیں اور یہ امکانات ان کی ساری شاعری کا مطالعہ کرکے ہی دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ میراجی کے دوست احباب نے ان کے حُلیے اور خارجی روپ بہروپ کے انوکھے قصّے اور دلچسپ واقعات اس کثرت سے سُنائے ہیں کہ خود میراجی افسانہ تو بن گئے لیکن ان کی شاعری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ پتّی لپیٹے تین چھوٹے بڑے گولے بڑی بڑی لٹیں، گلے میں گز بھر کی مالا، گرمی سردی میلا چکٹ گرم لمبا کوٹ، کثرت شراب نوشی، جنسی کج روی، گھر سے در، آوارگی و بے راہ روی۔ سُننے اور سُنانے والے کو لطف تو بڑا آیا لیکن ان جزئیات کے دھویں میں ان کی شاعری چُھپ گئی۔ یہ کلیات اس دھویں کو کم کرنے اور میراجی کی شاعری کو دوبارہ سامنے لانے کی ایک کوشش ہے۔

ایک وجہ اور ہے۔ میراجی اور دوسرے "نئے" شعرا کا کلام ہمیں اس وقت سے

پڑھ رہا ہوں جب میں بی۔ اے کا طالب علم تھا، میراجی کی شاعری مجھے اُس وقت بھی پسند تھی اور اب جب کہ میرے بچوں کے بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں، میں میراجی کو جدید اردو شاعری کا ایک اہم ستون سمجھتا ہوں۔ میں میراجی سے کبھی نہیں ملا اور آج اس بات سے خوش ہوں کہ اگر میں بھی میراجی سے ملا ہوتا تو شاید ان کے بنے ہوئے طلسمی گوشوں کے سحر میں گرفتار ہو جاتا اور ان کے عجیب و غریب حلیے، ادر حرکات و سکنات کو مزے لے لے کر آپ کے سامنے بیان کرتا۔ جدید مغربی شاعری کے پیش رو آرتھر رامبو کو دیکھئے یا انیسویں صدی کے فرانسیسی شاعر بودلیئر یا جدید فرانسیسی ادیب ژاں ژینے یا انیسویں صدی کے امریکی شاعر ایڈگر ایلن پو یا روسی ناول نگار دستوئفسکی کو دیکھئے تو ان کے ہاں بھی اسی قسم کی بے شمار کج رویاں نظر آئیں گی لیکن وہاں کے اہلِ نظر نقادوں نے صرف ان کی اس قسم کی حرکات و سکنات کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس تخلیق کو بنیادی طور پر اہمیت دی جو ان کی اصل پہچان ہے۔ اسی لیے میں نے اس ضخیم کلیات پر طویل مقدمہ لکھنے سے گریز کیا ہے۔ اس کلیات کے بارے میں صرف چند ضروری باتیں بیان کر کے میں کلیاتِ میراجی کو وقت کی طاق پر دھر کر آپ سے اجازت چاہوں گا تاکہ آپ خود اسے پڑھیں اور دیکھیں کہ ۱۹۳۰ء کے بعد جو اردو شاعری ہے اس میں میراجی کہاں کہاں ہیں اور کس طرح موجود ہیں؟ انہوں نے جدید اردو شاعری کی ہیئت، شعری تجربات، پیکر، علامات و کنایات اور طرزِ احساس کی سطح پر اُردو شاعری کا راستہ کس طور پر بدلا ہے؟ حقیقت کو تصور اور تصور کو حقیقت کس طرح بنایا ہے؟ لفظیات، لہجے اور طرزِ بیان کو کس طرح تبدیل کیا ہے؟ کس طرح پانچوں حواس کو اردو شاعری میں سمویا ہے، اور کس طرح روایتی عروض کی رسمیات سے نکال کر اسے جدیدیت کے دائرے میں داخل کیا ہے؟ نہ صرف یہ بلکہ قدیم طرزِ احساس کا، جدید مغربی طرزِ احساس سے کس طرح، کس طور پر اور کس انداز سے امتزاج کیا ہے؟ میراجی کی شاعری نے شعری ساخت پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے اور موضوع

اوقاف کو کس طرح اظہار کا وسیلہ بنایا ہے؟ آج جو ہمارا نیا شاعر زبان و بیان، طرز و اسلوب
اور نئی ہیئت کو اعتماد کے ساتھ استعمال کر رہا ہے اس میں میراجی کا کتنا حصہ ہے؟ اس بات
کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے گھنے جنگلوں، دلدلوں اور کھائیوں میں نیا راستہ بنایا ہے۔
یہ سارا راستہ جس پر چلتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ اس راستے کا بنانے والا کون تھا؟ "کلیاتِ
میراجی" اسی یاد دہانی کے لیے شائع کی گئی ہے تاکہ راستہ بنانے والا اپنی ساری تخلیقی توانائیوں
اور کمزوریوں کے ساتھ آپ کے سامنے آجائے۔

اس کلیات میں میراجی کا وہ سارا کلام شامل ہے جو کتابی صورت میں اب تک شائع
ہو چکا ہے اور وہ سارا کلام بھی جو غیر مطبوعہ اور جناب اختر الایمان کے پاس تھا۔ اس میں
"حلقۂ چشمِ سیہ" نامی بیاض کا کلام بھی شامل ہے جو ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ہے۔ اس بیاض
میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، فحش کلام نہیں ہے بلکہ خاصی تعداد میں وہ نظمیں ہیں جو 'میراجی
کی نظمیں' (مطبوعہ ساقی بک ڈپو دہلی ۱۹۴۴ء) میں شامل ہیں۔ اس کلیات میں وہ کلام بھی شامل
ہے جو مختلف رسائل و جرائد کے صفحات پر بکھرا ہوا تھا۔ اس کلیات میں کم و بیش کتابی صورت
میں چھپے ہوئے کلام کے برابر وہ کلام شامل ہے جو پہلی بار "کلیاتِ میراجی" میں شامل ہوا ہے۔
میں نے اس کلام کو ریزہ ریزہ جمع کیا ہے اور اس جمع آوری میں بیس سال کا عرصہ لگا ہے۔
ابھی کچھ کلام رہ گیا ہے۔ میری کوشش ہے کہ اسے اگر وہ دستیاب ہو گیا تو اگلے ایڈیشن میں
شامل کر دیا جائے۔ اگر آپ کے پاس یا آپ کے علم میں میراجی کا کوئی کلام ہے تو براہ کرم اس
کی عکسی نقل یا حوالہ مجھے بھجوا دیجیے۔ میں شکر گزار ہوں گا۔

ترتیبِ کلیات میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:-

۱۔ جہاں جہاں سنین مل سکے ہیں وہ نظم کے نیچے درج کر دیے گئے ہیں۔

۲۔ جن مجموعوں یا رسائل و جرائد سے کلام لیا گیا ہے، ان کا حوالہ ہر نظم کے نیچے

دے دیا گیا ہے۔

۳۔ جہاں ایک نظم دو مجموعوں میں یا دو جگہ شائع ہوئی ہے اس کی آخری صورت کلیات میں شامل کر دی گئی ہے۔

۴۔ کلیات کی ترتیب میں زمانی ترتیب کو ترجیح دی گئی ہے مثلاً گیتوں کے دو مجموعے شائع ہوئے۔ پہلے اُس مجموعے کے گیت درج کیے گئے جو پہلے شائع ہوا اس کے بعد دوسرے مجموعے کے گیت شامل کیے اور اس کے بعد وہ گیت جو کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ یہی التزام ہر صنفِ سخن کی ترتیب میں کیا گیا ہے۔

۵۔ املا اور رموزِ اوقاف وہی رکھے گئے ہیں جو میراجی نے متعین کیے تھے۔

۶۔ کلیات میں ایک ہی عنوان کے ساتھ آپ کو چند نظمیں ملیں گی مثلاً "دو نقشے" "اُفتاد" "تحریک" وغیرہ۔ عنوان تو یقیناً ایک ہے لیکن نظمیں الگ الگ ہیں۔

۷۔ جن مطبوعہ مجموعوں سے کلیاتِ میراجی میں کلام شامل کیا گیا ہے' ان کے نام یہ ہیں —— میراجی کے گیت' میراجی کی نظمیں' گیت ہی گیت' تین رنگ' پابند نظمیں' نغمے کے آس پاس' مشرق و مغرب کے نغمے۔ جہاں "بیاضِ میراجی" کا حوالہ دیا گیا ہے یہ وہ کلام ہے جو اختر الایمان صاحب نے عنایت فرمایا یا بیاض مملوکہ ڈاکٹر وحید قریشی سے حاصل کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ وہ کلام جو سہ ماہی نیا دور' کراچی' سیپ کراچی' شعر و حکمت حیدر آباد' سوغات بنگلور' خیال بمبئی' ہندوستان بمبئی' ہمارا ادب لکھنؤ' ایشیا بمبئی' وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ ان کا حوالہ ہر اندراج کے نیچے دے دیا گیا ہے۔ تلاشِ کلام میں ادبی دنیا لاہور' ہمایوں لاہور' ساقی دہلی' سویرا لاہور' ادبِ لطیف اور دوسرے متعدد ادبی رسائل و جرائد کو بھی کھنگالا گیا ہے۔

آخر میں برادرِ محترم اختر الایمان صاحب کا انتہائی شکر گزار ہوں جنھوں نے کلامِ میراجی اور ان کی بیاضوں کی قلمی نقلیں مجھے فراہم کیں۔ سب سے زیادہ کلام انہیں سے ملا۔ اگر وہ یہ کلام

فراہم نہ کرتے تو یہ کلیات منہ بسورتی رہ جاتی ۔ اختر الایمان صاحب نے زندگی میں بھی حق دوستی ادا کیا اور مرنے کے بعد بھی ۔ خدا انھیں خوش رکھے ۔ میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے "حلقۂ چشم سیہ" کی عکسی نقل، بغیر کسی تامل کے، مجھے ۱۹۸۲ء ہی میں فراہم کر دی تھی ۔ یہ کلیات یوں ہی پڑی رہتی اگر الطاف گوہر صاحب اپنی گہری دلچسپی کا اظہار بار بار نہ کرتے ۔ میراجی سے جو ان کو تعلق خاطر ہے وہ آج بھی اسی طرح تازہ و باقی ہے ۔ خدا انھیں خوش و سلامت رکھے ۔ افتخار عارف صاحب نے جس محبت و خلوص سے تقاضے کئے ان سے نہ صرف میں متاثر ہوا بلکہ میراجی کی شاعری سے ان کی دلچسپی کا بھی اندازہ ہوا ۔ خدا انھیں خوش رکھے ۔ برادرم شمیم احمد کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے کلیات کے پروف ایک بار خود اور ایک بار میرے ساتھ مل کر پڑھے ۔ خدا انھیں سلامت رکھے ۔

ان الفاظ کے ساتھ "کلیات میراجی" کو وقت کی طاق پر دھر کر آپ سے اجازت چاہتا ہوں :

گئے ہاتوں نے ستاروں سے لگایا تھا سراغ
راستہ ملتا نہیں مجھ کو ستارے تو نظر آتے ہیں
پیرہن رنگ گل تازہ سے یاد آتا ہے
اور زرکار نقوش
اک نئی صبح حقیقت کا پتا دیتے ہیں

(تفاوت راہ)

ڈاکٹر جمیل جالبی
(اسلام آباد، ۱۲ مئی ۱۹۸۸ء)

کوائفِ میراجی

نام : محمد ثناءاللہ ثانی ڈار

والد کا نام : منشی محمد مہتاب الدین

والدہ کا نام : زینب بیگم عرف سردار بیگم

ولادت میراجی : ۲۵ مئی ۱۹۱۲ء

تخلص : پہلے "ساحری" اور پھر "میراجی"۔ ہزلیہ شاعری میں تخلص "لندھور" آیا ہے۔

قلمی و فرضی نام : "بسنت سہائے" کے نام سے سیاسی مضامین "ادبی دنیا" لاہور میں لکھے۔ "بشیر چند" میراسین کے نام خطوط میں ملتا ہے۔ وشونندن کے نام ایک خط مورخہ ۲۰ راگست ۱۹۴۶ء میں "میراجی المعروف بندے حسن" بھی لکھا ہے۔

تعلیم : میٹرک پاس نہ کر سکے۔

لقب : ادبی گاندھی (یہ نام ن۔م۔ راشد نے دیا تھا)

کام : نائب مدیر ادبی دنیا لاہور۔ ۱۹۳۸ ـــ ۱۹۴۱ء

آل انڈیا ریڈیو، دہلی ۔ ۱۹۴۲ ـــ ۱۹۴۵ء

باتیں کے عنوان سے ماہنامہ "ساقی" دہلی میں ادبی کالم لکھے۔ ۱۹۴۴ء ـ ۱۹۴۵ء ، مدیر "خیال" بمبئی ـــ ۱۹۴۸ ـــ ۱۹۴۹ء۔

آخری بار لاہور گئے : اوائل ۱۹۴۶ء

دہلی سے بمبئی روانگی : ۵ رجون ۱۹۴۶ء

بمبئی میں آمد : ۷ رجون ۱۹۴۶ء

وفات : ۳ر نومبر ۱۹۴۹ء (کنگ ایڈورڈ اسپتال بمبئی)

مدفن . میرن لائن قبرستان بمبئی

تصانیف : شاعری

میراجی کے گیت	۔ مکتبۂ اُردو لاہور	۱۹۴۳ء
میراجی کی نظمیں	۔ ساقی بک ڈپو دہلی	۱۹۴۴ء
گیت ہی گیت	۔ ساقی بک ڈپو دہلی	۱۹۴۴ء
پابند نظمیں	۔ کتاب نما راولپنڈی	۱۹۶۸ء
تین رنگ	۔ کتاب نما راولپنڈی	۱۹۶۸ء
کلیات میراجی مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ اردو مرکز لندن		۱۹۸۸ء

تنقید

مشرق و مغرب کے نغمے : (تنقید و تراجم شاعری)

اکادمی پنجاب (ٹرسٹ) لاہور ۱۹۵۸ء

اس نظم میں؛ ساقی بک ڈپو دہلی ۱۹۴۴ء

تراجم

نگار خانہ : (سنسکرت شاعر دامودر گپت کی کتاب "نٹنی مَتم" کا نثری ترجمہ)

پہلے ماہنامہ خیال بمبئی میں شائع ہوا جنوری ۱۹۴۹ء اور پھر

کتابی صورت میں مکتبۂ جدید لاہور سے نومبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔

خیمے کے آس پاس، (عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ) مکتبۂ جدید لاہور

۱۹۶۴ء۔

جمیل جالبی

۱۲ر مئی ۱۹۸۸ء

مارچ

رسیلے جرائم کی خوشبو

رسیلے جرائم کی خوشبو
مرے ذہن میں آ رہی ہے!
رسیلے جرائم کی خوشبو
مجھے حدِّ احساس سے دور لے جا رہی ہے!

جوانی کا خوں ہے
بہاریں ہے موسم زمیں پر!
بسنت آج مجھ کو جنوں ہے:

نگاہوں میں ہے میری لغزشوں کی الجھن
کہ چھایا ہے ترغیب کا پیرہن آج ہر اک حسیں پر؟
رسیلے جرائم کی خوشبو مجھے آج للچا رہی ہے!

قوانینِ اخلاق کے سارے بندھن شکستہ نظر آ رہے ہیں؛
حسین اور ممنوع جذبات میرے دل کو پھسلا رہے ہیں!
یہ ملبوس ریشم کے اور ان کی لرزش،
یہ غازہ، یہ رنجن؛
نسائی فسونوں کی ہر اک موسیقی آج کرتی ہے سازش!
مرے دل کو بہکا رہی ہے!

مرے ذہن میں آ رہی ہے
رسیلے جرائم کی خوشبو!

میراجی

۱۰-۱-۱۹۴۱

عکس بحروف دستخط میراجی

انتساب

میراجی کے
الطاف گوہر کے نام

جوانی کے گھاؤ

لال سی ندّی، لال سی ندّی،
ہلکی بہتی گرمی والی خاموشی سی ہے!
سویا سوتا جاگا چھوٹا،
رستا رستا گھر سے نکلا،
بہتا بہتا وسعت بنتا،
اور تصوّر پر چھا جاتا!

روئی جیسے سوکھے کپڑے
چاند کے ایسے صاف چمکتے،
کس نے ان کے بھید بتائے؟
سب نے دیکھیں لیکن دل میں
رات کی ہر اک بات چھپائی!

میٹھی باتیں، نرم نگاہیں،
اور وفا کے گہرے بندھن،
اور جیون کی اٹل محتاجی،
سب نے جوانی کی تلخی بھی شیریں کردی!

لیکن جنّت کا پھل کھا کر،
زخموں کی بیکار اذیّت
قدرت نے عورت کی قسمت میں کیوں لکھی؟

---

۲۵ - ۲ - ۳۵ - عکس تحریر و دستخط میراجی

نظمیں

چل چلاؤ

بس دیکھا اور پھر بھول گئے،
جب حُسن نگاہوں میں آیا
من ساگر میں طوفان اُٹھا
طوفان کو چنچل دیکھ ڈری۔ آکاش کی گنگا دودھ بھری
اور چاند چھپا تارے سوئے، طوفان مٹا، ہر بات گئی
دل بھول گیا پہلی پوجا، من مندر کی مورت ٹوٹی
دن لایا باتیں انجانی، پھر دن بھی نیا اور رات نئی
پیتم بھی نئی، پریمی بھی نیا، سُکھ سیج نئی ہر بات نئی
اک پل کو آئی نگاہوں میں جھلمل جھلمل کرتی، پہلی
سُندرتا اور پھر بھول گئے،
مت جانو ہمیں تم ہرجائی،
ہرجائی کیوں، کیسے؟ کیسے؟
کیا داد جو اک لمحے کی ہو وہ داد نہیں کہلائے گی؟
جو بات ہو دل کی، آنکھوں کی،
تم اُس کو ہوس کیوں کہتے ہو؟
جتنی بھی جہاں ہو جلوہ گری اُس سے دل کو گرمانے دو۔

جب تک ہے زمیں
جب تک ہے زماں
یہ حُسن و نمائش جاری ہے!
اِس ایک جھلک کو چھچلتی نظر سے دیکھ کے جی بھر لینے دو

ہم اِس دُنیا کے مسافر ہیں
اور قافلہ ہے ہر آن رواں،
ہر بستی، ہر جنگل، صحرا اور رُوپ منوہر پربت کا
اک لمحہ من کو بھائے گا، اک لمحہ نظر میں آئے گا،

ہر منظر، ہر انساں کی دیا، اور میٹھا جادو عورت کا
اِک پل کو ہمارے بس میں ہے، پل بیتا، سب مٹ جائے گا،
اِس ایک جھلک کو چھچلتی نظر سے دیکھ کے جی بھر لینے دو،
تم اس کو ہوس کیوں کہتے ہو؟
کیا داد جو اک لمحے کی ہو وہ داد نہیں کہلائے گی؟

ہے چاند فلک پر ایک لمحہ،
اور اک لمحہ یہ ستارے ہیں،
اور عمر کا عرصہ بھی، سوچو! اک لمحہ ہے[۱]!

---

۱ میراجی کی نظمیں

دیوداسی اور پجاری

وناچ یہ دیکھو، ناچ، پوتر ناچ اک دیوداسی کا،
دھیرے دھیرے دُور ہوا ہے سایہ میرے دل کی اُداسی کا
تول تول کر پاؤں ہے رکھتی، ہلکے ہلکے، ایسے، میرا من چاہے
بن کر چندا کا اُجیالا اس دھرتی پر بچھ جائے ؛
میں پتھریلے کھمبے کے پیچھے چھپ کر اس کو دیکھوں ؛
چپکے چپکے حیرانی میں یوں سمجھوں
جیسے دیوی کی مورت ہی جی کر ناچ رہی ہو ناچ !
یا بھولے سے جل پریوں کے جُھرمٹ کی رانی دھرتی پر آئی ہو،
اور پانی کی لہروں ایسے ہلتی جائے، لہرائے،
یا جنگل کی چنچل ہرنی پتّوں پر پھسل جائے،
ایک اندھیرے بن کی ناگن پُھنکارے اور بل کھائے،
جیسے میری پیاسی نظریں پچکاریں اِس کا انگ
دیوداسی دھرتی سے چھو کر دیسے دکھلائے رنگ ؛
کالی کالی چمکتی آنکھیں بجلی جیسا ناچ کریں
اور ہیرے موتی کے گہنے اُجیالے میں یوں چمکیں
جیسے اونچے نیلے منڈل میں چاند اور تارے ناچیں !

باہوں میں پھنس پھنس کر آئی ہوئی انگیا کی سلوٹ کو
جب میں دیکھوں دل میں زور کی دھڑکن ہو،
اور تیزی سے سانس چلے،
لمبے، ڈھیلے ڈھالے دامن میں لہروں کے بہنے سے
اور گھوم کے پڑنے سے
ذہن کی ہر اک رگ تھرکے،
آہوں کا نغمہ نکلے!
آگے آنا، پیچھے جانا، تھرک تھرک کر رہ جانا
سنبھل سنبھل کر گرتی جائے، گر گر کر سنبھالے لے،
ڈرنا، جھجکنا، پھر شوخی سے، بے باکی سے بڑھ آنا،
ڈگمگ ڈولے دھرم کی ناؤ، ڈگمگ میرا دھرم کرے!

ناچ ناچ کر جب تھک جائے، تھک کر ہو جائے ہلکان،
لے جائے یکسوئی میری، چین مرا اور میرا گیان؛

اور پھر ایسا موہن منظر آنکھوں سے اوجھل ہو جائے،
جب پتھریلے، اونچے کھمبوں کے سائے اُس سے لپٹیں،
جیسے گھٹائیں چمکتی بجلی کو اپنے دامن میں لپیٹیں۔

(۱۹۳۲-۱۹۳۴ء)

--- میرا جی نظمیں

نارسائی

رات اندھیری، بن ہے سُونا، کوئی نہیں ہے ساتھ،
پَون جھکولے پیڑ ہلائیں، تھر تھر کانپیں پات
دل میں ڈر کا تیر چُبھا ہے، سینے پر ہے ہاتھ،
رہ رہ کر سوچوں یوں کیسے پوری ہوگی رات؟

برکھا رُت ہے اور جوانی، لہروں کا طوفان،
پیتم ہے نادان، مرا دل رسموں سے انجان،
کوئی نہیں جو بات سُجھائے، کیسے ہوں سامان؟
بھگون! مجھ کو راہ دکھا دے، مجھ کو دے دے گیان!

چپّو ٹوٹے، ناؤ پرانی، دُور ہے کھیون ہارا،
بیری ہیں ندی کی موجیں اور پیتم اُس پار۔
سُن لے سُن لے دُکھ میں پکارے اک پریمی بیچارا
کیسے جاؤں، کیسے پہنچوں، کیسے جتاؤں پیار؟

کیسے اپنے دل سے مٹاؤں برہ اگن کا روگ؟
کیسے سمجھاؤں پریم پہیلی، کیسے کروں سنجوگ؟
بات کی گھڑیاں بیت نہ جائیں دُور ہے اُس کا دیس،
دُور دیس ہے پیتم کا اور میں بدلے ہوں بھیس۔

(۳۱/مارچ ۱۹۳۴ء)

؎ میراجی کی نظمیں

کٹھور

دھرتی پر پربت کے دھبّے، دھرتی پر دریا کے جال،
گہری جھیلیں، چھوٹے ٹیلے، ندی نالے، باولی تال،
کالے، ڈرانے والے جنگل، صاف، چمکتے سے میدان،
لیکن من کا بالک اُلٹا، ہٹ کرتا جائے ہر آن،
انوکھا لاڈلا، کھیلن کو مانگے چندر مان!

سُندر سانولی موہن گوری گود میں لیں کاندھے سے لگائیں،
میٹھی، رسیلی، ہلکی ہلکی صدائیں لوری۔ گیت سُنائیں،
لیکن روئے، روئے مچلے، مچل مچل کر ہو ہلکان،
میرے من کا بالک اُلٹا، ہٹ کرتا جائے ہر آن،
انوکھا لاڈلا، کھیلن کو مانگے چندر مان!

چُن چُن کلیاں صاف اور اُجلی، نرم، چمکتی سیج بچھائیں،
گلے لگائیں چومیں چاٹیں، سو نازوں سے ساتھ سلائیں،
سوئے نہ سونے دے اوروں کو، جاگے، جگائے رکھے ہر آن،
میرے من کا بالک اُلٹا، ہٹ کرتا جائے ہر آن،
انوکھا لاڈلا، کھیلن کو مانگے چندر مانؔ!

(۱۹۳۲ - ۱۹۳۴ء)

۔ میراجی کی نظمیں

ایک عورت

سُر میٹھے ہیں، بول رسیلے، گیت سُنانے والی تو،
میرے ذہن کی ہر سلوٹ میں پھیلی نغمے کی خوشبو،
راگنی ہلکے ہلکے ناچے جیسے آنکھوں میں آنسو !
میرے دل کا ہر اک تار
بن کر نغمے کی اک دھار
ظاہر کرتا ہے تیرے پازیبوں کی مدھم ، موہن ،
مستی لانے والی جھنکار!
تیرے دامن کی لہریں ہیں یا ہے مسلا مسلا گیت،
یا ہے بھولے دل کی پہلی، ننھی، نازک، ناداں پیت،
سادہ سادہ لیکن پل میں سب کے دل پر پائے جیت!
میرے دل کا ہر اک تار
ہوتا جاتا ہے سرشار
ایسے جیسے گہرے میٹھے سپنوں کی مدھم ، موہن ،
مستی لانے والی جھنکار[1]

(۱۹۳۵ء)

---

[1] میرا جی کی نظمیں

برہا

سیمابی اور عنابی چیتے ہیں اندھیری راتوں کے،
جیسے منتر ہوں جنگل کے جادوگر کی باتوں کے،
یا ساون میں کالی گھٹاؤں کی تیکھی برساتوں کے،
دل پر چھانے والے نغمے، بے ہوشی لانے والے!

ایسی راتیں — چندا گھونگھٹ کاڑھے، چھپکے بیٹھے ہیں،
اور گنتی کے چند ستارے نیند میں کھوئے کھوئے ہیں،
پیڑ اور پتے، ٹہنی ٹہنی تاریکی میں دھوئے ہیں،
دل کو ڈرانے والے سائے، دل کو دہلانے والے!

سائے، کالے کالے سائے رینگ رینگ کر چلتے ہیں،
اور ان کالے سایوں سے بھوتوں کے جھنڈ اُبلتے ہیں،
دل میں اندھے، بے بس، بے پایاں جذبات مچلتے ہیں
گیت بنانے والے، نغمے چاہت کے گانے والے!

(۱۹۳۵ء)

دُکھ۔ دل کا دارو

سفید بازو،
گداز اتنے
زباں تصور میں حظ اُٹھائے
اور انگلیاں بڑھ کے چھونا چاہیں مگر نہیں برق ایسی لہریں
سِمٹتی مُٹھی کی شکل دے دیں،
سفید بازو گداز اتنے کہ اُن کو چھونے سے اک جھجک رو کتی چلی جائے، روک ہی دے،
اور ایسے احساس اپنی خاصیتیں بدل کر
تمام ذہنی رگوں کے تاروں کو چھیڑ جائیں
اور ایک سے ایک مل کے سب تار جھنجھنائیں
اور ایک جھنجلا کے کروٹیں لیتی گونج کو نیند سے جگائیں
اور ایسے بیدار ہوں اچھوتے، عجیب جذبے؛
میں ان کو سہلاؤں اتنی شدت سے چٹکیاں لوں کہ سیمگوں سطح عکس بن جائے نیلگوں کہربکراں کا،
اور اس طرح دل کی گہری خلوت میں ایسی آشائیں کروٹیں لیں
کہ ایک خنجر
اُتار دوں میں چُبھا چُبھا کر

4 سفید، مرمریں مخملیں جسم کی رگوں میں۔
اور ایک بے بس، حسین پیکر
مچل مچل کر تڑپ رہا ہو
مری نگاہوں کے دائرے میں،
رگوں سے خوں کی ابلتی دھاریں
نکل نکل کر پھسل رہی ہوں، پھسلتی جائیں
سفید، مرمریں جسم کی چاند رنگ ڈھلوان سے ہر اک بوند گرتی جائے
لپٹتی جائے ادھورے، بکھرے ہوئے پریشاں لباس کی خشک و تر تہوں میں،
اور ایک بے بس، حسین عورت کے آنسوؤں میں
مری تمنائیں اپنی شدت سے تھک تھکا کر
عجیب تسکین اور ہلکی سی نیند کے اک سیاہ پردے میں چھپتی جائیں
سیاہ پردہ وہ رات کا ہو!۔

(۱۹۳۵ء)

سرگوشیاں

آج رات

میرا دِل

چاہتا ہے تُو بھی میرے پاس ہو،

اور سوئیں ساتھ ساتھ۔

تیرے پیراہن مجھے

یاد آتے ہیں بہت،

آسماں بھی صاف ہے

اور ستارے اور چاند

بے خود و سرمست ہیں،

تازگی

ہے عیاں

ذرّے ذرّے سے زمیں کے، آہ لیکن بے بسی،

اور تنہائی مری؛

آج تُو آجا، مری ہمراز بن،

آ بھی جا؛

لے، گھٹائیں آ رہی ہیں بے نشاں رفتار سے
اور ان کالی گھٹاؤں میں ہے سرمستی، خمار،
اور پانی کے ہیں تار،
تُو بھی آ،
مل کے ہم
آج رات
گا ہی لیں چاہت کا گیت ؟
جسم بھی تیرا مجھے مرغوب ہے۔
اور تیری ہر ادا
اور یہ چہرہ ترا
محبوب ہے

تیری یہ پیاری جوانی اک اچھوتی سی کلی
اور صورت سادی سادی سالونی،
اور تیرے بالوں میں یہ چمپا کے پھول،
اور نازک ہاتھ پر لپٹا ہوا گجرا ترا،
اور گلے میں ایک ہار،
آہ تیرے سب سنگار
کھینچتے ہیں دل کے تار
اور اک ہلکی سی گونج
اس فضا کی وسعتوں میں کھو گئی ؟

آ مری ننھی پری!
آ مری من موہنی!
آج رات
چاہتا ہوں تو بھی میرے پاس ہو۔

(۱۹۳۵ء)

کیفِ حیات

زرم اور نازک، تند اور تیز،
میٹھا میٹھا درد مرے دل میں جاگا؛
میرا ہے، میرا ہے جھُولا خوشیوں کا؛
مست، منوہر، میٹھا میٹھا درد مرے دل میں جاگا!
جھُول رہی ہوں، جھُول رہی ہوں سندر جھُولا خوشیوں کا!

زرم بہاؤ تند اور تیز،
پیارے گھاؤ جنوں انگیز،
میٹھا میٹھا درد مرے دل میں جاگا!

جیون کی ندی رُک جائے،
رُک جائے تو رُک جائے،
رُک جائے تو رُک جائے،
صرف مرے احساس کی ناؤ چلتی جائے، زرم اور تیز!

گرم لہو رگ رگ میں مچلتا،
ساتھ ہے سپنوں کے پیتم کا،
خوشیوں کا جُھولا ہے میرا،
جُھول رہی ہوں، جُھول رہی ہوں، نرم بہاؤ، نرم اور تیز!

جیون کی ندی رُک جائے، رُک جائے جیون کا راگ،
رُک جائے تو رُک جائے،
رُک جائے تو رُک جائے
رُک جائے تو رُک جائے
میٹھا میٹھا درد مرے دل میں جاگا،
جُھول رہی ہوں، جُھول...

(۱۹۳۵ء)

؎ میرا جی کی نظمیں

دُور و نزدیک

ترا دل دھڑکتا رہے گا
مرا دل دھڑکتا رہے گا
مگر دُور دُور!
زمیں پر سہانے سمے آکے جاتے رہیں گے
یونہی دُور دُور!
ستارے چمکتے رہیں گے
یونہی دُور دُور!
ہر اک شے رہے گی
یونہی دُور دُور!
مگر تیری چاہت کا جذبہ،
یہ وحشی سا نغمہ،
رہے گا ہمیشہ
مرے دل کے اندر
مرے پاس پاس؎۔

(۱۹۳۵ء)

؎ میراجی کی نظمیں

سنجوگ

دن ختم ہوا، دن بیت چکا،
رفتہ رفتہ ہر نجمِ فلک اس اونچے نیلے منڈل سے
چوری چوری یوں جھانکتا ہے
جیسے جنگل میں کٹیا کے اک سیدھے سادے دوارے سے
کوئی تنہا چپ چاپ کھڑا چھپ کر گھر سے باہر دیکھے!
جنگل کی ہر اک ٹہنی نے سبزی چھوڑی، شرما کے چھپی تاریکی میں
اور رنگ برنگے پھولوں کے شعلے کالے کاجل بن کر روپوش ہوئے،
اور بادل کے گھونگٹ کی اوٹ سے ہی تکتے تکتے چنچل چندا کا رُوپ بڑھا!
یہ چندا کرشن — ستارے ہیں جُھرمٹ برندا کی سکھیوں کا!
اور زہرہ نیلے منڈل کی رادھا بن کر کیوں آئی ہے؟
کیا رادھا کی سندرتا چاند بہاری کے من بھائے گی؟
جنگل کی گھنی گپھاؤں میں جگنو جگنگ جگمگ کرتے، جلتے بجھتے، چنگارے ہیں!
اور جھینگر تال کنارے سے گیتوں کے تیر چلاتے ہیں،
نغموں میں بہتے جاتے ہیں!

لو آدھی رات دُلہن کی طرح شرماتی تھی، اب آہی گئی،
ہر ہستی پر اب نیند کی گہری مستی چھائی ــــ خاموشی!
کوئل بولی!
اور رات کی اس تاریکی میں ہی دل کو دل سے ملائے ہیں
پریمی پریتم ــــ
ہاں، ہم دونوں[سہ]!

(۱۹۲۵ء)

سہ میراجی کی نظمیں

چنچل

"کبھی آپ ہنسے، کبھی نین ہنسیں، کبھی نین کے بیچ ہنسے کجرا"
کبھی سارا سُندر رانگ ہنسے، کبھی انگ رُکے ہنس دے گجرا،
یہ سندرتا ہے یا کوتا، میٹھی میٹھی مستی لائے،
اس روپ کے ہنستے ساگر میں ڈگ مگ ڈولے من کا بجرا،
یہ موہن مدھ متوالی ہے، یہ مے خانے کی چنچل ہے
یہ روپ لٹاتی ہے سب میں، پر آدھے مُنہ پر آنچل ہے؛
کیا ناز انوکھے اور نئے سیکھے اِندر کی پریوں سے
اور ڈھنگ منوہر اور زہری سوجھے ساگر کی پریوں سے؟
پہلے سپنے میں آتی ہے، پازیبوں کی جھنکاروں میں
آوارہ کر کے چین مرا، چھپ جاتی ہے سیاروں میں۔[1]

(۱۹۳۵ء)

---

[1] میرا جی کی نظمیں

ناگ سبھا کا ناچ

ناگ راج سے، ناگ راج سے ملنے جاؤں آج،
ناگ راج ساگر میں بیٹھے سر پہ پہنے تاج،
ناگ راج کی سبھا جمی ہے خوشبوئیں لہرائیں،
بہتی، رُکتی، اُلجھتی جاتی، من کو مست بنائیں
چندرماں کی کرنیں آئیں بل کھائیں ـــــ بل کھائیں
ننھے ننھے، ہلکے ہلکے، میٹھے گیت سنائیں،
گاتے گاتے تھکتی جائیں، سوئیں سُکھ کی نیند،
(ناگ سبھا میں) ہلکی ہلکی، میٹھی میٹھی نیند،
کچھ گھڑیاں یوں بیتیں اور پھر سنکھ بجائیں ناگ
وحشی اور بے باک، انوکھے نشّے لائیں ناگ،
سوئی کرنیں جاگ اُٹھیں اور ناچیں سندر ناچ
دیوداسی یاد آجائے، ہاں ــــ اور سندر ناچ
ناگ سبھا کے ناچ انوکھے، سارا ساگر ـــــ ناچ
میرا من بھی بنتا جائے دیکھ دیکھ کر ـــــ ناچ

(۱۹۳۵ء)

ـــ میراجی کی نظمیں

آمدِ صُبح

ڈوپٹہ شب کا ڈھلکے گا؛
نہ ٹھہرے گا یہ سر پر رات کی رانی کے اک پل کو؛

یہ روشن اور اُجلا چاند یعنی رات کا پریمی
یہ اس کو جگمگاتے، پہلے تاروں سے
سجا کر لایا ہے گھر سے۔
مگر چنچل ہے رانی رات کی بے حد؛
دوپٹہ شب کا ڈھلکے گا۔

ہے دل میں چاند کے جذبہ محبت کا،
چھپاتا ہے وہ غیروں کی نگاہوں سے اُڑھا کر اک دوپٹہ اس کو تاروں کا
مگر چنچل ہے رانی رات کی بے حد،
فضا کے گلستاں میں پھرتی ہے اٹھکیلیاں کرتی،
ہوائیں گیسوؤں کو اُس کے چھُو کر دوڑ جاتی ہیں۔
دوپٹہ شب کا ڈھلکے گا؛

وہ لو، پیلا پڑا روشن سا چہرہ چاند کا بالکل؛
اسے افسوس! اندیشوں نے گھیرا ہے؛
اسے خطرہ ہے غیروں کا،
ہے جذبہ اس کے دل میں تند چاہت کا؛
مگر چنچل ہے رانی رات کی بے حد،
وہ اِن کیفیتوں کو دل میں لاتی ہی نہیں بالکل؛

دوپٹہ شب کا ڈھلکا، ہاں وہ ڈھلکا جس طرح نغمہ
کسی راگی کے دل سے اُٹھ کے اک دم بیٹھ جاتا ہے۔

پرندے چہچہاتے ہیں،
وہ لو، سورج بھی اپنی سیج پر اب جاگ اُٹھا ہے،
گئی رات اور دن آیا۔[1]

(۱۹۲۵ء)

---

[1] میراجی کی نظمیں

ایک تصویر

سولہ سنگاروں سے سج کر اک سیج پہ گوری بیٹھی ہے،
پیتم آئے نہیں، آئیں گے، چپکی رستہ تکتی ہے،

لاکھ لگا کر پاؤں سجائے جگمگ جگمگ کرتے ہیں،
پریمی دل کو گرم، "اُبلتے" وحشی خون سے بھرتے ہیں،
نینوں میں کاجل کے ڈورے انگ انگ برماتے ہیں
ننھے، کالے کالے بادل جگ پر چھائے جاتے ہیں،
ماتھے پر سیندور کی بندی یا آکاس پہ تارا ہے
دیکھ کے آجائے گا جو بھولا بھٹکا آوارہ ہے!
نرم، رسیلے، صاف، پھسلتے گال پر تل کا بھونرا ہے
رُوم رُوم سندر کا سنگاروں سے سنورا ستورا ہے
کانوں میں دو بُندے جیسے ننھے مُنّے جھولے ہیں
چنچل اچپل سندرتا کے سُکھ میں سب کچھ بھولے ہیں
جوڑا بیل بنا لپٹا ہے بانہیں گویا ڈالی ہیں -
بیل اور ڈالی کی روحیں یوں مست ہیں مدمتوالی ہیں،

لیکن پیتم آئے نہیں ہیں، آئیں گے، آجائیں گے،
اندر نگر کی خوشیوں والی بستی آ کے دکھائیں گے،
پھر پاؤں کی پازیبیں پریمی کو راگ سُنائیں گی،
میٹھے لمحوں کی باتوں کے گیتوں سے بہلائیں گی!

(۱۹۳۶ء)

اغوا

چاند خاموش ہے، فضا خاموش
راہ خاموش ہے، ہوا خاموش

سارے عالم پہ چھائی خاموشی
نیند کی پُرسکون بے ہوشی

دھیرے دھیرے قدم اُٹھائیں ہم
اور بستی کو چھوڑ جائیں ہم

دیکھو، محدود زندگی کیوں ہو؟
غیر کے بس میں سرخوشی کیوں ہو؟

آؤ، بھولو سماج کی باتیں
اپنی ہیں اب سے چاندنی راتیں

آؤ پابندیوں کو بھولو تم
آؤ آزادیوں کو چھُولو تم

دل کی افسردگی کو دور کرو
دل سے پژمردگی کو دور کرو

آج کی رات ہے مسرت کی
آج ہر بات ہے مسرت کی

آج تکمیل جذبۂ دل کی
ہوگی ہمدم ہماری محفل کی

کشتیٔ عمر چھوڑ دو ـــــ آزاد!
اپنی ہستی کو اب کرو آزاد!

ہاتھ میں ہاتھ تھام لو میرا
اب ہے بس ایک نام لو میرا

ہو کے تحلیل میری ضو میں تم
آؤ، چل دو مرے جلو میں تم

زندگی چار دن ہے چار ہی دن
دل میں چاہت ہے چار دن ساکن

چار دن کے لیے مری بن جاؤ
مرے ہمراہ آؤ، چل دو آؤ

رات ایسی نہ آئے گی پھر سے
وقت ایسا نہ لائے گی پھر سے

چاند خاموش ہے، فضا خاموش
سارا عالم ہے نیند میں بے ہوش

چپکے چپکے قدم بڑھائیں ہم
آؤ آؤ، یہاں سے جائیں ہم

۱۹۴۳ء

ابُوالہَول

بچھا ہے صحرا اور اُس میں ایک ایستادہ صورت بتا رہی ہے
پرانی عظمت کی یادگار آج بھی ہے باقی؛

نہ اب وہ محفل، نہ اب وہ ساقی
مگر انہی محفلوں کا اک پاسباں کھڑا ہے!
فضائے ماضی میں کھو چکی داستانِ فردا
مگر یہ افسانہ خواں کھڑا ہے؛
زمانہ ایوان ہے، یہ اس میں سُنا رہا ہے پرانے نغمے،
میں ایک ناچیز و ہیچ ہستی
فضائے صحرا کے گرم و ساکن، خموش لمحے
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے
ابھی وہ آجائیں گے سپاہی
وہ تُند فوجیں
دلوں میں احکام بادشاہوں کے لے کے آجائیں گی اُفق سے!

ہوائے صحرا نے چند ذرّے کیے پریشاں
ہے یا وہ فوجوں کی آمد آمد؟
خیال ہے، یہ فقط مرا اک خیال ہے، میں خیال سے دل میں ڈر گیا ہوں
مگر یہ ماضی کا پاسباں پُرسکون دل سے
زمیں پہ اک بے نیاز انداز میں ہے قائم[سه]

(۱۹۳۶ء)

سه میراجی کی نظمیں

میں ڈرتا ہوں مسرّت سے

میں ڈرتا ہوں مسرت سے،
کہیں یہ میری ہستی کو
پریشاں، کائناتی نغمۂ مبہم میں اُلجھا دے؛
کہیں یہ میری ہستی کو بنا دے خواب کی صورت؛

مری ہستی ہے اک ذرّہ
کہیں یہ میری ہستی کو چکھا دے مہرِ عالم تاب کا نشّہ؛
ستاروں کا علمبردار کر دے گی، مسرت میری ہستی کو،
اگر پھر سے اسی پہلی بلندی سے ملا دے گی
تو میں ڈرتا ہوں —— ڈرتا ہوں
کہیں یہ میری ہستی کو بنا دے خواب کی صورت؛

میں ڈرتا ہوں مسرت سے
کہیں یہ میری ہستی کو

بُھلا کر تلخیاں ساری
بنا دے دیوتاؤں سا
تو پھر میں خواب ہی بن کر گزاروں گا
زمانہ اپنی ہستی کا[1]

(۱۹۳۶ء)

---

[1] میراجی کی نظمیں

بلندیاں

دیکھ انسانوں کی طاقت کا ظہور،
اک سکونِ آہنیں ہمدم ہے میرا، اور میں
روزنِ دیوار سے
دیکھتا ہوں کوچہ و بازار میں،

آرہے ہیں، جا رہے ہیں لوگ ہر سو ـــــ گرم رَو؛
اور آہن کی سواری کے نمائندے بھی ہیں،
تیز آنکھوں، نرم قدموں کو لئے،
محو گہرے نشّۂ رفتار میں؛
اور یہ اونچا مکان
جس پہ استادہ ہوں میں
جذبۂ تعمیر کا اظہار ہے ـــــ
سرخرو، دل میں اولوالعزمی لئے؛
رات کی تاریکیاں ہر شے پہ ہیں چھائی ہوئی،

لیکن اِن تاریکیوں میں ہیں درخشاں چشمہائے دیوِ تہذیبِ جدید؛
اک سکونِ آہنیں ہمدم ہے میرا، اور میں
سوچتا ہوں عرصۂ انجم کے باشندے تمام
دل میں کہتے ہوں گے —— ہیچ!؟

۱۹۳۶ء

؎ میراجی کی نظیر

اجنبی انجان عورت رات کی

میں دُھندلی نیند میں لپٹا تھا سو پردوں سے، وہ جاگ اٹھی،
ہلکے ہلکے بہتی آئی اور چھائی میٹھی خوشبو سی؛
باریک دوپٹہ سر پہ لئے اور آنچل کو قابو میں کئے
چنچل نینوں کو اوٹ دئے شرمیلا گھونگھٹ تھامے تھی۔
زردوش بدن اک چندر کرن، اٹھتا جوبن بس من موہن،
میں کون ہوں، کیا ہوں، کیا جانے، من بس میں کیا اور بھول گئی!
جب آنکھ کھلی اور ہوش آیا تب سوچ لگی، اُلجھن سی ہوئی،
پھر گونج سی کانوں میں آئی وہ سندر تھی سپنوں کی پری!

(۱۹۳۷ء)

سہ میراجی کی نظمیں

مُحبّت

زرد چہرہ شمع کا ہے اور دھندلی روشنی
راہ میں پھیلی ہوئی،
اک ستونِ آہنیں کے ساتھ استادہ ہوں میں،
اور ہے میری نظر
ایک مرکز پر جمی؛
آہ! اک جھونکا صبا کا آگیا
باغ سے پھولوں کی خوشبو اپنے دامن میں لئے۔

ساری بستی نیند میں بے ہوش ہے
راہ رَو کوئی نہیں،
راہ سب سُونی ہوئی؛
آسماں پر حکمراں ہے شب کی گہری تیرگی،
اور فضا میں خامشی کے سانس کی آواز ہے،
اور ہے میری نظر

ایک مرکز پر جمی،

سامنے

روزنِ دیوار سے

ایک سایہ مجھ کو آتا ہے نظر؎

(۱۹۳۷ء)

؎ میراجی کی نظمیں

سنگِ آستاں

سکھا نغمہ محبّت کا، مجھے محسوس کرنے دے
جوانی کو
ہے نغمہ جن میں خوابیدہ انھیں تاروں کی حرکت سے
میں لے آؤں گا، ہستی کو مجسّم شکل کی صورت،
اُنھیں تاروں کو خوابوں سے جگانے دے مجھے اے رات کے ساقی!
دکھانے دے مجھے جلوہ ستاروں کے اُلجھنے کا
اُسی منظر کو لے آؤں گا میں پھر سے نگاہوں میں
جو ہے باقی'
جو آویزاں ہے اب تک وقت کی دیوی کے آنچل میں
پکڑ کر ہاتھ میں پنچھی کو اس دھرتی کے جنگل میں
اسی خلوت کے محل میں
ترے دل میں
جگا دوں گا میں اپنی گرم آہوں سے
اسی نغمے کو جو سویا ہے تیرے جسم کے محبوب تاروں میں؛
مجھے معلوم ہیں باتیں'

وہ باتیں جو اچھوتی اور پُرانی ہیں
مگر نادان ہیں جذبے؛
ارادہ ہے کہ لے کر آج اِن جذبوں کو میں تاریک غاروں میں
بنوں گا ہم سفر تیرا؛
چل آ! رنگیں کہانی کو
شُرُوعِ عشق کی منزل سے لے بھاگیں
اُسے اِس رات کے پھیلے اندھیرے میں
وہاں پَل میں پہنچا دیں
جہاں ہے گوہرِ مقصود پوشیدہ نگاہوں سے
سہانی، گرم آہوں میں!

(۱۹۳۹ء)

سے میراجی کی نظمیں

اُجالا

آشا آئی سارے من کے دُکھ اِک پل میں مجھ کو بھولے
من مندر میں سُکھ سنگت نے ایسی اُمنگیں آن جگائیں
جیسے کوئی ساون رُت میں پھلواری میں جھولا جھولے
کومل لہریں میرے من میں ایک انوکھی شوبھا لائیں
جیسے اونچے نیلے ساگر میں دو کونجیں اُڑتی جائیں
جیسے بسنتی سماں سہانا من کو چنچل ناچ نچائے !
حیرانی ہے میرے من میں ایسی باتیں کہاں سے آئیں؛
من سویا تھا، سوئے ہوئے کو کون پکارے، کون جگائے؟
جیسے کوئی نوجیون کا ہرکارہ سندیسہ لائے !
جس کے من میں آشا آئے بس وہی سمجھے، وہی بتائے !

(۱۹۳۹ء)

ترقی پسند اَدب

اس کو ہاتھ لگایا ہوگا ہاتھ لگانے والے نے،
پھُول ہے رادھا، بھنورا، بھنورے نے ہاں کالے نے،
جمناتٹ پر ناؤ چلائی ناؤ چلانے والے نے،
دھوکا کھایا، دھوکا کھایا، دھوکا کھانے والے نے،
سکھیاں کب تھیں لاج بچاتیں، کچھ نہ سُنی متوالے نے،
کام نہ آیا، بات نہ رکھی اپنے دل کے اُجالے نے،

دل کا اُجالا بنسی والا میٹھی جس کی بانی ہے،
بنسی دُھن کی بات نہ کہنا یہ تو پرانی کہانی ہے،
اب تو ساری دنیا بدلی ہر صورت انجانی ہے،
دل میں سب کے چھایا اندھیرا ظاہر ہی نورانی ہے،
یہ بھی رُت ہے سٹ جائے گی، ہر رُت آنی جانی ہے،
اِتنی بات کہ دل بےچین رہے جگ میں لافانی ہے،

دل بے چین ہوا رادھا کا کون اسے بہلائے گا؟
جمنا تٹ کی بات تھی ہونی، اب تو دیکھا جائے گا۔
چپکی سہے گی رنگ وہ رادھا جو بھی سر پہ آئے گا،
اُدھو شیام پہیلی رہتی دنیا کو سمجھائے گا۔
پریم کتھا کا جادو سننے والوں کے دل پہ چھائے گا،
یہ تو بتؔ ڈ کون سورما اب کے ہاتھ لگائے گا؟

(۱۹۴۰ء)

ؔ میرا جی کی نظمیں

مندر میں

منتر بول میٹھے۔
منتر بول میٹھے، من بھاتے
دُکھ کو دُور کہیں لے جاتے
آئیں پُجاری، جائیں پجاری
سُکھ کی برکھا لائیں پجاری
منتر بول سے
پرم ایشور کے
کومل من کو رجھائیں پجاری
گائیں پجاری
منتر بول میٹھے۔

آئے پروہت دُوپ جلائے
آرتی کو ہاتھوں میں اُٹھائے
رُن جھُن رُن جھُن کیسی صدا ہے؟
دل کا گنبد گونج رہا ہے،

6 سُکھ کی آشا

سُکھ کا سپنا
ناچ رہی ہے، جھوم رہا ہے،
یوں گاتا ہے
منتر بول میٹھے

جاگ اٹھی ہیں بیتی باتیں
یاد آتی ہیں پہلی راتیں
یاد آتی ہے دیوا داسی
دل ہے پیاسا آنکھ بھی پیاسی
سُکھ ساگر میں
اس مندر میں
میرے دل میں چھائی اُداسی؛
دیوا داسی!
منتر بول میٹھے؎

(۱۹۴۰ء)

؎ میرا جی کی نظمیں

دھوبی کا گھاٹ

جس شخص کے ملبوس کی قسمت میں لکھی ہے
کرنوں کی تمازت
رشک آتا ہے مجھ کو
اُس پر۔

کیوں صرف اچھوتا،
انجان، انوکھا،
اک خواب ہے خلوت؟
کیوں صرف تصوّر
بہلاتا ہے مجھ کو؟

کیوں صبحِ شبِ عیش کا جھونکا
بن کر
رخسار کی بے نام اذیّت

سہلاتا ہے مجھ کو؟
کیوں خوابِ فسوں گر کی قبا چاک نہیں ہے؟
کیوں گیسوئے پیچیدہ و رقصاں
نمناک نہیں ہے
اشکِ دلِ خوں سے؟
کیوں لمس کی حسرت کے جنوں سے
ملتی نہیں مجھ کو
بے قید رہائی؟

ملبوس پہ کرنوں کی تمازت
ہے دامِ نظر کا،
اور صبحِ شبِ عیش کو گیسو کا مہکتا ہوا جھونکا
مرہون سحر کا،
ہوتا ہی نہیں ہے۔

کیوں دھوئے نہ پیراہنِ آلودہ کے دھبّے
مخمورِ مسرّت؟
کرنوں کی تمازت
بن جائے نہ کیوں رنگِ شبِ عیش کا اک عکسِ مسلسل؟

مجبورِ اذیّت!

تو مان لے، اس عکس کا منظر
دیتا ہے تجھے جامِ چشیدہ کی سی لذت،
کیوں سوچ رہا ہے
جھوٹا ہے یہ پیالہ؟
کیا آج زمانے میں کہیں دیکھی ہے تُو نے
دوشیزہ مسرّت؟

پھیلے ہوئے ملبوس پہ کرنوں کی تمازت
ہے زیست کے گیسو کی حرارت،
اس شخص کو پیراہنِ آلودہ کے دھونے ہی سے روزی
ملتی ہے جہاں میں
تو اس پہ نظر کر۔

(۱۹۴۱ء)

ہندی جوان

ساقِ سیمیں کا فسوں رنگِ جنوں لے آیا،
کیوں تُسکوں سر کو نگوں کرکے ہُوا محوِ ملال؟
کیوں نظر آتے ہیں پھیلے ہوئے بازو مجھ کو؟
مری آنکھوں میں ہیں بازو اپنے
جیسے اک پیڑ کے ٹہنے ہوں کہیں پھیلے ہوئے
جن پہ طائر کا نشیمن کبھی بنتا ہی نہ ہو
سُوکھتے جاتے ہوں ٹہنے غمِ محرومی سے

کیسی ڈھلوان سے پھسلا ہے شعور،
سوچ اک تیتری بن کر یوں اُڑی جاتی ہے:-
جواں سال! ترے دل کو لُبھاتا ہے یہ منظر لیکن
مرمریں قصر کا لذّت سے یہ لبریز ستون
اپنی دوری! تری مجبوری سے
کہیں احساس کو ہی ساکت و جامد نہ کرے۔

اپنی محرومی پہ بل کھاتے ہوئے جھنجلا کر
جاگ اٹھا ہے خیال
پیرہن شعلے کی مانند لپک اٹھے ترا
اور مجھے غرقِ مے رنگ نسائی کر دے
لیکن اک منظرِ پس ماندہ نظر آئے گا۔
دلکشی جس کی جھپٹ کر مجھے آنے ہی نہ دے گی آگے
اس حکایت میں میں پس ماندہ ہی رہ جاؤں گا۔

ذہن آلودہ ہے افسانے سے
وہ جو دیکھا تھا ابھی پردۂ سیمیں پہ نگاہوں نے مری،
رقص میں پاؤں اُٹھے جاتے تھے سر سے اُوپر،
پیرہن کا تو کہیں نام نہ تھا۔
دل مرا غرقِ مے رنگ نسائی ہو کر
جھوم اٹھا تھا جب آیا انجام۔

اب وہ افسانہ حقیقت بن کر
لوٹ آیا ہے نگاہوں میں مری
لیکن اس منظرِ بے باک پہ اب
بارش پنبۂ لرزاں کی حیا چھائی ہے۔

چار ہاں چار — فقط چار قدم

فاصلہ مجھ سے ترے جسم کا ہے۔
دسترس شعلہ بناتی نہیں پیراہن کو
پیرہن شعلے کی مانند نہ لپکے گا کبھی۔
وہ جو دیکھا تھا ابھی پردۂ سیمیں پہ نگاہوں نے مری
وہ تو افسانہ تھا

مرے مقدور میں تھا اُس کا حصول،
جیب سے میری نکل کر چاندی
روپ پر جا کے چمک اٹھی تھی۔
نیم عریاں یہ حقیقت نہیں قسمت میں مری
مرمریں قصر کا لذت سے یہ لبریز ستون
ترے دامن ہی میں پوشیدہ ہے۔

مجھ کو تسلیم ہے اے ہمدم افسانہ طراز!
چاک آنکھوں کے تو سل سکتے ہیں،
نیند آ سکتی ہے اب بار تصور سے مجھے،
جیب و دامن میں مگر دوری ہے۔
تو سمجھ سکتا نہیں ہے یہ بات؟
جیب تو میری ہے، دامن اس کا[*]

(۱۹۴۱ء)

---

[*] میراجی کی نظمیں

اُونچا مکان

بے شمار آنکھوں کو چہرے میں لگائے ہوئے استادہ ہے تعمیر کا اک نقشِ عجیب،
اے تمدن کے نقیب!
تری صورت ہے مہیب،
ذہنِ انسانی کا طوفان کھڑا ہے گویا؛
دھن کے لہروں میں کئی گیت سنائی مجھے دیتے ہیں، مگر
اُن میں، یک جوش ہے بیہ، دکا، فریاد کا ایک عکسِ دراز،
اور الفاظ ہیں افسانے ہیں بے خوابی کے۔
کیا کوئی روحِ حزیں
ترے سینے میں بھی بے تاب ہے تہذیب کے رخشندہ نگیں؟

گھٹ کے لہریں ترے گیتوں کی مٹیں، مجھ کو نظر آنے لگا
ایک تمخابہ کسی بادۂ بد رنگ کا اک ٹوٹے ہوئے ساغر میں،
نشۂ مے سے نظر دھندلی ہوئی جاتی ہے
رات کی تیرہ فضا کیوں مجھے گھبراتی ہے؟

رات کی تیرہ فضا میں تری آنکھوں کی چمک مجھ کو ڈرا سکتی نہیں ہے، میں تو
اس سے بھی بڑھ کے اندھیرے میں رہا کرتا تھا،
اور اس تیرگیٔ روح میں رخشاں تھے ستارے دُکھ کے،
اور کبھی بھول میں ہر نجمِ درخشاں سے لپک اٹھتے تھے شعلے سُکھ کے
جیسے روزن سے ترے تان لپکتی ہوئی پھیلاتی ہے بازو اپنے،
جذب کر لیتا ہے پھر اُس کو خلا کا دامن،
یاد آنے لگے تنہائی میں بہتے ہوئے آنسو اپنے
وہی آنسو، وہی شعلے سُکھ کے،
لیکن اک خواب تھا اک خواب کی مانند لپک شعلوں کی تھی،
مری تخئیل کے پر طائرِ زخمی کے پروں کی مانند
پھڑپھڑاتے ہوئے بےکار لرز اُٹھتے تھے،
مرے اعصاب کا تناؤ مجھے جینے ہی نہ دیتا تھا، تڑپ کر یکبار،
جستجو مجھ کو رہائی کی ہوا کرتی تھی،
مگر افسوس کہ جب درد دوا بننے لگا مجھ سے وہ پابندی ہٹی،
اپنے اعصاب کو آسودہ بنانے کے لئے
بھول کر تیرگیٔ رُوح کو میں آپہنچا
اِس بلندی کے قدم میں نے لئے
جس پہ تو سینکڑوں آنکھوں کو جھپکتے ہوئے استادہ ہے۔

ترے بارے میں اشارتاً کہی تھیں لوگوں نے مجھے
کچھ حکایاتِ عجیب،

میں یہ سُنتا تھا ترے جسم گرانبار میں بستر پہ بچھا،
اور اک نازنیں لیٹی ہے وہاں تنہائی
ایک پھیکی سی تھکن بن کے گھُسی جاتی ہے
ذہن میں اُس کے، مگر وہ بے تاب
منتظر اس کی ہے پردہ لرزے
پیرہن ایک ڈھلکتا ہوا بادل بن جائے۔
اور دَر آئے اِک اَن دیکھی، انوکھی صورت،
کچھ غرض اس کو نہیں ہے اس سے
دل کو بھاتی ہے، نہیں بھاتی ہے۔
آنے والے کی ادا ـــ
اس کا ہے ایک ہی مقصود، وہ استادہ کرے
بحرِ اعصاب کی تعبیر کا اک نقشِ عجیب
جس کی صورت سے کراہت آئے
اور وہ بن جائے تراماد مقابل پل میں
ذہنِ انسانی کا طوفان کھڑا ہو جائے
اور وہ نازنیں بے ساختہ بے لاگ ارادے کے بغیر
ایک گرتی ہوئی دیوار نظر آنے لگے
شب کے بے رُوح تماشائی کو!
بھول کر اپنی تھکن کا نغمہ
مختصر لرزشِ چشمِ درے
ریگ کے قصر کی مانند سبکسار کرے۔

بحرِ اعصاب کی تعمیر کا اک نقش عجیب
ایک گرتی ہوئی دیوار کی مانند لچک کھا جائے

یہ حکایات مرے ذہن میں اک بوئے خراماں بن کر
جب کبھی چاہتی تھیں رقص کیا کرتی تھیں،
اور اب دیکھتا ہوں سینکڑوں آنکھوں میں تری
ایک ہی چشمِ درخشاں مجھے آتی ہے نظر،
کیا اسی چشمِ درخشاں میں ہے شعلہ سُکھ کا؟
ہاتھ سے اپنے اب اس آنکھ کو میں بند کیا چاہتا ہوں؎۔

(۱۹۴۱ء)

؎ میراجی کی نظمیں

ایک منظر

پھیل رہی ہے سیاہی، رستہ بھول نہ جائے راہی!

آج اشنان کیا گوری نے (آج بھلا کیوں نہائی!)
یہ سنگار رجال بابا کا، اس نے کس سے نبھائی؟
مورکھ، چھوڑ نادانی کی باتیں، کیسی دھن یہ سمائی؟

پھیل رہی ہے سیاہی، رستہ بھول نہ جائے راہی!

جھومی گیسو کی چھایا تو دھیان انوکھا آیا،
نٹ کھٹ برندابن سے ساتھ میں رادھا کو بھی لایا،
رادھا مکھ کی اجلی مورت، شیام گیسو کا سایا۔
سامنے جیوتی جاگ رہی ہے، پیچھے گھور اندھیرا،
دیکھ کے دو دنیاؤں کا جلوہ ڈول اٹھا من میرا،
دونوں اڑائیں دھیان کے پنچھی کی جوگی والا پھیرا،

پھیل رہی ہے سیاہی، رستہ بھول نہ جائے راہی؛

دونوں لوک دیکھ کے دھیان اِک اور ہی جگ کا آیا
دُور سے دیکھو تو اندھیارا، پاس اُجیالے کی مایا،
مایا کا جب بندھن ٹوٹے، چھائے تھکن کا سایا،

پھیلے پھر سے سیاہی، رستہ بھول ہی جائے راہیؔ

(۱۹۴۱ء)

چودہ مئی کی رات

اب کچھ نہ رہا، مٹی میں ملا، جو دھن تھا پاس وہ دور ہوا،
وہ دھن بھی دھیان کی موج ہی تھی، مچلی، ابھری، ڈوبی، کھوئی
وہ پہلی، اچھوتی سندرتا نیند آہی گئی اس کو، سوئی
نادان جوان میرے دل کا نشہ تھا نیا ۔۔ مخمور ہوا،
بس گیان کی موج اٹھی ۔۔۔ چنچل اچپل، البیلی سی ناری
جو بات بتائی اس نے مجھے وہ بات لگی دل کو پیاری
کچھ سوچ نہیں، کچھ سوچ نہیں، کیوں سوچ میں کھوئے دل میرا؟
کیوں اپنے لہو کی بوندوں سے آنکھوں کو دھوئے دل میرا؟
اب رنگ لہو کا اور ہوا، اب رنگ لہو کا اور ہوا،
گیسو کی کلیاں مرجھائیں، اک کھیت کپاس کا پھولا ہے،
من سوچ کرے تو گیانی نہیں، اگیانی ہے من بھولا ہے!

اس جگ کی ریت ہے یہ ناداں، ہر بات بدلتی رہتی ہے
رت آتی ہے، رت جاتی ہے، یوں وقت کی ندی بہتی ہے
بچپن آیا، کیسا تھا سماں! جگ کی ہر بات نرالی تھی،

من اپنا بھولا بھالا تھا، سب دنیا بھولی بھالی تھی؛
پھر من کی دھارا پھوٹ بہی، میٹھی رُت آئی جوانی کی؛
من میں تھیں اُمنگیں پیتم کی، آشائیں پریم کہانی کی،
یہ دنیا ایک شکاری تھی، کیسا جال بچھایا تھا اس نے!
دو روز میں ہم نے جان لیا، سُکھ اور کا ہے اور دُکھ اپنا؛
سنجوگ کے دن گنتی میں نہیں اور پریم کی راتیں ہیں سپنا
یہ دنیا اک بیوپاری تھی، کیسا بہکایا تھا اس نے!
من جال میں پھنس کر جب تڑپا، جھنجھلا اٹھا، جھنجھلا اٹھا؛
اک رات کے جادو میں کھو کر پھر آیا جوانی کا ریلا،
دل میں الجھن تھی آنکھوں میں اک رنگ لہو سا چھایا تھا؛
دو پل کو مدماتے ہو کر دیکھا ہم نے، انوکھا میلہ؛
اک گیان کی چنچل موج اٹھی، اس جگ میں جیون دو دن کا!
اب من کو کیسے سوچ آئے، انجانی ہولی کیوں کھیلا؟

(۱۹۴۱ء)

سے میراجی کی نظمیں

لبِ جوئبارے

ایک ہی پل کے لئے بیٹھ کے پھر اُٹھ بیٹھی
آنکھ نے صرف یہ دیکھا کہ نشستہ بُت ہے،
یہ بصارت کو نہ تھی تاب کہ وہ دیکھ سکے
کیسے تلوار چلی، کیسے زمیں کا سینہ
ایک لمحے کے لئے چشمے کی مانند بنا۔

پیچ کھاتے ہوئے یہ لہر اٹھی دل میں مرے
کاش! یہ جھاڑیاں اک سلسلۂ کوہ بنیں۔
دامنِ کوہ میں میں جا کے ستادہ ہو جاؤں۔
ایسی انہونی جو ہو جائے تو کیوں یہ بھی نہ ہو
خشک پتّوں کا زمیں پر جو بچھا ہے بستر
وہ بھی اک ساز ہے ساز تو ہے ساز تو ہے
نغمہ بیدار ہوا تھا جو ابھی، کان ترے
کیوں اُسے سُن نہ سکے سننے سے مجبور رہے
پردۂ چشم نے صرف ایک نشستہ بُت کو

ذہن کے دائرۂ خاص میں مرکوز کیا۔

یاد آتا ہے مجھے کان ہوئے تھے بیدار
خشک پتوں سے جب آئی تھی تڑپنے کی صدا
اور دامن کی ہر اک لہر چمک اٹھی تھی،
پڑ رہا تھا اسی تلوار کا سایہ شاید
جو نکل آئی تھی اک پل میں نہاں خانے سے
جیسے بے ساختہ انداز میں بجلی چمکے

لیکن اس دامنِ آلودہ کی ہر لہر مٹی۔
جل پری دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہوئی؛
میں ستادہ ہی رہا! میں نے نہ دیکھا (افسوس!)
کیسے تلوار چلی، کیسے زمیں کا سینہ
ایک لمحے کے لئے چشمے کی مانند بنا۔

دامنِ کوہ میں استادہ نہیں ہوں اس وقت
جھاڑیاں سلسلۂ کوہ نہیں، پردہ ہیں
جس کے اس پار جھلکتا نظر آتا ہے مجھے
منظرِ انجان، اچھوتی سی دلہن کی صورت

ہاں، تصور کو میں اب اپنے بنا کر دولہا

اسی پردے کے نہاں خانے میں لے جاؤں گا
کیسے تلوار چلی، کیسے زمیں کا سینہ
دلِ بے تاب کی مانند تڑپ اُٹھا تھا
ایک بے ساختہ انداز میں، بجلی کی طرح
جل پری گوشۂ خلوت سے نکل آئی تھی!
زندگی گرم تھی ہر بوند میں آبلہ پاؤں
خشک پتوں پہ پھسلتے ہوئے جا پہنچے تھے
میں بھی موجود تھا — اک کرمکِ بے نام ونشاں
میں نے دیکھا کہ گھٹا شق ہوئی، دھار نکلی
برق رفتاری سے اک تیر کماں نے چھوڑا،
اور وہ خم کھا کے، لچکتا ہوا تھرا کے گرا
قلۂ کوہ سے گرتے ہوئے پتھر کی طرح
کوئی بھی روک نہ تھی اس کے لئے، اس کے لئے
خشک پتوں کا زمیں پر ہی بچھا تھا بستر،
اسی بستر پہ وہ انجان پری لیٹ گئی!

اور میں، کرمکِ بے نام، گھٹا کی صورت
اسی امید میں تکتا رہا، تکتا ہی رہا
اب اسی وقت کوئی جل کی پری آجائے
بنسری ہاتھ میں لے کر میں گوالا بن جاؤں!

جل پری آئے کہاں سے؟ وہ اسی بستر پر
میں نے دیکھا، ابھی آسودہ ہوئی، لیٹ گئی؛
لیکن افسوس کہ میں اب بھی کھڑا ہوں تنہا'
ہاتھ آلودہ ہے، نمدار ہے، دھندلی ہے نظر؛
ہاتھ سے آنکھوں کے آنسو تو نہیں پونچھے تھے؟

(۱۹۳۱ء)

عکس کی حرکت

کچھ رنگ کا نور، کچھ آوازیں، کچھ سائے ۔۔ دھندلکے کا پردہ،
اور مجھ کو جھجک ہے، کیسے کہوں، سننے والے جھلائیں گے،
اک مورت ہے بیٹھی، من موہنی صورت ہے،
انوپ بدن کی چندر کرن ۔۔ لہراتی ہے،
بہتی ندی ۔۔ بل کھاتی ہے،
اک پل کو دکھائی دیتی ہے
پھر آنکھ جھپکتے ہیں، دھندلی ہو جاتی ہے،
حیران ہوں کیسا جادو ہے،
یا میری آنکھ میں آنسو ہے،
آنسو ہے دھندلکے کا پردا
کچھ سائے ہیں، کچھ آوازیں، کچھ رنگ کا نور بھی لرزاں ہے،
اور مجھ کو جھجک ہے، کیسے کہوں، سننے والے جھلائیں گے!

کیا دھیان آیا، کیا دھیان آیا!

کیوں آنکھ جھکی، دل شرمایا؟

تیری پُوجا کے مندر کی مورت ٹوٹی، جُگ بیت چکے،

اب ہارنے والے ہار چکے، در جیتنے والے جیت چکے،

کیا سوکھی پھیکی کہانی میں اس رنگ سے موہنی آجاتی" ــــ

وہ رنگ کا لوژ، وہ آوازیں، وہ سائے، وہ پردہ ـــــ دھندلا؟

دھندلا پردا پیراہن ہے

ساری کا رسیلا دامن ہے

رہ رہ کے لرزتا جاتا ہے

رُک رُک کے مچلتا جاتا ہے

اِک سایہ اُن آوازوں کی

اُجلی، نورانی کہانی کو

کہہ کہہ کے لرزتا جاتا ہے،

اور آگے نکلتا جاتا ہے،

اور مجھ کو جھجک ہے کیسے کہوں،

خاموش رہوں، دکھ درد سہوں یہ بات نہیں میرے بس کی،

کیوں جاگتی ہیں لہریں رس کی؟

ان زہری پھولوں کو کون چُنے؟

دُکھ درد کی بات نہ کوئی سُنے،

ہاں، مجھ کو جھجک ہے، کیسے کہوں سُننے والے جھلّائیں گے!

خاموش رہوں، چپ چاپ سہوں، سہتا جاؤں۔

اک ندی میں بہتا جاؤں،

بہتی ندی — بل کھاتی ہے،
لہراتی ہے — اک چندر کرن، کنول بدن،
میٹھی، من موہنی صورت ہے،
چنچل، متوالی مورت ہے،
کچھ رنگ کا نور، کچھ آوازیں، کچھ سائے لرزتے جاتے ہیں،
اور لمحے گذرتے جاتے ہیں، اور لمحے گذرتے جاتے ہیں؎!

(۱۹۴۱ء)

؎ میراجی کی نظمیں

شام کو، راستے پر

رات کے عکسِ تخیل سے ملاقات ہو جس کا مقصود
کبھی دروازے سے آتا ہے، کبھی کھڑکی سے،
اور ہر بار نئے بھیس میں در آتا ہے۔
اس کو اک شخص سمجھنا تو مناسب ہی نہیں،
وہ تصور میں مرے عکس ہے ہر شخص کا، ہر انساں کا،
کبھی بھر لیتا ہے اک بھولی سی محبوبۂ نادان کا بہروپ، کبھی
ایک چالاک، جہاں دیدہ و بے باک ستمگر بن کر
دھوکا دینے کے لئے آتا ہے، بہکاتا ہے،
اور جب وقت گذر جائے تو چھپ جاتا ہے۔

مری آنکھوں میں مگر چھایا ہے بادل بن کر
ایک دیوار کا روزن، اسی روزن سے نکل کر زمیں
مری آنکھوں سے لپٹتی ہیں، مچل اٹھتی ہیں
آرزوئیں دلِ غم دیدہ کے آسودہ نہاں خانے سے!

اور میں سوچتا ہوں نور کے اس پردے میں
کون بے باک ہے، اور بھولی سی محبوبہ کون ؟
سوچ کو روک ہے دیوار کی، وہ کیسے چلے ؟
کیسے جا پہنچے کسی خلوتِ محبوب کے مخمور صنم خانے میں ؟
وہ صنم خانہ جہاں بیٹھے ہیں دو بُت ——— خاموش،
اور نگاہوں سے ہر اک بات کہے جاتے ہیں،
ذہن کو ان کے دھندلکے نے بنایا ہے اک ایسا عکاس
جو فقط اپنے ہی من مانے مناظر کو گرفتار کرے،
میں کھڑا دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں، جب دونوں
چھوڑ کر دل کے صنم خانے کو گھر جائیں گے،
صحن میں تلخ حقیقت کو کھڑا پائیں گے،
ایک سوچے گا مری جیب، یہ دنیا، یہ سماج،
ایک دیکھے گا وہاں اور ہی تیاری ہے،

مجھ کو الجھن ہے یہ کیوں میں تو نہیں ہوں موجود
رات کی خلوتِ محبوب کے مخمور صنم خانے میں ؛
مری آنکھوں کو نظر آتا ہے روزن کا دُھواں
اور دل کہتا ہے یہ دودِ دلِ سوختہ ہے،
ایک گھنگھور سکوں، ایک کڑی تنہائی
میرا اندوختہ ہے۔
مجھ کو کچھ فکر نہیں آج یہ دنیا مٹ جائے،

مجھ کو کچھ فکر نہیں آج یہ بے کار سماج
اپنی پابندی سے دم گھٹ کے فسانہ بن جائے،
مری آنکھوں میں تو مرکوز ہے روزن کا سماں!
اپنی ہستی کو تباہی سے بچانے کے لئے
میں اسی روزن بے رنگ میں گھس جاؤں گا،
لیکن ایسے تو وہی بت نہ کہیں بن جاؤں
جو ننگا ہو سا ہے ہر اک بات کہے جاتا ہے،
چھوڑ کر جس کو صنم خانے کی محجوب فضا
گھر کے بے باک، المناک سیہ خانہ میں
آرزوؤں پہ ستم دیکھنا ہے، گھلنا ہے،
میں تو روزن میں نہیں جاؤں گا، دنیا مٹ جائے
اور دم گھٹ کے فسانہ بن جائے
سنگدل، خون سکھاتی ہوئی بے کار سماج،
میں تو اک دھیان کی کروٹ لے کر
عشق کے طائر آوارہ کا بہروپ بھروں گا پل میں،
اور چلا جاؤں گا اس جنگل میں
جس میں تو، چھوڑ کے اک قلب فسردہ کو اکیلے، چل دی،
راستہ مجھ کو نظر آئے نہ آئے، پھر کیا
ان گنت پیڑوں کے میناروں کو
میں تو چھوتا ہی چلا جاؤں گا،
اور پھر ختم نہ ہوگی یہ تلاش،

جستجو روزنِ دیوار کی مرہون نہیں ہو سکتی،
میں ہوں آزاد ـــــ مجھے فکر نہیں ہے کوئی،
ایک گھنگھور سکوں، ایک کڑی تنہائی
مرا اندوختہ ہے؎

(۱۹۴۱ء)

؎ میراجی کی نظمیں

اُفتاد

اپنے اک دوست سے ملنے کے لئے آیا ہوں،
ایک دو بار تو زنجیر ہلائی میں نے
لیکن آواز کوئی آئی نہیں؛
گھر پہ موجود نہیں؟ —— سویا ہوا ہے، دن میں؟
اور اک بار ہلاؤں زنجیر؟
چھیڑ دوں سُونی گلی میں وہی گستاخ صدا
راہ تکتے ہوئے جس پر مجھ کو
رات میں بھونکتے کتے کا گماں ہوتا ہے؟
لیکن اک لمحہ ٹھہر جاتا ہوں
سوچتا ہوں کوئی بھولی بھٹکی
سرِ کوچہ سے نکل آئے گی،
خمِ دیوار پہ سیارے کی مانند رواں
اور اک لمحہ گذر جائے گا اس منظرِ رنگین کے جلوے کا تماشا کرتے
ایک پل ایسے بھی کٹ جائے گا۔
لیکن افسوس! مرے سامنے دروازہ ہے

راہ تکنا ہی مقدر میں لکھا ہے شاید۔

ایک دروازے میں کیا راز کی باتیں ہیں نہاں
ابھی کھولوں کوئی ان دیکھی، انوکھی صورت
سامنے بُت بنی، استادہ نظر آجائے،
اور شاید کسی جلتے ہوئے دروازے کا تختہ یہ المناک حقیقت سمجھائے
ابھی دہلیز کو کرتے ہوئے پار
زندگی سے تری افسوس! ہمیشہ کے لئے،
کوئی رخصت ہوا، رخصت ہوا، معدوم! —— عدم
بند ہوتا ہوا، کھلتا ہوا دروازہ ہے!
ہاں، یہی منظر لبریز بلاغت اب تو
آئینہ خانے میں آنکھوں کے جھلکتا ہے مدام۔

بند ہوتا ہوا دروازہ نظر آتا ہے
بند ہوتے ہوئے دروازے کے پردے میں مجھے
پھیلتی وسعتِ چالاک نے بہکایا ہے۔
یہی وسعت مرے ماضی کے گھروندے میں بھی ہے،
مگر اک مرکزِ بے نام ونشاں، سُن، خاموش؛
ایک دلہن سی، الجاتی ہوئی، شرماتے ہوئے بل کھاتی،
اور سمٹی چلی جاتی ہوئی مرکز کی طرف۔

گرم بستر پہ تڑپتا ہوا دل بول اٹھا
بند ہوتے ہوئے دروازے کے جادو نے مجھے
پھیلتی وسعتِ نمناک میں اُلجھایا ہے۔

پھیلتی وسعتِ نمناک ہے اک دامِ خیال'——
بند ہوتا ہوا دروازہ کسی کالے کا پھن بنتا ہے،
بین سے تیر کے پھل کی طرح تھرّاتی ہوئی
زخم کو لاتی ہوئی تیکھی صدا آتی ہے
جس میں پوشیدہ ہے' آسودہ ہے سحرِ قاتل
لیکن احساسِ سماعت ہی نہ تھا مجھ کو مرے کانوں میں
ایک ہی گونجتی، جھلاتی ہوئی تلخ صدا آتی تھی۔
بند ہوتا ہوا دروازہ ترے سامنے کیوں آیا ہے؟
بین کے نغمے سے چونکا، اٹھا،
پھن کو پھیلائے ہوئے جھومنے' لہرانے لگا
آنکھ تو مست ہے' اب بھی اسی منظر کی طرف مائل ہے'
اور بوسیدہ' فتادہ تختے
بازوؤں کی طرح کھلتے ہیں'   لپٹ جاتے ہیں۔
گرم بستر پہ پڑی لیٹی ہوئی بیسوا دہلیز کی گردن میں حمائل ہو کر'
جو بھی آپہنچے بس اس کے پاؤں
روندتے روندتے دہلیز کو بڑھ جاتے ہیں'
در پھر تیرگی   نادن کا جاہل کا دماغ——

جس میں بھرائی ہوئی سرد صدا گونجتی ہے،
جسم کے نور کو کھا جاتی ہے،
اور بوسیدہ، افتادہ تختے
چوستے ہونٹوں کی مانند مرے گرم لہو کو پل میں
اپنی رگ رگ میں سمو لیتے ہیں، چلّاتے ہیں،
ایک وحشت کے فسوں میں کھو کر
میں بھی بن جاتا ہوں اک چیخ المناک صدا:
تیر کے پھل کی طرح چھوٹ کے تھرّاتی ہوئی!
اب خلش، درد، تڑپ، رسوائی
بند ہوتے ہوئے، کھلتے ہوئے دروازے ہیں؟

(۱۹۴۱ء)

محبوبہ کا سایہ

آکاش کے نیلے ساگر کا متوالا چاند ہے دل میرا
نین، اب نور نہیں باقی، مرجھایا ہے، ماند ہے دل میرا
وہ نور کہ جس کی کرنوں کے سایوں سے دھندلکے بنتے تھے
بوجھل احساس مرے دل کے چھن چھن کر ہلکے بنتے تھے
اب نور کے رنگ مٹے سارے، اب ایک اندھیرا چھایا ہے
اب تاریکی کے بندھن نے دکھ درد کا روپ دکھایا ہے

کیسا تھا سماں، جب سارا جہاں میری آنکھوں میں سمایا تھا
وہ سایہ تھی، میں سایہ تھا، دونوں پر جادو چھایا تھا
جیسے جنگل میں غزالوں کا اک جھرمٹ ڈر کر بھاگ اُٹھے
اور پیچھے پیچھے شکاری کا ہر تیر بھی نیند سے جاگ اُٹھے
سوکھے پتوں میں جاگے گیت، تھرا اُٹھے، جھنجھلا اُٹھے
جنگل کی فضا کے گنبد میں ٹوٹے تاروں کی صدا اُٹھے
یہ سارا منظر بھی اب تو میری آنکھوں میں سمایا ہے
اور یاد کے ساحل پر پانی کے جھاگ نے راج جمایا ہے

اس شہر کا ہر سونا رستہ مجھ کو دھارا ہے ندی کی
ہر راہ سے یاد تڑپ کے ابلتی ہے پہلی سکھ بیتی کی
شوبھا ہے اونچے محلوں کی ہر راہ کے دونوں کناروں پر
اک منظر زخمہ بنتا ہے میرے سازِ دل کے تاروں پر!
منظر ہے محل کا، رستے کا، رستے پر پریمی جاتا ہے
چھت پر پیراہن لٹکا ہے، لہراتا ہے بل کھاتا ہے
اور سورج اپنے نور سے پیراہن کو سایا بناتا ہے
دل، گیت بھون کے ساگر کی سندرتا میں کھو جاتا ہے

وہ گیت بھی سایہ ہے اک میرے دل کے مندر کا
اس میں رانی کی مورت ہے اور گیت اشنان کے منظر کا
متوالا چاند چمکتا ہے، دل میرا ـــــ انگ کسی کا ہے
رستا ہے ہو میرے دل کا اور اس میں رنگ کسی کا ہے
چھت پر پیراہن لٹکا ہے، رانی اشنان میں کھوئی تھی
کیا بیتی رات وہ سکھ کی سیج پہ ساتھ کسی کے سوئی تھی؟
یہ سُوجھ جگاتی ہے دل میں اک درد کے مہلک جادو کو
اور گیت بھون کا منظر خون بنا دیتا ہے آنسو کو
منظر ہے محل کا، رستے کا، رستے پر پریمی جاتا ہے
چھت پر پیراہن لٹکا ہے، لہراتا ہے، بل کھاتا ہے
اور درد کا پنچھی تنگ آ کر اک ڈالی پر رک جاتا ہے
دل گیانی ہے سورگوں کا یہ بات نئی سمجھاتا ہے
" یہ پیر ہن آنے والی میٹھی متوالی راتوں میں!

تیرے گالوں کو سہلائے گا۔ سیج کی ان برساتوں میں

کچھ دھیان نہ آس کا آئے گا! پھلواری میں سو بھنورے تھے

انمول بدن تھا پیتم کا، سولہ سنگار سے سنورے تھے

سب انگ اچھوتے، ان دیکھے اور سکھ کی سیج سہانی تھی

اوروں کے لئے "تو اجالا تھا، پریمی کو دکھ کی کہانی تھی"

یہ دل کی بات لگی پیاری، میں دھیان کی دھن میں ڈوب گیا

دکھ درد مٹا، میدان میں ہارا، دور ہوا۔ محجوب گیا!

لیکن یہ رنگ خیالوں کے اب میری نظر میں سایہ ہیں

سب بیتی رات کا جادو ہیں، سب پچھلے جنم کی مایا ہیں

(۱۹۴۱ء)

؎ میراجی کی نظمیں

بعد کی اڑان

چوم ہی لے گا، بڑا آیا کہیں کا، کوّا،
اُڑتے اُڑتے بھلا دیکھو تو کہاں آپہنچی،
کالُو را، کالا کلوٹا، کاجل
میں، گر مرد نہ ہوتا تو یہ کہتا تجھ سے!

دوش پر بکھرے ہوئے ہیں گیسو،
بندی دُمدار ستارہ ہے مگر ساکن ہے،
چلتے چلتے کوئی رُک جائے، چانک جیسے،
غسل خانے میں نظر آیا تھا انگلی پہ مجھے سُرخ نشاں،
وہی دُمدار ستارے کی نمائش کا پتہ دیتا تھا،
آپ ناپید ہوا ہے مگر اپنے پیچھے
کسی نقشِ کفِ پا کی صورت
رات کے راستے میں چھوڑ گیا ہے وہ کہانی جس کو
سُننے والا یہ کہے گا مجھ سے
گیت میں ایسی لرزتی ہوئی اک تان کی حاجت ہی نہ تھی،

ایسی ہی ایک لرزتی ہوئی تان آئی تھی
جب پھسلتے ہوئے ملبوس لرزتے ہوئے جا پہنچے تھے
فرش پر ایک مسہری کے کٹہرے پہ ہوا آویزاں
"چھوڑ دو، رہنے دو ــــ اس کو تو یہیں رہنے دو"
نیم وا آنکھوں کو پھر بند کیا تھا اس نے،
ہاتھ بھی آنکھوں کے پردوں پہ رکھے تھے یکدم،
اور اب ایک ہی پل میں یہ، اگر کھل جائیں
یہی آنکھیں جو مجھے دیکھ نہیں سکتی تھیں
دیکھتے دیکھیں مجھے، ہاتھ کہاں رکھیں گی؟
وہیں رکھیں گی، وہی ایک نشانِ منزل
جس جگہ آ کے ازل اور ابد ایک ہوئے تھے دونوں،
ایک ہی لمحہ بنے تھے مل کر،
اسی لمحے میں یہ بندی مجھے دُمدار ستارہ سا نظر آئی تھی
رات کے راستے میں چھوڑ گئی تھی وہ کہانی جس کو
سُننے والا یہ کہے گا مجھ سے
گیت میں ایسی لرزتی ہوئی اک تان کی حاجت ہی نہ تھی؛
اب لرزتے ہوئے ملبوس نظر آتے نہیں ہیں لیکن
اُن کی آنکھوں کو ضرورت بھی نہیں
وہ تو اک رات کے طوفان کا اعجاز تھا، طوفان مٹا،
کیسا طوفان تھا! ــــ اندھا طوفان،
جس کے مٹنے پہ مجھے نوح کی یاد آتی ہے

اور پھر نوح نے بیٹوں سے کہا
کھول دو پنجرا، اسے چھوڑ دو —— اس فاختہ کو
جائے خشکی کا پتا لے آئے،
چند لمحوں ہی میں وہ فاختہ لوٹ آئی، مگر ناکامی
اس کی قسمت میں لکھی تھی،
اور پھر کوّے کو چھوڑا، یہی خشکی کا پتہ لائے گا،
اُڑتے اُڑتے بھلا دیکھو تو کہاں آ پہنچا،
چُوم ہی لے گا، بڑا آیا کہیں کا کوّا،
کلمُوا، کالا کلوٹا، کاجل۔ سہ

(۱۹۴۴ء)

سہ میراجی کی نظمیں

دِن کے رُوپ میں رات کہانی

رات کے پہلے اندھیرے میں کوئی سایہ نہیں،
جھلملاتے ہوئے کمزور ستارے یہ کہے جاتے ہیں
چاند آئے گا تو سائے بھی چلے آئیں گے
رات کے پہلے اندھیرے میں کوئی سایہ نہیں ہوتا ہے،

رات اک بات ہے صدیوں کی، کئی صدیوں کی
یا کسی پچھلے جنم کی ہوگی،
رات کے پہلے اندھیرے میں کوئی سایہ نہ تھا
رات کا پہلا اندھیرا ـــــ محتاج،
اک بھکاری تھا اسی پہلی کرن کا جو لرزتے ہوئے آتی ہے، جگا دیتی ہے،
سوئے سایوں کو اٹھا دیتی ہے، بیداری میں
زیست کے ہلتے ہوئے، جھومتے آثار نظر آتے ہیں،
زیست سے پہلے مگر بات کوئی اور ہی تھی
رات کے پہلے اندھیرے میں کوئی سایہ نہ تھا۔
چاند کے آنے پہ سائے آئے ـــــ

اس کے بکھرے ہوئے گیسو سائے،
لاج کی میٹھی جھجک بھی سایہ،
اور بھی سائے تھے۔ ہلکے، گہرے،
کالی آنکھوں کی گھنیری پلکیں
اپنے آغوش میں سایوں کو لئے بیٹھی تھیں،
اور ان سایوں میں محسوس ہوا کرتا تھا
دل کا غم، دل کی خلش، دل کی تمنا ہر شے
ایک سایہ ہے، لرزتا سایہ۔
اور مجھے دیکھنے پر اس کی گھنیری چپ چاپ
ایک سایہ ہی نظر آتی تھی
ایسا اک سایہ جو خاموش رہا کرتا ہو،
اور اسے دیکھتے ہی میں بھی تو اک سایہ ہی بن جاتا تھا،
سایہ خاموش رہا کرتا ہے،
اور اک لرزشِ بے تاب کے ہونے پہ بھی خاموشی ہی
راہ میں میری عناں گیر ہوا کرتی تھی۔
سیدھا جاتا ہوا رستہ بھی تو اک سایہ تھا،
اس پہ آتے ہوئے جاتے ہوئے انسان۔ تمام
دھندلے سائے تھے۔ مگر سائے تھے۔
میں بھی جاتا ہوا، آتا ہوا اک سایہ تھا،
میں بھی اک سایہ تھا؟۔ کس کا سایہ؟
کس کے قدموں سے لپٹتے ہوئے چپ چاپ چلا جاتا تھا؟

کہہ تو دوں   دل میں یہ غمناک خیال آتا ہے
سایہ خاموش رہا کرتا ہے۔

رات کے سائے ہی خاموش رہا کرتے ہیں
دن کے سائے تو کہا کرتے ہیں
بیتی لذّت کی کہانی سب سے
اور مری ہستی بھی اب دن کا ہی اک سایہ ہے
جس کے ہر ایک کنارے کو شعاعِ سوزاں
اپنی شدت سے جلانے پہ، مٹانے پہ تُلی بیٹھی ہے،
کاش آجائے گھٹا، چھائے گھٹا —— اور بن جائے
چڑھتے سورج کا زوال۔
چڑھتا سورج یہ بتا دیتا ہے
بڑھتے سائے ہیں کسی کے غمّاز،
بہتے بہتے یہ کہے جاتے ہیں۔
رات کے جاگے ہوئے سوئے ہوئے اُٹھتے ہیں
دھوپ کھاتے ہوئے لٹکے لٹکے
جب کوئی پیرہن آویزاں
ایک جھونکے سے لرز اٹھتا ہے
ہنوائی کو لرزتا ہوا سایہ بھی کہے جاتا ہے
بیتی لذّت کی کہانی سب سے۔

بیتی مدّت بھی مرے واسطے اک سایہ ہے
کسی سورج کے تلے آتے ہوئے بادل کا
سرسراتے ہوئے جھونکے کی طرح گاتا ہوا جاتا ہو ——
باتیں کرنے کو وہ اک پل بھی نہیں رکتا تھا۔
دن کا سایہ تھا اُسے رات کی اک بات بھی معلوم نہ تھی۔
رات اک بات ہے صدیوں کی کئی صدیوں کی
اور اب دن ہے۔ مجھے سائے نظر آتے ہیں
بولتے سائے نظر آتے ہیں،
جانے پہچانے ہیں، پھر بھی نئے مفہوم سُجھاتے ہیں، سجھاتے ہی چلے جاتے ہیں،
پھر پلٹ آتے ہیں،
جیسے میں جاتا تھا اور جا کے پلٹ آتا تھا
اسی رستے پہ جو اک سایہ تھا۔

راستہ آج بھی سایہ ہے مگر ایک نیا سایہ ہے۔
راہ میں ایک مکان۔
وہ بھی سایہ ہے، اداسی کا، گھنیرا سُنسان،
راہ میں آتی ہوئی ہر مورت
ایک سایہ ہے —— چڑیل،
خود کا اس میں کوئی عکس نظر آتا نہیں،
دیکھتے ہی جسے میں کانپ اٹھا کرتا ہوں،
آنکھوں میں خون اُتر آتا ہے

سامنے دُھند سی چھا جاتی ہے
دل دھڑکتا ہی چلا جاتا ہے
اور میں دیکھتا ہوں
سائے ملتے ہوئے، گھٹتے ہوئے کچھ بھوت سے بن جاتے ہیں،
ہنہناتے ہوئے ہنستے ہیں، پکار اٹھتے ہیں
دل میں کیا دھیان یہی ہے اب بھی
سایہ خاموش رہا کرتا ہے؟
دیکھ ہم بولتے ہیں، بولتے سائے ہیں تمام،
ہم سے بچ کر تو کہاں جائے گا؟
اور میں کانپ اٹھا کرتا ہوں
اور وہ بولتے ہیں
کانپ اٹھا ہے، لرزتا ہے یہ بزدل، ناکام،
بات کرتا ہی نہیں ہے کوئی،
اب بھی شاید یہ سمجھتا ہے لرزتے دل میں
"سایہ خاموش رہا کرتا ہے"

(۱۹۴۱ء)

کلرک کا نغمۂ محبّت

سب رات مری سپنوں میں گذر جاتی ہے اور میں سوتا ہوں
پھر صبح کی دیوی آتی ہے '
اپنے بستر سے اٹھتا ہوں، مُنہ دھوتا ہوں '
لایا تھا کل جو ڈبل روٹی
اس میں سے آدھی کھائی تھی
باقی جو بچی وہ میرا آج کا ناشتہ ہے؛

دنیا کے رنگ انوکھے ہیں
جو میرے سامنے رہتا ہے اس کے گھر میں گھر والی ہے '
اور دائیں پہلو میں اک منزل کا ہے مکاں، وہ خالی ہے '
اور بائیں جانب اک عیاش ہے جس کے ہاں اک داشتہ ہے؛
اور ان سب میں اک میں بھی ہوں لیکن بس تو ہی نہیں '
ہیں اور تو سب آرام مجھے، اک گیسوؤں کی خوشبو ہی نہیں ؛
فارغ ہوتا ہوں ناشتے سے اور اپنے گھر سے نکلتا ہوں
دفتر کی راہ پر چلتا ہوں '

رستے میں شہر کی رونق ہے، اک تانگہ ہے، دو کاریں ہیں،
بچے مکتب کو جاتے ہیں، ور تانگوں کی کیا بات کہوں؟
کاریں تو چھپلی بجلی ہیں، تانگوں کے تیروں کو کیسے سہوں!
یہ مانا ان میں شریفوں کے گھر کی دھن دولت ہے، مایا ہے،
کچھ شوخ بھی ہیں، معصوم بھی ہیں،
لیکن رستے پر پیدل مجھ سے بدقسمت، مغموم بھی ہیں،
تانگوں پر برق تبسم ہے،
باتوں کا میٹھا ترنم ہے،
اکساتا ہے دھیان یہ رہ رہ کر، قدرت کے دل میں ترحم ہے؟
ہر چیز تو ہے موجود یہاں اک تو ہی نہیں، اک تو ہی نہیں،
اور میری آنکھوں میں رونے کی ہمت ہی نہیں، آنسو ہی نہیں!

جوں توں رستہ کٹ جاتا ہے اور بندیخانہ آتا ہے،
چل کام میں اپنے دل کو لگا یوں کوئی مجھے سمجھاتا ہے،
میں دھیرے دھیرے دفتر میں اپنے دل کو لے جاتا ہوں
نادان ہے دل، مورکھ، بچہ — اک اور طرح دے جاتا ہوں،
پھر کام کا دریا بہتا ہے اور ہوش مجھے کب رہتا ہے،

جب آدھا دن ڈھل جاتا ہے تو گھر سے افسر آتا ہے
اور اپنے کمرے میں مجھ کو چپڑاسی سے بلواتا ہے
یوں کہتا ہے، ووں کہتا ہے لیکن بے کار ہی رہتا ہے۔

یں س کی ایسی باتوں سے تھک جاتا ہوں، تھک جاتا ہوں،
پل بھر کے لئے اپنے کمرے کو فائل لینے آتا ہوں،
ور دل میں آگ سلگتی ہے: میں بھی جو کوئی افسر ہوتا
س شہر کی دھول اور گلیوں سے کچھ دُور مرا پھر گھر ہوتا،
اور تو ہوتی!
لیکن میں تو اک منشی ہوں تو اونچے گھر کی رانی ہے
یہ میری پریم کہانی ہے اور دھرتی سے بھی پرانی ہے۔

(۱۹۴۳ء)

؎ میرا جی کی کہانی

سرسراہٹ

یہاں۔ ۔ ان سلوٹوں پر ہاتھ رکھ دوں؟
یہ لہریں ہیں سجی جاتی ہیں اور مجھ کو بھاتی ہیں،
یہ موجِ بادہ ہیں ساغر کی، خوابیدہ فضا دل میں
اچانک جاگ اٹھتی ہے،
حقیقت کے جہاں سے کوئی اس دنیا میں در آئے
تو اس کے ہونٹ متبسم ہوں، شاید قہقہہ اُٹھ کر
مرے دل کو جکڑ لے اپنے ہاتھوں سے،
مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لہریں ابھی تک ساحلِ منظر سے ناواقف ہیں، یونہی اک بہانہ
کر رہی ہیں اک بہانہ کس کو کہتے ہیں؟

بہانے ہی بہانے ہیں:
بڑھا کر رکھ دیا لہروں پہ میں نے ہاتھ ـــ مرا ہاتھ اک کشتی کی مانند ایک موجِ تند
کی اُفتاد کے جلوے کو مرے سامنے لا کر ـــــ
ہوا بے گُم
یہ سب موجِ تخیل کی روانی تھی!.....
مگر میں سوچتا ہوں بات جو کہنے کی تھی میں نے نہ کیوں پہلے ہی کہہ دی ـــ وقت کا

بے فائدہ مصرف

ہر اک پوشیدہ منظر کو
اُگل ڈالے گا، اک لمحہ وہ آنے گا
کہ جب اس بات کے سننے پہ سننے والے سوچیں گے
بہانہ کیا تھا؟ سلوٹ کیا تھی، موجِ بادہ بھی کیا تھی۔
مگر شب کی اندھیری خلوتِ گمنام کے پردے میں کھو کر ان کو یہ معلوم ہو جائے گا اک پل میں
اور اک لذت کے کیفِ مختصر میں کھو کے وہ بے ساختہ یہ بات کہہ اٹھیں گے: "کیا
مجھ کو اجازت ہے:
"یہاں ان سلوٹوں پر ہاتھ رکھ دوں؟" ——— یہ جھجک کیسی؟
یہ لہریں ہیں، انہیں نسبت ہے کالی رات کے غمناک دریا سے
جو بہتا ہی چلا جاتا ہے، رُکتا ہی نہیں پل کو
جسے کچھ بھی غرض اس سے نہیں میں ہاتھ رکھوں یا جھجک اس ہاتھ کو میرے
کلیجے سے لگا دے، اور میں سو جاؤں ان لہروں کے بستر میں"

(۱۹۴۱ء)

نادان

یہ کیسے منظر ہیں کیسی باتیں ہیں مجھ سے جو کہنا چاہتی ہو ؟
سرودمیں نے سُنے ہیں پیڑوں کی ٹہنیوں سے
لچکتے نغمے،
فلک پہ بہتے ہیں بادلوں کے جو ننھے ٹکڑے
پھسلتے نغمے،
ہوا کے جھونکوں سے میرے کانوں نے سُن رکھے ہیں
مچلتے نغمے،
مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔

ہوا سے بادل کے چند ٹکڑے بہے چلے جا رہے تھے، میں نے
اُنہیں جو دیکھا تو میرے دل میں جھجکتی آشا نے آہ بھر کر
کہا کہ یہ کیسی بات مجھ سے کہے چلا جا رہا ہے بادل ؟
مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔

مری نگاہوں نے شرم سے جُھک کے دیکھا بہتی ہے ایک ندی
،ور اس میں لہریں اور اُس میں کچھ بُلبلے سناتے ہیں اک اچھوتا، عجیب نغمہ،

سرو دمیں نے سنے تھے پتّوں سے شاخ سے ابر سے ہوا سے
مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔

میں تنگ آکر اُٹھا اور اُٹھ کر چلا، اسی غم کدے میں پہنچا
مجھے جو لے کر گیا تھا ندی کی پھیلی پھیلی کھلی فضا میں
مگر وہاں بھی وہی تھے بادل سیاہ، تاریک، چُپ ہٹیلے
وہاں تھیں لہریں اداس باتوں کی بلبلے تھے، کسی میں کوئی
نہ تھا دھندلکا،
مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔
میں دیکھ کر ان کو پوچھتا ہی رہا کہ آخر یہ بھید کیا ہے؟
یہ کیسے منظر ہیں کیسی باتیں ہیں، مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؎۔

(۱۹۴۱ء)

؎ میراجی کی نظمیں

9

محرومی

میں کہتا ہوں تم سے اگر شام کو بھول کر بھی کسی نے کبھی کوئی دھندلا ستارہ نہ دیکھا،
تو اس پر تعجب نہیں ہے، نہ ہوگا۔
ازل سے اسی ڈھب کی پابند ہے شام کی خامہرا بے ضرر، شوخ ناگن'
ابھرتے ہوئے اور لچکتے ہوئے اور مچلتے ہوئے کہتی جاتی ہے آؤ مجھے دیکھو میں نے
تمہارے لئے ایک رنگین محفل جمائی ہوئی ہے،
انوکھا سا ایوان ہے، ہر طرف جس میں پردے گرے ہیں وہاں جو بھی ہو اُس کو
کوئی نہیں دیکھ سکتا۔
تہیں اس کے پردوں کی ایسے لچکتی چلی جاتی ہیں جیسے پھیلی ہوئی سطح دریا نے
اٹھ کر دھندلکے کی مانند پنہاں کیا ہو فضا کو نظر سے۔
ذرا دیکھو، چھت پر لٹکتے ہیں فانوس، اپنی ہر اک نیم روشن کرن سے سُجھاتے
ہیں اک بھید کی بات کا گیت جس میں مسہری کے آغوش کی لرزشیں ہوں'
ستونوں کے پیچھے سے آہستہ آہستہ رُکتا ہوا اور جھجکتا ہوا چور سایہ یہی کہہ رہا
ہے؛ وہ آئے، وہ آئے؛
ابھی ایک پل میں اچانک یونہی جگمگانے لگے گا یہ ایوان یکسر
ہر اک چیز کیسے قرینے سے رکھی ہوئی ہے۔

میں کہتی ہوں مانو چلو — آؤ محفل سجی ہے،
تم آؤ تو گونج اُٹھے شہنائی، دالان میں آنے جانے کی آہٹ سے ہنگامہ پیدا
ہو، لیکن مسہری کے آغوش کی لرزشوں میں تمہیں اس کا احساس
بھی ہونے پائے تو ذمہ ہے میرا،
ازل سے اسی ڈھب کی پابند ہے موجِ بیتاب اس کو خبر بھی نہ ہوگی کہ اک شاخِ
نازک نے بے باک جھونکے سے ٹکرا کے آہیں بھری تھیں،
مگر میں یہ کہتا ہوں تم سے اگر شام کو بھول کر بھی کسی نے کبھی کوئی دُھندلا ستارہ
نہ دیکھا تو اس پر تعجب نہیں ہے۔
ازل سے اسی ڈھب کی پابند ہے شام کی شوخ ناگن
یہ ڈستی ہے، ڈستے ہوئے کہتی جاتی ہے جاؤ! اگر تم جھجکتے رہوگے تو
ہر لمحہ یکساں روش سے گذر جائے گا اور تم دیکھتے ہی رہوگے اکیلے اکیلے،
تمہیں دائیں بائیں، تمہیں سامنے کچھ دکھائی نہ دے گا فقط سرد دیواریں ہنستی رہیں گی
مگر ان کا ہنسنا بھی آہستہ آہستہ بیتے زمانے کی مانند اک دور کی بات معلوم ہونے لگیگا،
دھندلکے میں ڈوبی ہوئی آنکھ دیکھے گی روزن سے۔ دور اک ستارہ نظر آرہا ہے،
مگر چھت پہ فانوس کا کوئی جھولا نہ ہوگا،
شکستہ، فتادہ ستونوں کی مانند فرشِ حزیں پر تمہارا وہ سایہ تڑپتا رہے گا جسے
یہ تمنا تھی .... کہہ دوں تمنا کیا تھی؟
بس اب اپنی غمناک باتوں کو اپنے ابھرتے ہوئے اور بدلتے ہوئے رنگ میں تو چھپالے،
میں اب مانتا ہوں کہ تونے روانی میں اپنی بہت دور روزن سے دھندلے
ستارے بھی دیکھے ہیں لاکھوں،
میں اب مانتا ہوں مری آنکھ میں ایک آنسو جھلکتا چلا جارہا ہے، ٹپکتا نہیں ہے۔

میں اب مانتا ہوں مجھے دائیں بائیں، مجھے سامنے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے، فقط
سرد دیواریں ہنستی چلی جا رہی ہیں۔
میں اب مانتا ہوں کہ میں نے اُس ایوان کو آج تک اپنے خوابوں میں دیکھا ہے لیکن
وہاں کوئی بھی چیز ایسے قرینے سے رکھی نہیں ہے،
کہ جیسے بتایا ہے تو نے تری ایک رنگین محفل سجی ہے،
مسہری کے آغوش کی لرزشوں کا مجھے خواب بھی اب نہ آئے گا ..... میں اپنے
کانوں سے کیسے سنوں گا۔ وہ شہنائی کی گونج، ——— سیندور
کا سرخ نغمہ، جسے سن کے دالان میں آنے جانے کی آہٹ
سے ہنگامہ مر جاتا ہے ایک پل کو،
مجھے تو فقط سرد دیواریں ہنستی سنائی دیے جا رہی ہیں۔

(۱۹۴۱ء)

۔ میراجی کی نظمیں

جاتری

ایک آیا گیا۔ دوسرا آئے گا، دیے سے دیکھتا ہوں یونہی رات اس کی گذر جائیگی
میں کھڑا ہوں یہاں کس لئے مجھ کو کیا کام ہے، یاد آتا نہیں، یاد بھی ٹمٹماتا
ہُوا اک دیا بن گئی جس کی رُکتی ہوئی، اور جھجکتی ہوئی ہر کرن بے صدا قہقہہ ہے
مگر میرے کانوں نے کیسے اُسے سن لیا — ایک آندھی چلی چل کے مٹ
بھی گئی آج تک میرے کانوں میں موجود ہے سائیں سائیں مچلتی ہوئی اور
اُبلتی ہوئی، پھیلتی پھیلتی، — دیرے میں کھڑا ہوں یہاں، ایک آیا، گیا،
دوسرا آنے گا، رات اس کی گذر جائے گی، ایک ہنگامہ برپا ہے دیکھیں جدھر،
آرہے ہیں کئی لوگ چلتے ہوئے اور ٹہلتے ہوئے اور رُکتے ہوئے پھر سے
بڑھتے ہوئے اور لپکتے ہوئے آرہے جارہے ہیں اِدھر سے اُدھر، اور اُدھر سے
اِدھر — جیسے دل میں مرے دھیان کی لہر سے ایک طوفان ہے ویسے آنکھیں
مری دیکھتی ہی چلی جارہی ہیں کہ اک ٹمٹماتے دیے کی کرن زندگی کو پھسلتے
ہوئے اور گرتے ہوئے ڈھب سے ظاہر کئے جارہی ہے، مجھے دھیان
آتا ہے اب تیرگی اک اجالا بنی ہے، مگر اس اُجالے سے رِستی چلی جارہی
ہیں وہ، مسرت کی بوندیں جنھیں میں ہتھیلی پہ اپنی سنبھالے رہا ہوں۔ جنھیں
مگر ٹمٹماتا ہوا اک دیا بن گئی تھی، پلک سے اُجالا ہوا، لو گری، پھر اندھیر سا

چھانے لگا، بیٹھتا بیٹھتا، بیٹھ کر یک ہی پل میں اٹھتا ہوا، جیسے آندھی کے تیکھے تھپیڑوں سے دروازے کے طاق کھلتے رہیں، بند ہوتے رہیں۔ —— پھڑپھڑاتے ہوئے طائرِ زخم خوردہ کی مانند میں دیکھتا ہی رہا ایک آیا، گیا، —— دوسرا آئے گا، سوچ آئی مجھے، پاؤں بڑھنے سے انکار کرتے گئے، میں کھڑا ہی رہا، دل میں اِک بوند نے یہ کہا رات یونہی گذر جائے گی دل کی اک بوند کو آنکھ میں لے کے میں دیکھتا ہی رہا، پھڑپھڑاتے ہوئے طائرِ زخم خوردہ کی مانند دروازے کے طاق اک بار جب مل گئے، مجھ کو آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا —— اب یہ زخمی پرندہ نہ تڑپے گا لیکن مرے دل کو ہر وقت تڑپائے گا، میں ہتھیلی پہ اپنی سنبھالے رہوں گا وہ امرت کی بوندیں جنہیں آنکھ سے میری رِسنا تھا، لیکن مری زندگی ٹمٹماتا ہوا اک دیا بن گئی جس کی رُکتی ہوئی اور جھجکتی ہوئی ہر کرن بے صدا قہقہہ ہے کہ اس تیرگی میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کو پہلے اندھیرے میں دیکھا ہو میں نے، سفر یہ اُجالے، اندھیرے کا چلتا رہا ہے تو چلتا رہے گا، یہی رسم ہے راہ کی ایک آیا، گیا، دوسرا آئے گا، رات ایسے گذر جائے گی، ٹمٹماتے ستارے بتاتے تھے، رستے کی ندی بہی جارہی ہے، بہے جا، اس اُلجھن سے ایسے نکل جا، کوئی سیدھا منزل پہ جاتا تھا لیکن کئی قافلے بھول جاتے تھے انجم کے دورِ یگانہ کے مبہم اشارے مگر وہ بھی چلتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے شام سے پہلے ہی دیکھ لیتے تھے مقصود کا بند دروازہ کھلنے لگا ہے، مگر میں کھڑا ہوں یہاں، مجھ کو کیا کام ہے، میرا دروازہ کھلتا نہیں ہے، مجھے پھیلے صحرا کی سوئی ہوئی ریگ کا ذرہ ذرہ یہی کہہ رہا ہے کہ ایسے خرابے میں سوکھی ہتھیلی ہے اک ایسا تلوا کہ جس کو کسی خار کی نوک چبھنے پہ بھی کہہ نہیں سکتی مجھ کو کوئی بوند اپنے لہو کی پلا دو، مگر میں کھڑا ہوں یہاں کس لئے؟

کام کوئی نہیں ہے تو میں بھی اِن آتے ہوئے اور جاتے ہوئے ایک دو تین ــــ لاکھوں بگولوں میں مل کر یونہی چلتے چلتے کہیں ڈوب جاتا کہ جیسے یہاں بہتی لہروں میں کشتی ہر یک موج کو تھام لیتی ہے اپنی ہتھیلی کے پھیلے کنول میں، مجھے دھیان آتا نہیں ہے کہ اس راہ میں تو ہر اک جانے والے کے بس میں ہے منزل، میں چل دوں، چلوں ــــ آئیے آئیے، آپ کیوں اس جگہ ایسے چپ چاپ، تنہا کھڑے ہیں، اگر آپ کہئے تو ہم اک اچھوتی سی ٹہنی سے دو پھول ــــ بس بس، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں اِک دوست کا راستہ دیکھتا ہوں؛ ــــ مگر وہ چلا بھی گیا ہے مجھے پھر بھی تسکین آتی نہیں ہے کہ میں یک صحرا کا باشندہ معلوم ہونے لگا ہوں خود اپنی نظر میں، مجھے اب کوئی بند دروازہ کھلتا نظر آئے۔ یہ بات ممکن نہیں ہے، میں اک اور آندھی کا مشتاق ہوں جو مجھے اپنے پردے میں یکسر چھپا لے، مجھے اب یہ محسوس ہونے لگا ہے سہانا سماں جتنا بس میں تھا میرے وہ سب ایک بہتا سا جھونکا بنا ہے کہ جیسے ہاتھ میرے نہیں روک سکتے کہ میری ہتھیلی میں امرت کی بوندیں تو باقی نہیں ہیں، فقط ایک پھیلا ہوا، خشک، بے برگ، بے رنگ صحرا ہے جس میں یہ ممکن نہیں میں کہوں۔ ایک آیا گیا، دوسرا آئے گا، رات میری گذر جائے گی۔[۵]

(۱۹۴۱ء)

---

[۵] میراجی کی نظمیں

رُخصت

ہاں، یہ مانا کہ بہت دور تھا لیکن اکثر
سوچتے سوچتے ہی راستہ کٹ جاتا تھا،
شہر کے قرب و جوار
گویا اک آنکھ جھپکتے میں نہاں ہوتے تھے،
سامنے مجھ کو نظر آتا تھا
ایک ویران محل،
یوں ہی بے دھیانی میں چوکھٹ بھی نکل جاتی تھی،
وہی چوکھٹ جسے لاکھوں پاؤں
(ہاتھ کے بل پہ ہمیشہ چھُپ کر)
روندتے روندتے اس حال میں لے آئے تھے،
ٹوٹے دروازے کے سب نقش و نگار
کچھ تو بوسیدہ تھے، اور باقی مری آنکھوں کو
اتفاقاً ہی نظر آئے تھے،
جیسے چلتے ہوئے — رستے میں پھسل کر کوئی۔
بے چلے راہ پہ کچھ دور نکل آتا ہے
میں بھی دروازے سے، چوکھٹ سے گذر جاتا تھا،

جیسے ساون میں کسی ڈال پہ کوئی گرگٹ
دیکھتے دیکھتے ہی رنگ بدل جاتا ہے؛
ایک ہی وقت میں، اک لمحے میں،
یونہی ایوان بھی بیٹا ہوا، بیٹھا ہوا استادہ نظر آتا تھا
راہ تکتے ہوئے، چُپ چاپ ــــ نگاہیں اُس کی
مجھ کو بے رنگ جھروکوں سے نکلتی ہوئی کرنوں کی طرح
بھولی یادوں سے ملا دیتی تھیں
بھولی یادیں جو پھسلتے ہوئے ملبوس کی مانند نئی باتوں کو لے آتی ہیں
کبھی لہراتی ہوئی، اور کبھی شرماتے ہوئے قلب کو گرماتی ہوئی
آپ ہی آپ میں بہتے ہوئے دھارے کی طرح
اپنے پاؤں کو بڑھا لیتا تھا،
آپ ہی آپ میں رستی ہوئی بوندوں کی طرح
سوچتے سوچتے رک جاتا تھا
آپ ہی آپ ہلتی ہوئی چشمِ نمناک
یاد کے دامنِ بوسیدہ سے
خشک ہونے کے لئے پل کو لپٹ جاتی تھی،
آپ ہی آپ میں اڑتے ہوئے طائر کی طرح
بہتے بہتے کسی ٹہنی پہ بسیرا لے کر
جھوٹی ٹہنی سے لپٹی ہوئی پھیلی ہوئی، بے جان زمیں کے اوپر
اپنی ہستی کو گرا دیتا تھا،
اور گرتے ہی نظر آتا تھا

ایک ویران محل،
جس کی چوکھٹ کو مرے ہاتھوں کے ناخن ہر دم
چھیلنے کے لیے بے تاب رہا کرتے ہیں
جیسے یوں چھیلنے سے منظرِ بوسیدہ پر
کچھ نئے نقش اُبھر آئیں گے!

اب سمجھتا ہوں کہ یوں بات نہیں بنتی ہے،
آپ ہی آپ کوئی بات کبھی بن بھی سکی؟
آپ ہی آپ کلی کھلتی ہے،
اُس کی صورت ہی بگڑ جاتی ہے،
آپ ہی آپ زمیں ہلتی ہے
اُس کی صورت ہی بگڑ جاتی ہے،
آپ ہی آپ گھٹا چھاتی ہے
آسماں صاف نظر آتا نہیں
آپ ہی آپ چلی آتی ہے آندھی
اور پھر منظرِ بوسیدہ اُبھر آتا ہے،
آپ ہی آپ کوئی بات کبھی بن بھی سکی؟
اب سمجھتا ہوں کہ یوں بات نہیں بنتی ہے،
آپ ہی آپ میں شرمندہ ہوا کرتا ہوں۔ (۱۹۴۲ء)

ریل میں

"گجرات کے ہو؟" — کیا تم سے کہوں، پردیسی کو دھتکارتے ہیں اس دیس میں
جس کے تم ہو امیں،
انگشت سے خاتم دور ہوئی، کیا تم سے کہوں، اب پہلی چمک باقی ہی نہیں اب
ٹوٹ چکا وہ نقش حسیں، اوجھل ہے نگاہوں سے وہ نگیں،
پربت سے دھارا بہتی ہے، ویسے ہی بہا ہے نور جبیں
دل کا امرت، آنکھوں کا لہو۔

یوں رستے میں گھل جاتے ہیں دو رنگ نہیں کچھ جن کو خبر
جب چاند ڈھلے، جب تاروں کا آکاش سے مٹ جائے منظر
کالی راتوں سے بڑھ کے کہیں کالا دن کیسے ہوگا بسر؟
تم گھلتے ہو، میں گھل بھی چکا، اب آنکھ میں کوئی نہیں ہے اثر،
تم دیکھتے ہو، میں دیکھتا ہوں اور کہتی ہے یہ میری نظر
جب راتیں تھیں، جب باتیں تھیں، اور ایک ہی دھیان تھا میں اور تو!
بے کار یہ باتیں کرتے ہیں، کیوں پوچھتے ہیں گجرات کے ہو؟
کیا اپنی بات کے دامن سے پونچھیں گے آنکھ کے آنسو کو؟
جو ہونی تھی وہ ہو بھی چکی اب چاہے ہنسو، چاہے رو لو،

بس یونہی کبھی آجاتی ہے گھٹتی گھلتی میٹھی خوشبو،
آنکھوں کی چمک، بازو کی دمک ایسے ہے جیسے دود رواں، باقی ہی نہیں
کچھ اُن کا نشاں
لہنگے کا جھولا ٹوٹ گیا، اب سوکھی ہے وہ جوئے رواں
جس میں بہتے بہتے میں نے دیکھا تھا سماں
اُس چاندنی کا جو آتی ہے اور جاتی ہے جیسے سورج کی کرن سے دھندلکا
ہو پنہاں
جیسے جنگل میں پھسلتے پھسلتے پتوں پر ہو جائے نگاہوں سے اوجھل کوئی آہو[1]!

(۱۹۴۷ء)

۱۔ میراجی کی نظمیں

آخری عورت

ہجوم دائیں بائیں سامنے دکھائی دے تو مجھ کو ایک پُرشکوہ سیل کا فسانہ یاد آتا ہے
میں بھول جاتا ہوں کہ کون ہوں میں بھول جاتا ہوں یہ کون ہیں،
میں بھول جاتا ہوں کہ ایک دن تھا ایک رت تھی کبھی،
میں بھول جاتا ہوں ہوائے شوق نے مجھے
دکھایا تھا وہ جلوہ جس کو دیکھ کر
بس ایک گردشِ نگاہ میں
بدل گیا وہ رنگ پہلے گیت کا،
بدل گیا وہ نقش، خام تھا۔
اُسے ذرا خبر نہ تھی کہ نقش مٹنے پر جب آئے ایک پل میں مٹتا ہے،
بدل گیا سفیدۂ سحر، سیاہ رات آگئی،
ستارے، چاند ایک ایک کر کے جاگ اُٹھے گہری نیند سے،
چمک نگاہ کی نہ تھی وہ گیسوئے شبانہ ہی کا عکس تھا،
وہ سیمگوں لباس کب تھا سیلِ موجِ نور تھا،
وہ گال پر حیا کی سُرخ لرزشیں نہ تھیں، وہ اک اشارہ تھا
کہ اک حقیقت آج بن کے آئی ہے نظر —

جو لہر اب تک عاجزانہ دھیان ہی کی بات تھی،
کبھی..... کبھی تو سوچ آئی ہوگی، ــــ کیا کبھی نہیں؟
کبھی بھی اک ہجوم دائیں بائیں، سامنے دکھائی دے کے یک مٹتے نقش کی طرح خمِ
مکاں میں آج تک چھپا نہ تھا،
ہمیشہ چاند بھی، ستارے بھی چمکتے تھے،
ہمیشہ اک سیاہ رات پھیل کر چھپاتی تھی نگاہ سے وہ سیمگوں لباس جس کو سیلِ
موجِ نور کہہ رہا ہوں میں،
ہمیشہ گال پر حیا کا اک اشارہ اپنے رنگ کو
چھپائے رکھتا تھا لرزتے گیت ہی کی تان میں،
میں بھول جاتا تھا میں کون ہوں، میں بھول جاتا تھا وہ کون ہے،
میں بھول جاتا تھا کہ ایک دن میں، ایک رات میں
ہوائے شوق مجھ کو تیرتے ہوئے اسی محل میں لے کے آئے گی
جہاں میں آج منتظر تھا اور تو درِ کشادہ سے نکل کے ایسے آگئی
کہ جیسے چاند اور ستارے ایک ایک کر کے جاگ اٹھیں اپنی گہری نیند سے
بدلنے کو ہے اب یہ نقشِ نو، جو خام تو نہیں، مگر
اسے بھی کچھ نہیں خبر
کہ نقش مٹنے پر جب آئے ایک پل میں مٹتا ہے،
سفیدۂ سحر سیاہ رات کو شبانہ گیسوؤں سے دور کر کے بھول جاتا ہے،
کوئی ستارہ، کوئی چاند پھر خمِ مکاں سے آنے پائے یہ سنا نہیں،
سُنے ہیں دل نے پُر شکوہ سیل کے فسانے لیکن ان میں کوئی بات ایسی تھی کبھی ــــ
یہ مجھ کو یاد ہی نہیں، ــــ میں ہوں وہی

جیسے ہجوم دائیں بائیں، سامنے دکھائی دے تو ایک پُرشکوہ سیل کا فسانہ یاد آتا ہے،
ہجوم کب ہے پیرہن کی سلوٹیں ہیں، رفتہ رفتہ یہ بکھر ہی جائیں گی،
ہجوم کب ہے گال پر حیا کا اک اشارہ اپنے رنگ سے
سُجھاتا ہے وہ بات جس کو بھول کر
مجھے سفیدۂ سحر
یہ کہتا ہے کہ پہلا نقش خام تھا، اسے خبر نہ تھی ذرا
کہ نقش مٹنے پر جب آئے ایک پل میں مٹتا ہے،
اُسے خبر نہ تھی ہمیشہ چاند بھی، ستارے بھی چمکتے ہیں
اُسے خبر نہ تھی کہ اک سیاہ رات پھیل کر
وہی محل دکھاتی ہے
جہاں درِ کشادہ سے تو اک ہجوم پیرہن کی سلوٹوں کا، گیسوؤں کا اپنے ساتھ
لے کے ایسے آئی ہے
کہ جیسے جانتی نہیں
کہ نقش تو بھی مٹنے پر جب آئے ایک پل میں مٹتا ہے،
خمِ مکاں، رمِ زماں پھر اس کو روک سکتے ہی نہیں کبھی،
فقط سفیدۂ سحر درِ کشادہ بند کر کے چاند کو، ستاروں کو چھپاتا ہے۔

(۱۹۴۲ء)

دھوکا

اتھاہ کائنات کے خیال کو غلط سمجھ رہے ہیں ہم ستاروں کی مثال سے،
اتھاہ کائنات اک کنواں نہیں، یہ بحر ہے
ستارے کیا ہیں، کچھ نہیں، یہ جگنوؤں کی طرح اب چمک رہے ہیں، ایک
پل میں ماند ہو کے راکھ بن ہی جائیں گے،
اتھاہ کائنات پھر بھی جیسے اب ہے ویسے ہی دکھائی دیتی جائے گی،
اتھاہ کائنات کون ہیں کہ تم تمہیں تو ہو،
تمہیں تو اپنے نیلگوں دوپٹے کو ستاروں سے سجا کے، شب کی تیرگی کو آنکھ سے
چھپا کے آج آئی ہو،
مگر مجھے تو شب کی تیرگی میں لطف آتا ہے اتھاہ کائنات کا،
اتار دو، اتار دو، دوپٹے کو اتار دو، مجھے پسند ہے مگر ابھی نہیں،
ابھی تو رات اپنی ہے، ابھی ہزار بار ایسے لمحے آئیں گے کہ تم
دوپٹے سے اتھاہ کائنات کو چھپاؤ گی،

جو شامیانہ کٹ گیا تو پردۂ درسکوں بھی ہٹ گیا،
مگر ہیں پھر بھی سلوٹیں ہی سلوٹیں

لو دیکھنا، یہ چاند ایک پھانک بن کے یوں لٹک رہا ہے جیسے اس کو بھید کی خبر
نہیں کوئی،
مگر تمہیں تو علم ہے، تمہیں سہیلیوں نے کچھ اشاروں میں کہا تو ہوگا، مان جاؤ،
— مان لو،
نہیں؟ — تو پھر یہ چپ لگی ہوئی ہے کیوں؟
یہ چُپ تو مجھ سے کہہ رہی ہے جانتے ہیں، آج ہی کی راہ دیکھتے تھے ہم،
سمجھ گیا، اتھاہ کائنات اک کنواں نہیں، یہ بحر ہے،
ہزاروں بھید اس کی سلوٹوں میں ہیں نہاں مگر
یہ ایسے بے پڑی ہوئی کہ جیسے کوئی بات جانتی نہیں۔
تو پھر بڑھیں مرے قدم!

بڑھے قدم مگر یہ کیا، اتھاہ کائنات اک کنواں نہیں، یہ بحر ہے،
اتھاہ کائنات کے خیال کو غلط سمجھ رہے تھے ہم ستاروں کی مثال سے،
مگر جو سلوٹیں کھُلیں تو کھلتی ہی چلی گئیں،
سہیلیوں کا ذکر کیا، سہیلیوں سے پہلے ہی تمہیں ہر ایک بھید کی خبر ہوئی۔*

(۱۹۴۲ء)

---

* میراجی کی نظمیں

تفاوتِ راہ

اُس زمانے میں کہ جنگل تھا یہ باغ
گُتھے ہاتھوں نے ستاروں سے لگایا تھا سراغ
بھولے رستوں کا جو بے دھیانی میں کھو جاتے ہیں،
ویسے ہی باغ مرا جب سے بنا ہے جنگل
ایک اک لمحہ ستاروں ہی کا دھیان آتا ہے،
ہر ستارہ مجھے لے جاتا ہے
اسی چوپال کے بے نام کنارے کی طرف
جس میں بیٹھے ہوئے انسان یونہی بے مصرف
میری ناکامی، ترے نام کی رسوائی سے
تلخ باتوں میں ہر اک رات بسر کرتے ہیں!

بھولا رستہ کسی کشتی کی طرح سطح پہ اک پل میں ابھر آتا ہے
آنکھ میں اشک جھلکتے ہیں مگر اشکوں میں
وہ چمن اور وہ مکاں اور وہ روزن تینوں
گھلتے رنگوں کی طرح عکس بنا کرتے ہیں
ایک انساں کا جو تقدیر کی بے راہی سے

کبھی مالی کبھی عاشق تھا کبھی دیہاتی
گلے بانی میں جسے یاد جب آئے ماضی
بنسری اپنی بجاتے ہوئے رو دیتا ہے

جیسے رستے میں کوئی ہاتھ میں دو شمعوں کو
لئے جاتا ہو شبِ ماہ کی طغیانی میں
اور زمیں سینے پہ اک شخص کے، اک رہرو کے
تین سایوں سے ڈری جاتی ہو — سہمی سہمی
اس کے ہر بڑھتے قدم کو دل میں
جان کر اپنی رہائی کا ثبوت
یہ سمجھتی ہو ابھی دور چلا جائے گا۔
اور پھر خوف سے حیران نگاہوں کو فقط
چاند ہی چاند نظر آئے گا،
اس طرح تو نے بھی سوچا ہوگا؛
راہرو پاؤں سے جو دھول کے ذرے مجھ پر
پھینکتے پھینکتے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے
انہیں سیندور کی سرخی سے رچا ڈالوں گی،
اور پھر دودھ کے دریا میں نہا کر یکسر
سینۂ صاف کی مانند نظر آؤں گی!
گلے بالوں نے ستاروں سے لگایا تھا سراغ،
راستہ ملتا نہیں مجھ کو ستارے تو نظر آتے ہیں،

پیرہن رنگِ گُلِ تازہ سے یاد آتا ہے
اور زرکار نقوش،
اک نئی صبح حقیقت کا پتا دیتے ہیں،
کبھی ڈھولک کبھی شہنائی کی آواز سنا دیتے ہیں،
نیِنے کی بھُوں بھلیاں اسی آواز میں کھو جاتی ہے،
ہاتھ میں تھامی ہوئی شمعیں بھی بُجھ جاتی ہیں،
۔ ساتھ کے باغ کی ہر صاف روش بھولا ہوا راستہ بن جاتی ہے،
اور شہنائی پھر اک سانپ نظر آتی ہے،
ڈستی جاتی ہے، کہے جاتی ہے :۔
گلّے بالوں نے ستاروں سے لگایا تھا سراغ
کیوں بہن ہم نے سُنا ہے کہ دلہن کی آنکھیں،
آنکھ بھر کر نہیں دیکھی جاتیں؟
اور کہتی ہے بہن
میرے بھیّا کو بڑا چاؤ ہے،۔۔۔ کیوں پوچھتا ہے؟
اب تو دو چار ہی دن میں وہ ترے گھر ہوگی ۔۔۔

کس کا گھر، کس کی دلہن، کس کی بہن ۔۔۔ کون کہے
میں کہے دیتا ہوں، میں کہتا ہوں ۔۔۔ میں جانتا ہوں!

(۱۹۴۲ء) ______________

____

۔ میراجی کی نظمیں

جہالت

جبڑا بندر کا مداری کے تماشے میں کبھی دیکھا ہے؟

کچھ بناوٹ ہی کہ ڈھب ہوتی ہے، کچھ اس کی شرارت، کرتب

منہ چڑھاتے ہوئے رسّی کو یونہی ہاتھ میں بل دے کے پُھدکتے جانا:

ڈگڈگی پر کبھی مداری جو بٹھا دے تو اچھل کر یکبار

کسی بچّے کی طرف ایسے لپکنا کہ اُسے کاٹ ہی کھائے گا ابھی،

ور پھر بچّے کا بیٹھے ہوئے پیچھے کی طرف گرنا، تماشے میں تماشا، چیخیں،

ہاں، مگر باتیں یہ بچپن میں مزہ دیتی ہیں،

دیکھتے دیکھتے ہر بات بھلا دیتی ہیں

، ور اب اپنی جوانی ہے، مڈتا ہوا دریا ہے، کہ بہتی ہوئی دھارا جس کو

بہہ نکلنے پہ کوئی روک نہیں سکتا ہے۔

انہی بل کھاتی مچلتی ہوئی لہروں کا تقاضا ہے کہ جب رات آئے،

ہم بھی گھر چھوڑ کے جاتے ہیں کسی باغ کے ویران سے کونے کی طرف،

موجۂ بادِ پریشاں سے کوئی سوکھا سا پتّا گر جائے ——

ساتھ کے راستے پر ایک اکیلی گھڑی

چاپ یہ ہم سے کہے —— آئے، وہ آنے، آئے

دل کی دھڑکن یہ کہے جاتی ہے ــــ ٹھہرو، سنبھلو،
سوکھا پتا ہے، کوئی اور ہے، ــــ کوئی دم میں
ابھی آجاتے ہیں، آتے ہیں ــــ ابھی آتے ہیں
اور ٹہلتے ہیں ذرا مڑ کے جو دیکھا تو وہی آ پہنچے،
اور پھر باتیں ہی باتیں ہیں، ــــ یونہی باتوں میں
چاند چھُپ جاتا ہے اور تارے بھی چھُپ جاتے ہیں،
آنکھوں میں آنکھیں گھلی جاتی ہیں اور سانس میں سانس
گال پر ہاتھ جو رکھا تو کنول یاد آیا
ایسا خم ــــ ایسا گداز ــــ
ناک سے ناک لگاتے ہوئے پیشانی پہ پہنچیں جو نگاہیں تو کہا
یہی اب چاند ہے، ــــ تاروں کی ضرورت ہی نہیں
تارے فرقت کی شبِ تار میں گننے کے لئے ہوتے ہیں،
آج تم بھی ہو یہیں، ہم بھی یہیں ــــ گال کا خم
ہم سے کہتا ہے خمِ دورِ زماں ہوں ۔ مجھ کو
دیکھ کر اور کوئی بات نہ یاد آئے گی!
بات یاد آئی ــــ ابھی کل ہی پڑھا تھا شاید
ڈارون کہتا ہے بندر سے ترقی کر کے
آج انسان بھی انسان بنا بیٹھا ہے،
دونوں کے گالوں پہ، جبڑوں پہ ذرا غور کرو
ناک بھی دیکھو ــــ یہ رفتہ رفتہ
اونچی ہوتے ہوئے اس درجہ ابھر آئی ہے

اور پیشانی تو ویسی ہی نظر آتی ہے
یہ خیال آنے پہ ہر رات کی باتیں مجھ کو
یوں ہنسا جاتی ہیں جیسے وہ لطیفہ ہوں کوئی
یہ لطیفہ ——— کسی جنگل میں کسی ٹہنے پر
ایک بندر یہ بندریا سے کہا کرتا تھا
آج تم بھی ہو یہیں، ہم بھی یہیں، لگاں کا خم
ہم سے کہتا ہے ختم دورِ زماں ہوں ——— مجھ کو
دیکھ کر، ور کوئی بات نہ یاد آئے گی۔[1]

(۱۹۴۲ء)

---

[1] میراجی کی نظمیں

آدرش

مکان اور مکیں سے دور ایک ایسا باغ ہے
ہر اک روش سجی ہوئی دُلہن بنی یہ سوچتی ہے راہرو اب آئے گا
اب آئے گا، اب آئے گا، وہ آگیا، نہیں ـــــ یہ اک خیال، ایک خواب تھا، دبا ہوا
شگافِ کوہ میں جو ایک چشمہ سو رہا تھا ـــ آنکھ کھل گئی ـــ اُبل پڑا،
مگر چمن تو پُرسکوں فضا کو گود میں لئے یہ کہہ رہا ہے دل کی دھڑکنیں شمار کیجئے
فضا یہ کہہ رہی ہے دل کی دھڑکنوں کو بھول کے
جو چیز آنکھ دیکھ لے اسی کو پیار کیجئے،
ہر اک صدا، ہر ایک رنگ بے خودی کے بوجھ سے رہائی پا کے اپنی اپنی بات کہتا جاتا ہے
کہیں تو رنگ ابھرتا ہے، کہیں صدا لرزتی ہے،
کوئی کلی کھلی ہوئی، کوئی سمٹ کے پتیوں کی گود میں چھپی ہوئی،
کہیں روش کا خم اچانک ایک ایسے منظرِ نہاں کو گدگداتا ہے
جو اک تڑپ کے ساتھ کھلکھلا کے یوں نگاہوں کو لبھاتا ہے
کہ اس کو دیکھتے ہی ایک رات کا فسانہ یاد آتا ہے،
لو دیکھنا! ـــ وہ بیتی رات اب تو کنجِ باغ سے نکل کے سامنے ہی آگئی
یہ اک ہجوم نرم بازوؤں کا گرم گیسوؤں کے سائے لے کے آیا ہے
صدائے ساز کوئی بھی نہیں مگر یہ ناچ ایسے ہے کہ جیسے کنجِ باغ جھوم اُٹھے یک بیک!

کبھی کسی نے دیکھا ہے کہ برشگال میں
ہر ایک قطرہ ابر سے ٹپکتا ہے
ردائے آب اس کو اپنے سینے میں سموتی ہے
مگر یہ کوئی سوچتا نہیں کہ لوگ جلترنگ کس طرح بجاتے ہیں،
ٹپکتے آنسوؤں کو کوئی دیکھتا نہیں ہے ؛—— ایک ایک کر کے گرتے ہیں
جو دامن، اب دھوئیں کی طرح مست چکا ہے، دھول بن کے سینۂ زمیں پہ
سو رہا ہے، بوند بوند اس میں جذب ہوتی ہے،
کوئی بھی سوچتا نہیں صدائے آبِ دل نے کیا کہا،
ہر ایک اپنے اپنے ساز کی صدا میں محو ہو کے جھوم اٹھتا ہے،
ہر ایک اپنے اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ ساز ہے تو ایک ساز ہے، ہمارا
ساز، اور ساز کوئی بھی نہیں کہیں
مگر جب ایک پل میں بازوؤں سے گیسوؤں کے سائے ڈھل کے مٹتے ہیں
تو آنکھ دیکھتی ہے اور دل میں دھیان آتا ہے
یہ کُنج باغ خفیہ گر ہے آرزوئے خواب کا،
ور اس کے آگے ایک جھیل، سوتی سوتی مست جھیل کے کنارے پر کھڑا
ہے ایک پیڑ جس کی ایک ایک شاخ سوچتی ہے ناؤ لوٹ آئے گی،
مگر وہ ناؤ لوٹتی نہیں ہے، دوسرے کنارے پر وہ دور سے دکھائی دیتی جاتی ہے
بطیں یہاں تو تیرتی ہیں اُن کے پر چمکتے ہیں،
برس کے بوند بوند ان پروں پہ گرتی ہے پھسل کے ساتھ کے کنول پہ جاتی ہے.
اور اک صدا تڑپ کے ایک تیر کی طرح نکل کے آتی ہے
اور اس کی گونج پے بہ پے سنائی دیتی جاتی ہے

کہاں چلی گئی ـــــ یہی صدا ـــــ کہاں چلی گئی ؟

مکان مٹ چکا، مکیں بھی رفتہ رفتہ گھلتے گھلتے ایک روز مٹ کے کھو ہی جائے گا،
دہن سجی بنی چھپی رہے، کوئی بھی راہرو نہ آئے گا

بس اب تو ایک اجنبی ہجوم سامنے ہے، اور میں ہوں' اور کوئی بھی نہیں'
وہ باغ اک خرابہ ہے کہ جس میں جھیل کے جزیرے پر محل دکھائی دیتا تھا،
محل کہاں بس اب تو چند چوکھٹیں شکستہ فرش کہہ رہا ہے ـــــ ہم بھی تھے
ہر ایک شے کو شب کی تیرگی نے اپنی گود میں چھپایا ہے
اندھیری رت گھات میں لگی ہے اب وہ چاہتی ہے مجھ کو مجھ سے چھین لے،
میں دیکھتا ہوں تیرگی کی لہر لہر رینگتی، سمٹ سمٹ کے پھیلتی ہوئی مری ہی سمت آتی ہے،
سیاہی اپنے دل میں ایک بھید کو چھپاتی ہے
ہر ایک لہر رفتہ رفتہ گھستے گھلتے ایک دھندلی شکل بنتی جاتی ہے
اور ایک پل میں دائیں بھوت، بائیں بھوت، سامنے چڑیل ناچتی دکھائی دیتی
ہے۔
چڑیل کب ہے اک صدا ہے ـــــ تلخ، سرد، بے رخی کے بوجھ سے دبی ہوئی
گھٹی ہوئی، کسی کراہتے مریض کی صدا،
یہی صدا اور اس کی گونج پے بہ پے سنائی دیتی جاتی ہے
کہاں چلی گئی، وہ اب کہاں چلی گئی، ـــــ یہی صدا ـــــ کہاں چلی گئی ؟[۵]

(۱۹۴۳ء) ـــــــــــــــــــــــــ

ـــــــــــــــــــــــــ

[۵] میراجی کی نظمیں

دیوار پہ نقشِ مصوّر کے یا سنگتراش کی کاری گری
یا سُرخ لباس سجائے ہوئے موہن چنچل شیشے کی پری
یا بن کے پرانے مندر میں بولے جو پجاری ہری ہری
اس کے دل کی دیوداسی اک اور ہی روپ میں ناچتی ہے
اب دائیں جھکو، اب بائیں جھکو، یوں، ٹھیک، یونہی، ایسے ایسے

کیوں چھوڑ سنگھاسن راجا نے بن باس لیا، کیا بات ہوئی
کب سُکھ کا سورج ڈوب گیا، کب شام آئی، کب رات ہوئی
ساون کی رِم جھم گونج اٹھی ـــــ بادل چھائے، برسات ہوئی
راجا تو کہاں، پر جا پیاسی اک اور ہی روپ میں ناچتی ہے
اب دائیں جھکو، اب بائیں جھکو، یوں، ٹھیک، یونہی، ایسے ایسے!

کوئی گیت سُنے کوئی ناچ پر اپنے سر کو دھنے ـــ دیوانہ ہے
مٹ جائے دھندلکا، دھیان آئے، اِک گیت، یہ ناچ بہانہ ہے

سارے گا ما پا دھانی بھید ہے، بھید مگر یہ فسانہ ہے
اس بھید کو بوجھ تھکے گیانی ـــــ اب ندی بہتی جاتی ہے
کبھی دائیں گئی، کبھی بائیں گئی، کبھی روٹ کے پھر سے بڑھی آگے!

تُو کون ہے، بول بتا تیرا کیا نام ہے، دیس کہاں تیرا؟
کیا ایک چھلاوا ہے؟ کھو جائے تو پائیں کیسے نشاں تیرا!
ہم ایک زمان و مکاں کے ہیں اور تو ـــ ہر ایک جہاں تیرا!
تیری آواز تو بھاتی ہے، گونج کے کہتی جاتی ہے
جو جاگ رہے تھے سو بھی چکے، جو سوتے تھے چونک اٹھے، جاگے!!

(۱۹۴۲ء)

حرامی

قدرت کے پرانے بھیدوں میں جو بھید چھپائے چھپ نہ سکے
اس بھید کی تو رکھوالی ہے،
اپنے جیون کے سہارے کو اس جگ میں اپنا کر نہ سکی،
یہ کم ہے کوئی دن آئے گا ـــــ وہ نقش بنانے والی ہے
جو پہلے پھول ہے کیاری کا، پھر پھلواری ہے ـــــ مالی ہے
غیروں کے بنانے بن نہ سکے اپنوں کے مٹانے مٹ نہ سکے
جو بھید چھپانے چھپ نہ سکے اس بھید کی تو رکھوالی ہے

یہ سکھ ہے، دکھ کا گیت نہیں، کوئی ہار نہیں کوئی جیت نہیں،
جب گود بھری تو مانگ بھری، جیون کی کھیتی ہوگی ہری،
جو چاہے ریت کی بات کہے، ہم ریت ہی کے متوالے ہیں۔

کوئی ناچ ناچ کر تھکتا ہے، کوئی سکھ میں مگن ہو جاتا ہے
کوئی دکھ سے نور بڑھاتا ہے، کوئی دور سے بیٹھا تکتا ہے،
جو چاہے ریت کی بات کہے، ہم ریت ہی کے متوالے ہیں،

آکاش پہ لاکھوں بادل ہیں کچھ اُجلے ، کچھ مٹیالے ہیں ،
سب روپ بڑھانے والے ہیں، سب — دل گرمانے والے ہیں،
کچھ لال اُبلتے سورج سے ، کچھ پیلے چاند کی سج دھج سے
کچھ کاجل جیسی کالی رجنی کے اندھیاروں سے
کچھ دُور چمکتے تاروں سے — آکاش کا روپ نکھرتا ہے
جو پل آتا ہے سنورتا ہے اور دل پر جادو کرتا ہے ،
یہ سورج چاند ستارے سارے اجالے سارے اندھیارے
قدرت کے پرانے بھیدی ہیں
جو چاہے ریت کی بات کہے یہ پریت کا گیت سناتے ہیں،
ہنستے ہیں، ہنستے جاتے ہیں، جو دیکھے اس کو ہنساتے ہیں ،
ہر ایک کرن سے پھوٹتا ہے وہ نُور۔ وہ بھید جو چھپ نہ سکے،
اس بھید کی تو رکھوالی ہے

(۱۹۴۲ء)

؎ میراجی کی نظمیں

فنا

ہاں تمنا اور وہ تو بنی تھی، لیکن یونہی اک کلی جیسے پھول،
وہ کسی لہر کی طرح دل سے مچل کر نکلتی تھی دو بول بن کر کبھی
اور یہ آپ تو جانتے ہیں کلی کھل کے جب پھول بن جائے گی،
پھر کلی ہی رہے گی، رہے گا نہ پھول،

باغ کوئی نہ تھا، کوئی صحرا نہ تھا، کوئی پربت نہ تھا، کچھ نہ تھا
ایک ساگر ہی ساگر جدھر دیکھئے، موجزن، موجزن، آگے بڑھتا ہوا،
کوئی ساحل نہ تھا، کوئی منزل نہ تھی، سوچئے آگے بڑھ کر وہ رکتا کہاں
دھیان کٹھا تڑپ کر — یونہی سامنے روپ کی ناؤ اک چھوڑ دی
دیکھتے ہی تھا، آگے بڑھتا ہوا — موجزن   اب تو کوئی نہ تھا
باغ کوئی نہ تھا، کوئی صحرا نہ تھا، کوئی پربت نہ تھا، کچھ نہ تھا،
باغ میں پھول کے ساتھ کانٹا ہو — سوچ اس کی تو آئے، یہ ممکن نہیں،
اور صحرا میں تو پیاس مٹتی نہیں، ورد بڑھتی ہے — یہ بھی تو ممکن نہ تھا،
کوئی پربت جو آجائے پاؤں تلے، دھیان کی موج میں چلنے والا پھسل کر گرے — یہ بھی ممکن نہ تھا
اور جو کچھ بھی نہ ہو، پھر تو اندیشہ کوئی بھی بھولے سے آئے — یہ ممکن نہیں،

پہلے کہہ تو دیا باغ کوئی نہ تھا، کوئی صحرا نہ تھا، کوئی پربت نہ تھا،
پوچھتے ہو کہ پھر کیوں جھجکتے ہوئے، آگے بڑھتا ہوا موجزن بحر سمٹا سمٹ ہی گیا'
پہلے کہہ تو دیا — اک کلی کھل کے جب پھول بننے لگی،
پہلی رُت کھو گئی — تم سمجھتے ہو آئی نئی،
یہ نئی بھی نئی کب ہے اس کو بھی جانو — گئی ہی گئی،
آنے والا یہ کہتا ہے میں جاؤں گا، دیکھنے والا اس کو سمجھتا نہیں،
دیکھنے سے اگر اس کو فرصت ملے، دیکھنا چھوڑ دے، بات سُننے لگے
سُن کے وہ جان لے اور اس کی تمنا ارادہ تو بننے نہ پائے کبھی'
وہ کسی لہر کی طرح دل سے نکل کر نہ جائے کبھی'
پھر کلی بھی کلی ہی رہے، اور ساگر بہے، آگے بڑھتا ہوا — موجزن، موجزن'
باغ کوئی نہ ہو اس کی پروا نہیں '
کوئی صحرا نہ ہو اس کی پروا نہیں '
کوئی پربت نہ ہو اس کی پروا نہیں '
خواہ کچھ بھی نہ ہو اس کی پروا نہیں'
اک تمنا تو ہے، اک اچھوتی کلی '
یہ کلی تو کلی ہی رہے گی اسے دھیان کچھ بھی کہے '
اس کلی کو کبھی سوچ آتی نہیں، کون آیا — گیا '
اس کلی کو کبھی سوچ آتی نہیں کس نے کیا کچھ کہا،
یہ کلی ہے مگن سیج پر اک دلہن کی طرح
راہ تکتی نہیں، اس کو معلوم ہے — آئے گا آنے والا یہاں '
شام سے سیج اس نے سجائی ہے لیکن اسے رات کا دھیان کوئی نہیں '

ایک ہیں اس کو دن رات، شام وسحر، ایک ہیں سال، صدیاں — سبھی ایک ہیں،

س کلی کو کبھی سوچ آئی نہیں کون آیا — گیا،

یہ کلی ہے مگن، سیج پر یک دلہن کی طرح،

ک دلہن — ک دلہن! — ور ساگر کہاں ہے جو تھا موجزن ؟

کوئی ساگر نہیں باغ — صحرا نہیں، کوئی پربت نہیں

آہ! کچھ بھی نہیں[1] — !

(۱۹۴۲ء)

---

[1] میراجی کی نظمیں

1

رس کی انوکھی لہریں

میں یہ چاہتی ہوں کہ دنیا کی آنکھیں مجھے دیکھتی جائیں، یوں دیکھتی جائیں جیسے
کوئی پیڑ کی نرم ٹہنی کو دیکھے،
(لچکتی ہوئی، نرم ٹہنی کو دیکھے)
مگر بوجھ پتّوں کا اترے ہوئے پیرہن کی طرح سیج کے ساتھ ہی فرش پر یک مسلا ہوا
ڈھیر بن کر پڑا ہو۔
میں یہ چاہتی ہوں کہ جھونکے ہوا کے لپٹتے چلے جائیں مجھ سے،
مچلتے ہوئے، چھیڑ کرتے ہوئے، ہنستے ہنستے کوئی بات کہتے ہوئے، لاج کے بوجھ
سے رُکتے رُکتے، سنبھلتے ہوئے رس کی رنگین سرگوشیوں میں،
میں یہ چاہتی ہوں کبھی چلتے چلتے کبھی دوڑتے دوڑتے بڑھتی جاؤں۔
ہوا جیسے ندی کی لہروں سے چھوتے ہوئے سرسراتے ہوئے بہتی جاتی ہے، رُکتی
نہیں ہے،
اگر کوئی پنچھی سہانی صدا میں کہیں گیت گائے
تو آواز کی گرم لہریں مرے جسم سے آکے ٹکرائیں اور لوٹ جائیں، ٹھہرنے نہ پائیں،
کبھی گرم گرمیں، کبھی نرم جھونکے،
کبھی میٹھی میٹھی فسوں ساز باتیں،

کبھی کچھ کبھی کچھ نئے سے نیا رنگ اُبھرے،
اُبھرتے ہی تحلیل ہو جب نئے پھیلی فضائیں،
کوئی چیز میرے مسرت کے گھیرے میں رُکنے نہ پائے،

مسرّت کا گھیرا سمٹتا چلا جا رہا ہے
کُھلا کھیت گندم کا پھیلا ہوا ہے
بہت دور آکاش کا شامیانہ انوکھی سنہری بنائے رسیلے اشاروں سے بہکا
رہا ہے،
تھپیڑوں سے پانی کی آوازنچی کے گیتوں میں گُھل کر پھسلتے ہوئے بےنگاہوں سے
اوجھل ہوئی جا رہی ہے،
میں بیٹھی ہوئی ہوں
دوپٹہ میرے سر سے ڈھلکا ہوا ہے
مجھے دھیان آتا نہیں ہے: مرے گیسوؤں کو کوئی دیکھ لے گا،
مسرّت کا گھیرا سمٹتا چلا جا رہا ہے،
بس اب اور کوئی نئی چیز میرے مسرّت کے گھیرے میں آنے نہ پائے[۱]

(۱۹۴۲ء)

---

[۱] میراجی کی نظمیں

ایک تھی عورت

یہ جی چاہتا ہے کہ تم ایک ننھی سی لڑکی ہو اور ہم تمہیں گود میں لے کے اپنی بٹھالیں،
یونہی چیخو چلاؤ، ہنس دو، یونہی ہاتھ اٹھاؤ، ہوا میں ہلاؤ، ہلا کر گرا دو،
کبھی ایسے جیسے کوئی بات کہنے لگی ہو،
کبھی ایسے جیسے نہ بولیں گے تم سے،
کبھی مسکراتے ہوئے، شور کرتے ہوئے پھر گلے سے لپٹ کر کرو ایسی باتیں
ہمیں سرسراتی ہوا یاد آئے۔
جو گنجان پیڑوں کی شاخوں سے ٹکرائے دل کو انوکھی پہیلی بجھائے مگر وہ پہیلی سمجھ
میں نہ آئے،
کوئی سرد چشمہ اُبلتا ہوا اور مچلتا ہوا یاد آئے
جو ہو دیکھنے میں ٹپکتی ہوئی چند بوندیں
مگر اپنی حد سے بڑھے تو بنے ایک ندی، بنے ایک دریا، بنے ایک ساگر،
یہ جی چاہتا ہے کہ ہم ایسے ساگر کی لہروں پہ ایسی ہوا سے بہائیں وہ کشتی جو بہتی نہیں ہے
مسافر کو لیکن بہاتی چلی جاتی ہے، اور پلٹ کر نہیں آتی ہے، ایک گہرے سکوں
سے ملاتی چلی جاتی ہے!
یہ جی چاہتا ہے کہ ہم بھی یونہی چیخیں چلائیں، ہنس دیں، یونہی ہاتھ اٹھائیں،
ہوا میں ہلائیں، ہلا کر گرا دیں،

کبھی ایسے جیسے کوئی بات کہنے لگے ہیں
کبھی ایسے جیسے نہ بولیں گے تم سے،
مگر تم ہمیں گود میں لے کے اپنی بٹھاؤ،
مچلنے لگیں تو سنبھالو'
کبھی مسکراتے ہوئے، شور کرتے ہوئے پھر گلے سے لپٹ کر کریں ایسی باتیں
تمہیں سرسراتی ہوا یاد آئے
وہی سرسراتی ہوا جس کے میٹھے فسوں سے دوپٹہ پھسل جاتا ہے
وہی سرسراتی ہوا جو ہر انجان عورت کے بکھرے ہوئے گیسوؤں کو
کسی سونے جنگل پہ گھنگھور کالی گھٹا کا نیا بھیس دے کر
جگا دیتی ہے؛

تمہیں سرسراتی ہوا یاد آئے
ہمیں سرسراتی ہوا یاد آئے
یہ جی چاہتا ہے،
مگر اپنی حد سے بڑھے تو ہر اک شے ـــ بنے یک ندی نہ ایک دریا نہ ایک ساگر
وہ ساگر جو بہتے مسافر کو آگے بہاتا نہیں ہے، جھکولے دئے جاتا ہے، بس
جھکولے دئے جاتا ہے،
اور پھر جی ہی جی میں مسافر یہ کہتا ہے اپنی کہانی نئی تو نہیں ہے،
پرانی کہانی میں کیا لطف آئے،
ہمیں آج کس نے کہا تھا ـــ پرانی کہانی سناؤ۔* (۱۹۴۳ء)

* میراجی کی نظمیں

کروٹیں

اجنبی آرزو دل میں آنے لگی

پھر سے لانے لگی اپنے نغمے کے بل پر وہی موہنی

جس نے پابند کر کے دکھایا نہ تھا

ایک ہی راہ میں، اور بھی راستے جو نئے سے نئے ہوں چلے آتے ہیں

دیکھ لے آنکھ گر ہٹ کے اک پل کو پہلو کے منظر کی باتوں کا جلوہ جسے

سوئے رہنا ہے یونہی اچھوتی، کنواری دلہن کی طرح

جب تلک آئے نہ بن کر کوئی سورما، بانکا ترچھا جواں،

اپنے گھوڑے کی باگوں کو تھامے ہوئے.

تھامے تھامے

دھیرے دھیرے وہ بڑھتا تو جائے مگر

سامنے ہی جمی ہو نہ اس کی نظر،

ایک پل کے لئے اپنے پہلو کی باتوں کے جلوے کو بھی دیکھ لے؛

کوئی ہنستا نہ ہو، کوئی روتا نہ ہو،

اس کے پہلے، پرانے جنم کے سبھاؤ پہ ہنستا نہ ہو،

اس کے انجان، اک رنگ ڈھلے بہاؤ پہ ــــ اس کو جو آگے لگے گا اُسی

گھڑی پہ کوئی روتا نہ ہو،

اور پیہو کا منظر دلہن کی طرح سیج پر راہ تکتے ہوئے،

راہ تکنے سے تھکتے ہوئے،

یونہی سو جائے دل میں کسی تان کی گونج کو تھامتے تھامتے،

جس میں کھویا ہو، ہو سیلی فضا کا سہانا مزہ،

وہ مزہ جس نے پابند کر کے دکھایا نہ تھا

ایک ہی راہ میں اور بھی راستے ہیں نئے سے نئے

جیسے نغمہ کوئی

اپنے پہلو میں لے کر کئی ــ سُر کے رنگین جھل مل اشارے پھسلتے ہوئے،

اور مچلتے ہوئے اور اُبلتے ہوئے، گرتے بڑھتے ہوئے،

بہتا جاتا ہے جیسے کہیں

دُور ــــ صحرا کے ذرّوں کو موجیں ہوا کی اٹھا کر بہاتے ہوئے

لے کے پہنچیں پورب سے پچھم کے در تک مگر

سوچ اس کی تو اب آئی ہے

آج تک سُونے رستے پہ چلتے ہوئے

آنکھ کو بھول کر دھیان آیا نہیں تھا کہ اس راہ میں

دائیں بائیں کئی ایسے منظر پڑے ہیں جنہیں

سوئے رہنا ہے یونہی اچھوتی، کنواری دلہن کی طرح

جس نے آنچل سے آگے نہ دیکھا کبھی

رنگ کی لہر میں کیسے ذرّے چھپے ہیں جو اک پل میں بیتاب ہو جائیں گے

اور کہہ دیں گے ہم نے تمہارے لئے آج تک غیر کو آنکھ بھر کر نہ دیکھا کبھی
بھول کر جا پڑی بھی جو اپنی نظر مسکراتے ہوئے اور جھجکتے ہوئے
سرسری طور پہ دیکھ کر لوٹ آئی اُسے دھیان آیا یہی
اس سے ہٹتی ہوئی لیکن اس سے کہیں بڑھ کے کھلتی ہوئی
اک کلی راستہ دیکھتی ہے اُسے چل کے سینے سے اپنے لگالے کہ تُو
اور وہ ــــــ دونوں اک دوسرے کے لئے ہی بنائے گئے ہیں، مگر
میٹھی باتوں کے نیچے جو پاتال ہے
اُس کی گہرائی سے ایک زہریلی ناگن اُبھر آئے گی
رینگتے رینگتے، اپنی پھنکار سے صاف کہہ دے گی چاہو تو مانو، سے
لیکن اس کی ہر اک بات میں جھوٹ ہے یوں سمویا ہوا
جیسے بادل کے گھونگٹ میں کھویا ہُوا
چاند کا روپ، چُھپتی ہوئی تان کے بھیس میں
پُھوٹ پڑتا ہے چشمے کی مانند لیکن بجھاتا نہیں پیاس کو
اور بھڑکا کے بے چین کرتا چلا جاتا ہے،
رات سو جائے گی
اور سویرا اُبلتے ہوئے نور کو اپنے پہلو میں لے کر نظر آئے گا
سوچ جاگے گی اور سیج کے پھول کانٹے بنیں گے سبھی
رنگ کے گیت میں سارے مہمل اشارے ہی رہ جائیں گے
ایک تنکے کی مانند بہہ جائیں گے بول سب بہ رہے گے،
دھیان آئے گا دل میں کہ اب تو یونہی سوچتے سوچتے،
کھوئے کھوئے ہیں اک اچھوتی، کنواری دلہن کی طرح

بیٹھے رہنا ہے رستے کو تکتے ہوئے،
جب تک آ نے نہ بن کر کوئی سورما، بانکا ترچھا جواں
اپنے گھوڑے کی باگوں کو تھامے ہوئے۔[1]

(۱۹۳۲ء)

---

[1] میراجی کی نظمیں

بُرقع

آنکھ کے دشمنِ جاں پیراہن
آنکھ میں شعلے لپکتے ہیں، جلا سکتے نہیں ہیں ان کو
آنکھ اب چھپ کے ہی بدلہ لے گی
نئی صورت میں بدل جائے گی،
جھلملاتے ہوئے ملبوس لرزتی ہوئی کرنوں کی طرح سایوں میں
کھو جائیں گے،
ورنہ نظر آئے گی اک آنکھ کی تصویر بظاہر بے نام،
آنکھ بھی کب ہے اُسے پھول کنول کا کہیے
دیکھنے ہی سے جسے بات نہیں بنتی ہے،
جب نگاہوں سے نگاہیں مل جائیں
کون کہہ سکتا ہے دل بھی کھل جائیں
ایک ہی بات کا آتا ہے یقیں
آنکھ کے دشمن جاں پیراہن
دل کے رستے میں کوئی روک نہیں لا سکتے
آنکھ میں شعلے لپکتے ہوئے رہ جاتے ہیں،
دل میں جو آگ سلگتی ہے اُسے آنکھ بجھا دیتی ہے

دل کے شعلوں کو مٹا دیتی ہے

اپنے آغوش میں لے لیتی ہے،

وہی آغوش جو کہ غنچے کی مانند نظر آتا ہے

وہی غنچہ جو کسی گلشن شب رنگ کے دامن میں چھپ بیٹھا ہو،

پیڑ کی یک لچکتی ہوئی ٹہنی کو ہوا کا جھونکا

پتی پتوں سے ہلاتے ہوئے چل دیتا ہے

اور پھر شاخ بھی بن جاتی ہے اک لہر مجسم خوشبو،

وہی خوشبو جسے ملبوس چھپاتے ہیں نگاہوں سے، دکھاتے ہی نہیں،

وہی ملبوس وہی آنکھ کے دشمن ہر دم

سامنے جھولتے رہتے ہیں، ــــ جھکولوں سے مدام

دل میں جو آگ سلگتی ہے اسے اور بڑھا دیتے ہیں،

آنکھ میں شعلے لپکتے ہوئے رہ جاتے ہیں،

آنکھ بھی کب ہے اسے پھول کنول کا کہیئے!

پھول تو شاخ کے دامن میں لگا رہتا ہے،

ور آوارہ ہوا کا جھونکا

بہتا جاتا ہے، ــــ یونہی بہتا ہے

پیڑ کی یک لچکتی ہوئی ٹہنی کو ہلا سکتا نہیں،

سائے میں بیٹھے ہوئے غمزدہ راہی کے لئے پھل کو گرا سکتا نہیں،

آنکھ کے دشمنِ جاں پیراہن،

شاخ کے پتے، ــــ یہ سبز نقاب

اپنے ہاتھوں میں لئے رہتے ہیں

اسی گوہر کو جسے دیکھ کے آنکھیں دل سے
وہی اک بات کہیں، رات کی بات،
جو بھڑکتے ہوئے شعلوں کو سُلا دیتی ہے
دل میں سوئی ہوئی نفرت کو جگا دیتی ہے،
اور چپکے سے یہ آسودہ خیال آتا ہے
آج تو بدلہ لیا ہم نے نگاہوں سے چھُپے رہنے کا،
آج تو آنکھ ـــــ اسی پھول کو دیکھا ہم نے
جسے پتّوں کا نقاب
اپنے ہاتھوں میں لئے رہتا تھا،

(۲)

پہلے پھیلی ہوئی دھرتی پہ کوئی چیز نہ تھی
صرف دو پیڑ کھڑے تھے ـــــ چُپ چاپ
ان کی شاخوں پہ کوئی پتے نہ تھے
ان کو معلوم نہ تھا کیا ہے خزاں کیا ہے بہار،
پیڑ نے پیڑ کو جب دیکھا تو پتے پھوٹے
وہی پتے ـــــ وہی بڑھتے ہوئے ہاتھوں کے نشاں
شرم سے بڑھتے ہوئے، گوہرِ تاباں کو چھپاتے ہوئے، سہلاتے ہوئے،
وقت بہتا گیا، جنّت کا تصور بھی لڑھکتے ہوئے پتھر کی طرح
دُور ہوتا گیا، دھندلاتا گیا،
پتے بڑھتے ہی گئے، بڑھتے، بڑھتے گئے،

رُت نئی شکل بدلتے ہوئے، کروٹ لیتے
آج ملبوس کی صورت میں نظر آتے ہیں،
آج تو آنکھ کے دشمن ہیں تمام،
آنکھ اب چھپ کے ہی بدلہ لے گی،
جھلملاتے ہوئے پتے تو لرزتی ہوئی کرنوں کی طرح سایوں میں کھو
جائیں گے۔
اور بھڑکتے ہوئے شعلے بھی لپکتے ہوئے سو جائیں گے،
دل میں سوئی ہوئی نفرت سگ آوارہ کی مانند اندھیرے میں پکار
اُٹھے گی :-
ہم نہ اب آپ کو سونے دیں گے۔
در پچکے سے یہ آسودہ خیال آئے گا
آج تو بدلہ لیا ہم نے نگاہوں سے چھپے رہنے کا۔
لیکن اب آنکھ بھی بدلہ لے گی۔
نئی صورت میں بدل جائے گی۔"

(۱۹۴۲ء)

تن آسانی

غسل خانے میں وہ کہتی ہیں ہمیں چینی کی اینٹیں ہی پسند آتی ہیں
چینی کی اینٹوں پہ وہ کہتی ہیں چھینٹا جو پڑے تو پل ہیں
ایک اک بوند بہت جلد پھسل جاتی ہے۔
کوئی پوچھے کہ بھلا بوندوں کے یوں جلد پھسل جانے میں
کیا فائدہ ہے۔
جب ضرورت ہوئی جی چاہا تو چپکے سے گئے اور نہا کر لوٹے
دھل دھلا کر یوں چلے آئے کہ جس طرح کسی جھیل کے پانی پہ کوئی
مرغابی
ایک دم ڈبکی لگاتی ہے لگاتے ہی ابھر آتی ہے
اور پھر تیرتی جاتی ہے ذرا رکتی نہیں

وہ یہ کہتی ہیں مگر چینی کی اینٹوں کا اگر فرش ہو، دیواریں ہوں
دل یہ کہتا ہے کہ ہر چیز کا نکھرا ہوا رنگ
آنکھوں کو کتنا بھلا لگتا ہے۔
جیسے برسات میں تھم جاتے ہیں بادل جو برس کر تو ہر اک پھلواری

یوں نظر آتی ہے۔
جیسے جانا ہو اسے اپنے کسی چاہنے والے سے کہیں ملنے کو جانا
ہو مگر
ابھی کچھ سوچ میں ہو
کوئی پوچھے کہ بھلا چینی کی اینٹوں کو کسی سوچ سے کیا نسبت ہے
چینی کی اینٹیں تو بے جان ہیں پھلواری میں ہر پھول کلی ہر پتّہ
زیست کے نور سے لہراتا ہے
پھول مرجھائے کلی کھلتی ہے۔
اور ہر پتّہ نئے پھول کے گن گاتا ہے
چینی کی اینٹیں کوئی گیت نہیں گا سکتیں
چینی کی اینٹیں تو خاموش رہا کرتی ہیں
ایسی خاموشی سے اکتا کے نہانے والا
کچھ اس انداز سے اک تان لگاتا ہے کہ لقمان ہی یاد آتا ہے
جب میں یہ کہتا ہوں وہ پوچھتی ہیں
کوئی پوچھے تو بھلا تان کو لقمان سے کیا نسبت ہے
اور میں کہتا ہوں لقمان کو ... لقمان کو .... یا تان کو ...، رہنے دو چلو۔
اور کوئی بات کریں
اور یوں بیٹھے ہی رہتے ہیں کسی کے دل میں
(نہانے) آتی ہی نہیں
غسل خانے میں قدم رکھیں نہا کر سوئیں۔
لیٹے لیٹے یونہی نیند آتی ہے سو جاتے ہیں[1]۔

(۱۹۴۳ء)

---

[1] میرا جی کی نظمیں

اداکار

مری زبان چھپکلی کی مانند پھول سے چھو رہی ہے گویا
گداز پتّی کے رس کو اک پل میں چوس لے گی
مگر اسے یہ خبر نہیں ہے ہر ایک پھول ایک ــــ اک بھنورے کے دھیان
میں کھو کے جھومتا ہے
کھلے ہوئے پھول کو جو دیکھے
یہی سمجھتا ہے اس کی نکہت مرے فسردہ مشام جاں کے لئے بنی ہے
مگر کھلا پھول کس کا ساتھی؟

میں اک مسافر ــــ چھتوں پہ دیوار و در پہ دہلیز پر بسیرا رہا ہے میرا
اور آج رستے میں آ گئی تو
یہ تیرا پردہ کہ جس کے اس پار مجھ کو دیوار و در بھی دہلیز بھی چھتیں بھی
دکھائی دیتی ہیں خاک آلودہ آگہی سے
کبھی تو اٹھتا ہے اٹھ کے گرتا ہے گر کے اٹھتا ہے ــــ اس کی لرزش
کبھی تبسم کبھی سکوں کی پکار بن کر
مجھے بلاتی ہے پھر یہ کہتی ہے چپ ــــ ٹھہر جاؤ دیکھو شاید کوئی ہمیں

دیکھتا ہے لیکن
کھلا ہوا پھول کس کا ساتھی
اُسے چمن سے نہیں ہے نسبت وہ اس جہاں میں
ہر اک کے ہاتھوں سے ہوتے ہوتے کبھی کسی سیج پر کبھی سیج سے چتا تک
پہنچتا رہتا ہے اور زمانہ
پکارتا ہے۔ کھلا ہوا پھول کس کا ساتھی؟
وہ مٹ کے رہتا ہے، مٹ کے رہتا ہے چاہے رستے میں جو بھی آئے
اُسے مٹا دے
میں جانتا ہوں کھلا ہوا پھول کس کا ساتھی
میں جانتا ہوں یہ چند اشارے مجھے بھی اس رات سے ملا کر
شکستہ ساحل کی جھاگ بن کر
سکون کے آغوش بے رخی میں ہی جا بسیں گے
وہی سیہ رات جس کے مبہم گلوئے تیرہ کا گرم اندھیرا
اُبلتے دودِ سیہ کی مانند یہ بتاتا ہے کوئی شے اس جگہ بھی ہے

وہی ابلتا ہوا اندھیرا ہماری ہستی پہ چھا گیا ہے۔
ہماری ہستی جو ایک تنکے کا روپ بھر کر مچلتی لہروں پہ بہہ رہی ہے
مچلتی لہریں ترا تبسم ترے اشارے ہیں میرے ماضی کی خاک ، تو وہ آگہی ہے۔
میں جن کے بل پر یہ کہہ رہا ہوں۔
مری زبان چھپکلی کی مانند پھول سے چھو کے رس کو اک پل میں چوس لے گی
مگر یہ پردہ جو روک بن کر محل کو گھیرے ہوئے ہے رستے سے کب ہٹے گا؟

12

یہ کب مسہری بنے گا تیری؟

اچانک اک سمت سے وہ بھنورا پھسل کے آیا
تو میں نے دیکھا خیال کی گود ہی کھلی ہے
کھلا ہوا پھول کس کا ساتھی؟
میں سوچتا ہوں کہ بیگنوں دورِ کہکشاں میں
کئی مسافر بھٹک رہے ہیں۔
مگر سفر کس کا طے ہوا کس کو آگے جانا ہے ساتھ پژمردگی کو لے کر
اسے یہاں کون جانتا ہے
ہر اک کے پہلو میں خاک آلودہ آگہی ہے؎

(۱۹۴۳ء)

؎ میراجی کی نظمیں

اجنتا کے غار

دھیان کی جھیل میں لہرایا کنول کا ڈنٹھل
سوچ آتی ہے مجھے کیوں ہوئی پردا چنچل
دھیان کی جھیل میں ہر چیز ہے کومل شیتل
جیسے ناری ہو اُٹھائے ہوئے امرت چھاگل

آج چھاگل سے ٹپک اٹھی ہیں ننھی بوندیں
دھیان کی لہریں ہیں یہ لاج سے رستی بوندیں
رستی بوندوں پہ نہیں اب مجھے کوئی قابو
شبِ فرقت میں چھلک آتے ہیں جیسے آنسو
پھیلتی جاتی ہے اب یاد کی چنچل خوشبو
دشتِ ویران میں آجاتے ہیں چپلے آہو

میلے کپڑوں کی طرح لٹکی ہوئی تصویریں
بیتے دن رات مرے سامنے لے آتی ہیں
کئی راجہ ہیں یہاں ایک ہی راجہ بن کر
ایک ہی تاج کے ہیرے ہیں کئی ہیرے ہیں

راج دربار ہو یا راج بھون ہو، دونو
ایک خوشبو سے بسے ہیں، وہی گرمی خوشبو
جس نے دیوانہ بنایا ہے بھکاری کو مدام
بھید لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا ہے
اس کی نظروں کو دیا ہے دھوکا
بھوک نے پیاس نے — (کیا کہتے ہو
جیسے تم پیاس بجھا بیٹھے ہو
وہ بھی اک بھوک ہے اب۔ جان لیا
میں فقط پوچھتا ہوں
پانی پینے کو نہیں ملتا تو کیا۔ ایک لنگوٹی تن کی
داسی کی یاد نہیں لا سکتی؟)
کیا کنول تال کا منظر نہیں دیکھا تو نے
بالوں کو پھول سجاتے ہیں، مگر کانوں میں
ننھی کلیوں کے لٹکتے بُندے
لڑکھڑاتی ہوئی نظروں کو بیے جاتے ہیں
اس کنول تال میں جس کے سائے
پیڑ کی چھاؤں سے بھی بڑھ کے سکوں لاتے ہیں
بات کیا ہے کہ وہ جیون جس کو
مشعلیں اپنے اُجالے ہی سے دکھلاتی تھیں
دھیان کی لہر کے اک نرم جھکولے ہی سے جاگ اٹھا ہے
رات چھائی تھی مگر

رات بھی دن کی طرح نُور کو لے آئی ہے
نُور تاروں کا بھی ہے، چاند بھی ہے، سورج بھی
تینوں اک دوسرے سے بازی لیے جاتے ہیں
چاند رانی ہے، تو سورج راجا
داسیاں تاروں کی مانند نظر آتی ہیں
ان کی حرکات کے مفہوم مجھے کیا معلوم
میرا مفہوم ہے صرف ایک ہی بات
ایک ہی بات ــــ مگر یہ تو ہے میرے بس کی
ایک ہی بات سے سو باتیں بناؤں دن میں
اسی اک بات سے یاد آیا ہے
ناچنے والی کا ہلکا سا اشارہ مجھ کو
ناچ بھی کیا تھا وہ پھولوں کی لڑائی تھی مگر اس میں بھی
ہاتھ ہلتے تھے تو اک پوری لغت مجھ کو نظر آتی تھی . . . .
سُست مفہوم بھی تھے تیز بھی تھے کچھ مفہوم
جب کسی نرم کلائی کی سنبھلتی لے میں
موج آتے ہوئے رک جاتی تھی
"چھوڑ دو ۔ چھوڑ دو" آواز یہی آتی تھی
اور وہ کانوں کی کلیاں اس پر
کھل کے جو بالوں میں دو پھول بنی بیٹھی تھیں
ایک بے نام سی لرزش کھا کر
کانپتے کانپتے رک جاتی تھیں سہم جاتی تھیں

وہی اک بات جو پہلو میں چھپائے ہوئے سو باتوں کو
رات کو دن کی طرح نور سے بھر دیتی ہے
دل پہ اک سحر سا کر دیتی ہے

کیا کنول تال کا منظر نہیں دیکھا تو نے
پیڑ بھی ہیں، پتے بھی ہیں، پودے بھی لہرتے ہیں
سوکھتے جاتے ہیں جو پتے وہ گر جاتے ہیں
یہ سماں دیکھ کے اک دھیان مجھے آتا ہے
پہلے چپٹی تھی زمیں، سیب نے گر کر اس کو
کرۂ ارض کی صورت دے دی

ایک ہی جست میں طے ہو گیا رستہ سارا
دل نے چھنّا کی طرح اسپ سبک سیر کو جب لیس کیا
راجدھانی میں کپل وستو کی
جلوۂ قلب جہاں مجھ کو نظر آنے لگا
ایک ہی رنگ پہ تھا وقت کے دریا کا بہاؤ
کس میں جرأت تھی کہ اس سیل کو وہ روک سکے
یک انسان مگر آیا اسی نے روکا
بن گیا وقت بھی اک ذہن کے دریا کا بہاؤ

میں نکل آیا ہوں اب سنگ کی محرابوں سے

جن کا اک گہرا تصور ہے مرے ذہن کے آئینے میں
ایک ہی جست نے پہنچایا ہے میرے دل کو
راجدھانی میں کپل وستو کی
آج بر آئی ہے رانی کی تمنا شاید
شہر ہنگامۂ عشرت ہے، ہر اک پیرو جواں
رقص و نغمہ کے دھندلکے میں چھپا جاتا ہے
گویا چہرہ پہ اُلٹ کر نہ چلے گا ہرگز
ان کا اندیشہ تھا اک خام خیال
پھر وہی دور پلٹ آیا ہے، اب راجکمار
رشکِ فردوس محل کی زینت
یعنی شہزادی یشودھا کو لیے آتا ہے
ان کا اندیشہ تھا اک خام خیال
پھر وہی دور پلٹ آیا ہے
اب مہاراجہ نے پوتے کی مسرت کا سماں دیکھا ہے
لیکن افسوس کہ بیٹے کے جنم پر اس کے
عیش میں ایک چبھن درد کی در آئی تھی
وہم کیسے کہیں؟ اک پنڈت نے
زائچہ دیکھ کے اک بات کہی تھی سب سے
دور مہاراجہ کے فرمان کی ہی دیر تھی، اک چشمِ زدن میں دیکھو
بن گیا بھیں کی آغوش میں اک راج محل
کس کو معلوم تھا اک آنکھ جھپکتے میں تمام

نقشۂ عیش پہ یوں اوس ہی پڑ جائے گی
سجی محفل ہی اجڑ جائے گی
اک اچٹتی سی نظر ــــ جاگ نہ اٹھے ۔ چل دو
یہ خیال آتے ہی چھنا کا خیال آیا اک
اور پھر اپنے وفادار ملازم سے بھی رخصت ہو کر
چھوڑ کر زیست کے ہنگاموں کو
چل دیا دور کہیں ــــ دور بہت دور کہیں
سوچتا جاتا ہے وہ ــــ پاؤں زمیں پر اُس کے
گرتے پھولوں کی طرح پڑتے ہیں
گرتے پھولوں کو مگر داسیاں چُن لیتی تھیں
کہ کہیں دیکھ نہ پائے ان کو
سیر کرتے ہوئے وہ راجکمار
زندگی سے جیسے بچپن میں ' جو تھی میں رہی نادانی
مجھ کو کیوں وقت کی رفتار نے الجھایا ہے
پھر سے لذّت کا خیال آیا ہے
آم کے پیڑ ، کنوں تال کنارے جم کر
سرسراتے ہوئے پتّوں کی صدائے پیہم
اسی اک سوچ میں کھو دیتے ہیں
آم کیسے ہیں ، کنول کیسے ہیں
اور میں سوچتا ہوں
آم شیرینی سے امرت کا مزہ دیتے ہیں

اور کنول جلوہ دکھاتے ہی ہر اک بات بھلا دیتے ہیں
یہ کنول تاں یہ تو آم کا سایہ مت جان
کیا تجھے یاد نہیں آتی ہے
گیسوؤں کی وہ گھنیری چھاؤں
جس کے پردے میں کنول کھلتا ہے، ہنس دیتا ہے
زندگی کیا ہے کوئی اس کی خبر لیتا ہے
ایسے لمحوں میں تو صرف ایک ہی بات
وہی اک بات جو پہلو میں چھپائے ہوئے سو باتوں کو
رات کو دن کی طرح نور سے بھر دیتی ہے
دل پہ اک سحر سا کر دیتی ہے
اور پھر اس کی خبر دیتی ہے
زندگی کیا ہے یہ تُو جان گیا
سوچ کیا جان نے اب بھید نیا
موت کیا ہے ــــ مگر اس بات کو کیا جانے گا
موت کیا ہے ــــ کوئی یہ پوچھتا تھا
اور پھر وقت کی رفتار اُلجھ کر مجھ کو
یہی دیتی ہے جواب
زیست کے پیڑ سے گرتا ہوا سیب
دیکھ کر جس کو کئی گیان کے چشمے پھُوٹے
مجھ کو کیوں وقت کی رفتار نے الجھایا ہے
ابھی دل سینکڑوں برسوں کی خلا پھاند کے وٹ آیا ہے

ایک ہی وقت سے۔اک دَور سے۔رغبت کیوں ہے

ایک ہی نور مرے ذہن پہ کیوں چھایا ہے

نور کے رنگ کئی ہیں کوئی آئے ——— آئے . . . .

نور کا رنگ ہے صرف ایک، بدل دیتا ہے اس کو ماحول

وجہ تحریک ہیں پژمردہ نقوش

علم ہی سینۂ ماضی میں لیے جاتا ہے

ورنہ فردا بھی مجھے دوش کی مانند نظر آجاتا

جیسے اب دوش نظر آتا ہے دیوار کی تصویروں میں

در دیوار کی تصویریں بتاتی ہیں مجھے وقت کی رفتار کے ساتھ

بلے انسان لڑکپن سے جوانی میں گیا

اور جوانی کے گذرنے پہ بڑھاپا آیا

ہاں وہی رنج کمار۔باغ میں جس کے نہ تھی کوئی بھی پژمردہ کلی

دوش و فردا کی مصیبت ہی سے آزاد ہوا

تین منظر تھے فقط ——— ایک ——— دو ——— تین

نوعِ انساں کے نصیبے کو بدلنے والے

نوعِ انساں تو ہے جاہل کا دماغ

جس نے بھی گیان کی اک بات کہی

دار پر اس کو چڑھا کر مارا

ایک کہتا تھا زمیں گول ہے اور گھومتی ہے

نوعِ انسان نے اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا کر چھوڑا

لیکن افسوس زمیں گول تھی اور گھومتی ہی جاتی تھی
اس کا چکر بھی مگر نور نہیں لا سکتا
اس اندھیرے میں ازل سے جو، بدنگ پھیلے
نوعِ انساں بھی تو یک غار کی مانند ہے ـــــ تاریک مقام
اس کی تاریکی جائے کو دبا سکتی نہیں ہے لیکن
کیا اسی واسطے کچھ گیانی یہاں آئے تھے
تاکہ ان غاروں میں چپ چاپ ـ جہاں والوں سے
ہو کے روپوش ـــــ سفر طے کرلیں
لیکن افسوس یہاں بھی ان کو
نہ ملا مایائے نروان ـــــ یہی دیواریں
ان کے افسردہ دلوں کی غماز
آج تک دشت میں سر مارتی ہیں
کوئی اتنا تو بتائے مجھے ـــــ اس داسی کو
اس طرح سامنے لے آنے کا مقصد کیا تھا
اس کی گردن سے پھسلتے ہوئے جاتی ہے نظر
ایک وادی سے گذرتے ہوئے بس بس ـــــ خاموش
سوچنے والوں کو صرف ایک سزا کافی ہے
دار پر ان کو چڑھا دیتی ہے
نوعِ انساں ـــــ وہی جاہل کا دماغ
ہاں ـ ـــــ وہ کیوں غاروں میں پابند ہوئے تھے اگر
سوچتے سوچتے جاگ اٹھتی تھیں دل میں یادیں

ایک جو بھاگ کے دربار سے آیا تھا یہاں
سوچتا تھا وہ محل کی داسی
جس پہ دربار میں راجے کی نظر رہتی تھی
کتنی سندر تھی، بڑی سندر تھی
ایک جو رانی سے اک رات ملا تھا چھپ کر
اس جگہ آ کے نقوش اس کے بنا بیٹھا تھا
اور اب اس کی بنائی ہوئی صورت پہ بھی اپنا دامن
وقت کی رات نے پھیلایا ہے
اسی دیوار پہ اس ٹکڑے پہ میں دیکھ رہا ہوں جس کو
منتری ایک تھا راجہ مگر اس کو بھی
راس آئی نہ ہوا راج کا تانا بانا
ایک مکھی کی طرح نوچ کے لے آیا یہاں
اور اب دیکھ رہا ہوں میں بھی . . . . .
اس نے جو نقش بنائے تھے وہ سب ہیں باقی . . . . .
ایک راجہ کا جلوس اور ہیں اس کے آگے
اک بھکاری کو ہٹاتے ہوئے دو گھوڑ سوار ـــــ
کشمکش زیست کی ہمراہ یہاں لائے تھے
پھر وہ کیوں غاروں میں پابند ہوئے تھے آ کر؟

میں بھی پابند ہوں ـــ کیوں وقت کی رفتار نے اُلجھایا ہے؟
میں نکل آیا ہوں ان سنگ کی محرابوں سے

جن میں کندہ ہے کہانی دل کی
دل وہی جس کے ہزاروں جلوے
دھندلی دیواروں نے اک پل میں دکھائے ہیں مجھے
ان کے اک گہرے تصوّر کو میں لے جاؤں گا
اور پھر گھر کے سکوں میں جاکر
ایک ہی دھیان مجھے آئے گا — اک ضدی دھیان —
پہلے چپٹی تھی زمیں سیب نے گر کر اس کو
کرۂ ارض کی صورت دے دی

دھیان تو آتے ہی آئے گا میری آنکھوں کو
سیب ایک اور ہی شے بن کے نظر آتا ہے
اور تو سامنے بیٹھی ہوئی ضدی عورت —
چند آسودہ خطوط —

جس نے بیتی ہوئی صدیوں میں مجھے الجھایا
تو ہی داسی ہے تو ہی رانی ہے
رات کی مہلت یک لمحہ کو انبار بنا دیتی ہے
رات کے جانے پہ بیزار بنا دیتی ہے
میرے دل کو — میرا دل راجہ ہے
اس کنول تال کے پژمردہ کنارے پہ نشستہ ہے مگر
بات اس کی نہیں سنتا کوئی

اور یہ بیٹھے ہوئے سورج کی لہروں میں بہا جاتا ہے
تیری بے باک اداؤں کا جلوس
دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے نکل جاتا ہے
اور پھر دھیان مجھے آتا ہے
لیٹے لیٹے جو تری آنکھوں میں نیند آ جائے
میں تجھے چھوڑ کے چل دوں، کہیں چل دوں، چپ چاپ
اک اچٹتی سی نظر جاگ نہ اُٹھے چل دو
یہ خیال آتے ہی چھنا کا خیال آتا ہے
وہ تو خوابیدہ ہے، بےجان ہے ان ہاتوں سے
آؤ اب سوئیں بہت رات گئی ـــــ نیند آئی ہے

سہ تین رنگ

ارتقاء

قدم قدم پر جنازے رکھے ہوئے ہیں ان کو اٹھاؤ، جاؤ،
یہ دیکھتے کیا ہو؟ کام میرا نہیں، تمہارا یہ کام ہے آج اور کل کا۔
تم آج میں محو ہو کے شاید یہ سوچتے ہو
نہ بیتا کل، اور نہ آنے والا تمہارا کل ہے
مگر یونہی سوچ میں جو ڈوبے تو کچھ نہ ہوگا
جنازے رکھے ہوئے ہیں ان کو اٹھاؤ، جاؤ!
چلو! جنازوں کو اب اٹھاؤ۔
یہ بہتے آنسو بہیں گے کب تک؟ اٹھو اور اب ان کو پونچھ ڈالو۔

یہ راستہ کب ہے؟ اِک لحد ہے،
لحد کے اندر تو اِک جنازہ ہی بار پائے گا یہ بھی سوچو۔
تو کیا مشیت کے فیصلے سے ہٹے ہٹے رینگتے رہو گے؟
جنازے رکھے ہوئے ہیں ان کو اٹھاؤ، جاؤ۔

لحد کھلی ہے

لحد ہے ایسے کہ جیسے بھوکے کا باچھی منھ کھلا ہو، ہو
مگر کوئی تازہ ـــــ ورنہ تازہ نہ ہو میسّر تو باسی لقمہ بھی اس کے
اندر نہ جانے پائے

کھلا دہن یوں کھلا رہے جیسے اک خلا ہو
اٹھاؤ، جلدی کٹھاؤ، آنکھوں کے سامنے کچھ جنازے رکھتے
ہوئے ہیں، ان کو اٹھاؤ، جاؤ،

لحد میں ان کو ابد کی اک گہری نیند میں غرق کر کے آؤ،
اگر یہ مُردے لحد کے اندر گئے تو شاید
تمہاری مردہ حیات بھی آج جاگ اُٹھے گی

ـــ تین رنگ

انجام

مجھے گریہ سنائی دے رہا ہے
بہت ہی دور سے آتی ہوئی آواز ہے جیسے
کبھی لہروں میں گھل جائے، کبھی آگے نکل آئے،
یہ اس سونے سمے میں کس نے گہرا کر دیا دل کی اُداسی کو؟
نہیں، یہ عکس کب ہے، دور کی اک بات ہے

یہ گریہ تو نہیں ہے، ایک لمحہ ہے
کہ جیسے صبح کا سورج شفق میں جا کے کھو جائے
اگر سورج شفق میں جا کے کھو جائے تو کیا پھر رات بھی
من موہنی ہو گی؟
ستارے تو مگر جن دوریوں سے جھلملاتے ہیں
اُداسی کو بڑھاتے ہیں۔
شبِ تاریک تو بس جگمگاتے چاند ہی سے کچھ نکھرتی ہے

کہاں ہے چاند؟ اندھیری رات ہے، مجھ کو

اندھیری رات میں گریہ سنائی دے رہا ہے
یہ گریہ تو نہیں ہے، ایک معمولی صدا ہے، وقت کے آغوش
میں کھویا ہوا لمحہ۔

زمانہ ایک بے پایاں سمندر ہے
اور اس میں کس قدر بے کار آنسو ہیں
اور اس میں ساحلِ افسردہ کی کچھ سسکیاں ہیں
میں سب کچھ دیکھتا ہوں اور پھر ہنستا ہوں، روتا ہوں
یہ دو لہریں بڑھی جاتی ہیں، اس کھوئے ہوئے لمحے سے
ٹکراتی ہیں اور پھر لوٹ آتی ہیں،
کہ جیسے ایک ہچکی آئے اور پھر سانس رک جائے۔
میں کیوں کھویا ہوں رات کی گہری اداسی میں؟

مجھے گریہ سنائی دے رہا ہے،
یہی جی چاہتا ہے پاس جا کر بھی اسے سن لوں
مگر ڈر ہے جب اس کے پاس پہنچا میں تو گریہ ختم ہوگا، ایک
گہری خامشی ہوگی۔

ف تین رنگ

ایک اور عورت

اندھیری رات مجھے تجھ سے گو نہ رغبت ہے
اندھیری رات ترے دل میں میری راحت ہے
جو نور میں ہیں وہ کیا اس کا بھید جانیں گے ؟

اندھیری رات میں جب پھوٹتی ہے ایک کرن
اندھیری رات ہی بنتی ہے نور کا مخزن
اجالے والے یہ کہنا کبھی نہ مانیں گے ،

اندھیری رات میں اک چاند اور ستارے ہیں
اندھیری رات کی آنکھیں یہ نور پارے ہیں
انہی سے ملتی ہے تاریکی کو نوید سحر،

اندھیری رات اگر دم بخود کبھی ہو جائے
اندھیری رات اگر نور میں کہیں کھو جائے
تو پھر اجالا بنے تیرگی کا آخری گھر۔

ــ تین رنگ

ایک منظر

پیچھے پہاڑ کہر میں نگاہ کُند ہے
کشادہ زندگی سمٹ کے سوگئی
ہر ایک شے خیال میں قریب آکے کہہ رہی ہے "میں بھی ہوں"
ہر ایک شے یہ کہہ رہی ہے "میں بھی ہوں"
یہ کہہ رہی ہے "میں بھی ہوں"
مگر ہر ایک شے خیال تو نہیں
یہ کس کی چشمِ سوگوار آنسوؤں کا تار بن کے بہہ رہی ہے کیا پتا؟
یہ کس کا دل ہوا سے قطرہ ہائے آب کی صداؤں میں
سنا رہا ہے نوحہ مجھ کو ہست کا؟
کشادہ زندگی سمٹ کے سوگئی تو کیا ہوا؟
ابھی میں ہوں 'ابھی میں ہوں'
ابھی مری حیات اک خیال تو نہیں بنی
ابھی مری نگاہ میں وہ تند و تیز آگ ہے
جو آنسوؤں کے اس فریب کو مٹائے گی
ابھی مری نگاہ اس سیاہ، قیر گوں پہاڑ ہی کے پار ہے

اس آفتاب کو جگا کے لائے گی
جو اک کشادہ زندگی کے روپ میں دکھائی تو دیا مگر سمٹ کے سو گیا۔
یہ آنسوؤں کا سیل اک فریب ہے
کشادہ زندگی سمٹتی رہتی ہے سمٹ سمٹ کے پھیلتی بھی ہے
ابھی اچانک ایک پل میں سبزہ زار لہلہاتے لہلہاتے جھوم جھوم جائیں گے
ابھی اچانک ایک پل میں ایک نوحہ ایک نغمہ بن کے ایسے
گونج اٹھے گا

کہ دل کہے گا "میں بھی ہوں"
ابھی اچانک ایک پل میں اس پہاڑ ہی کے پار موت کی گھٹا سمٹ
کے جا چھپے گی اور حیات کی دھنک بھی جگمگائے گی۔

ے آئین، جنگ

ایک نظم

اے پیارے لوگو!
تم دور کیوں ہو؟
کچھ پاس آؤ،
آؤ کہ پل میں
یہ سب ستارے
تاریکیوں کے
اس پار ہوں گے
اے پیارے لوگو!
میں تم سے مل کر
بہتر بنوں گا
ایسے اکیلے
یوں روتے روتے
آنسو بہیں گے
اور کچھ نہ ہو گا
تم پاس آؤ

پھر دیکھ لیں گے
دنیا ہے کیسا کچھ
اور دین کیا ہے،
پھر جان لیں گے
ہر سانس کیسے
آنکھیں جھپکتے
اَن مِٹ بنا تھا۔

لیکن محبّت
یہ کہہ رہی ہے
ہم دُور ہی دُور
اور دُور ہی دُور
چلتے رہیں گے[۱]

[۱] تین رنگ

بقاء

کلیاں چٹکیں غنچے جھکے
رنگ برنگے پنچھی چہکے
اپنی اپنی باتیں کہہ کے
کون بتائے کہاں گئے ہیں
بوڑھا برگد سوچ رہا ہے

چھڑی ہوئی ہے کتھا سہانی
ایک کہانی سب کی زبانی
کچھ انجانی کچھ من مانی
پل پل چھن چھن رنگ نئے ہیں
بوڑھا برگد سوچ رہا ہے

دُکھ کے دن اور سُکھ کی راتیں
ہونی یا انہونی باتیں
کس کی جیتیں کس کی ماتیں
آنکھ سے اب تک بھید چھپے ہیں
بوڑھا برگد سوچ رہا ہے[۵]

۵ تین رنگ

بہاؤ

ہر اک سانس آتا ہے جاتا ہے یوں
گھٹتے ہوئے رینگتے رینگتے
ہر اُمید جاگی مگر مٹ گئی[1]
گھٹتے ہوئے رینگتے رینگتے

جہاں میں یہی ہے اصولِ حیات
گھٹتے ہوئے رینگتے رینگتے
لرزتے ہوئے دن کے بعد آئی رات
گھٹتے ہوئے رینگتے رینگتے

ہر اک حُسن کا نور ہے ضوفگن
گھٹتے ہوئے رینگتے رینگتے
جہاں میں خوشی ہو کہ رنج و محن
گھٹتے ہوئے رینگتے رینگتے

---

[1] ہر اُمید کا مٹ چکا ہے فسوں

کبھی اس جگہ سے کبھی اس جگہ
گھسٹتے ہوئے رینگتے رینگتے
کبھی عمر بھر سے کبھی اک نگہ
گھسٹتے ہوئے رینگتے رینگتے

گزرتی رہی زندگی جس طرح
گھسٹتے ہوئے رینگتے رینگتے
جب آئے تو کاش آئے موت اس طرح
گھسٹتے ہوئے رینگتے رینگتے

میں اک پل میں اس کا گلا گھونٹ کر
گھسٹتے ہوئے رینگتے رینگتے
بڑھوں گا اُسے چھوڑ کر پشت پر
گھسٹتے ہوئے رینگتے رینگتے ؎

؎ تین رنگ

پاس کی دُوری

منتظر ایک ہی لمحے کی تھیں دونوں روحیں،
ابتدا دُور ہوئی، دور بہانے، شوخی،
دور ــــ سیارے خراماں تھے فلک پر، دونوں
ایک منزل پہ پہنچنے کے لیے ــــ

پھر پُرانا وہی افسانہ، وہی سیب کی، انجیر کی بات
لرزشِ قلب سے رفتار کی تیزی لپٹی
تیز طوفان سے ملنے چلی خوں کی گردش
جیسے کاجل سی گھٹا ساون کی
وحشیانہ سی اُمنگیں لائے ــ
جسم کے ساز میں سب تار کھنچے اور پھیلے
نغمہ بیدار ہوا

نغمہ بیدار ہوا

نغمہ بیدار ہوا
پُتلیاں پھیل گئیں، سانس تھی گہری گہری
آہ!۔۔۔رقصاں ہوئی نکہت گل کی ۔
اک تڑپ، ایک تھرکتی ہوئی نازک پتّی ۔
ہلکی ہلکی سی صدا، چیخ کی دھیمی لہریں،
خلوتِ شب کی فضائیں ہوئیں سرگرم خرام۔
اور پھر آ ہی گئی نیند کی خاموش پری
صبح دم جیسے ہو گل سے چھو جائے کبھی،
ایک شاداب سکوں رُوح پہ چھایا، اس دم
دل میں بھرپور تھی، حسّاس کی شیریں نرمی۔

ے تین نگ

پردہ

تم اور دیس ہم اور دیس —— ہم دو پربت
کہو کیسے ملیں
کیا جتن کریں
ہم تم دونوں انجان رہے
تم اور دیس ہم اور دیس

۲

کب ملے میت یہی جگ کی ریت — پسنا ہت
دوری جیون
جیون بندھن
سب گیانی اس کو مان رہے
یہی جگ کی ریت کب ملے میت

۳

کوئی گیت اگر بن جاتے ہم
ہر سُر سے رس ٹپکاتے ہم
اور بھول کے یاد نہ آتے ہم
بادل ہوتے
گھُلتے گھُلتے
آکاش میں ہی کھو جاتے ہم
اور ایسے اَمر ہو جاتے ہم
دریا ہوتے
بہتے بہتے
پھر ساگر میں مل جاتے ہم
اور مل کر دھوم مچاتے ہم
یہ گیت ہمیشہ گاتے ہم
"سب گیانی ہی انجان رہے"
لیکن کیا ہو
جب ایسا ہو
ہم اور دیس تم اور دیس"

ـــ تیمن رنگ

ترقّی

بھید لکھا تھا یہ پتھر پہ پیا داسی نے
اسی چوکھٹ پہ نصیبا جاگا
جس پہ پڑھتے ہوئے پاؤں جھجکے
اور جنگل میں گئے۔
قصرِ عشرت میں وہ اک ذرّہ تھا
قصرِ عشرت میں ازل سے اب تک
جو بھی رہتا رہا اک راگ نیا گاتا رہا
اور جنگل میں وہی راگ —— پرانا نغمہ
گونجتا تھا کہ ہر اک بستی سے
آخری عیش کو دوری ہی بھلی ہوتی ہے
اس نے جنگل میں یہ جا کر جانا
بستیاں اور بھی ویران ہوئی جاتی ہیں
وہ چمک، منزلِ مقصود، چراغ
دائیں بائیں کی ہواؤں سے ہر اک پل، ہر آن
ڈر بھونے کو ہے، لو! نور رہتا، نور مٹا،

اس کی لَو کانپتی جاتی ہے، ذرا تھمتی نہیں

ابھی بڑھنے کو ہے، بڑھنے کو ہے، بڑھ جائے گا

یہ چراغِ انساں ـــ

یہی اک دھیان اسے آگے لیے جاتا تھا

اور وہ بڑھتا گیا،

پیڑ کی چھاؤں تلے سوچ میں ایسا ڈوبا

بن گیا فکرِ ازل، فکرِ ابد

اور جنگل سے نکل آیا تو اُس نے دیکھا

بستیوں میں بھی اسی چاہ کے انداز نرالے، پھیلے

اور پھر وہ بھی تھا بھائی، میں بھی

دیوتا اس کو بنایا کس نے؟

کہہ تو دو قصرِ مسرت میں جو اک ذرّہ تھا

اس کو اک عالمِ ادراک بتایا کس نے؟

اسی انسان نے جو ہر بستی کو

آج ویرانہ بنانے پہ تلا بیٹھا ہے

اور اک ذرّے کے بل پر، افسوس

بھید کیوں کھلا نہیں تھا یہ پیا داسی نے

راستے اور بھی ہیں، اور بھی ہیں، اور بھی ہیں،

اسی ک ذرّے کی چوکھٹ پہ نصیبے کو بھی نیند آ ہی گئی"

ـــــــــــــــــــــــــــــ

ـہ تین رنگ

تنہائی

فضا میں سکوں ہے

اداس، گہرا، گھنا، ایک اک شے کو گھیرے ہوئے، ایک

اک شے کو افسردگی سے مسل کر مٹاتا ہوا، بے اماں

بے محل، دور سے دور ــــ پھیلی فضا میں سکوں ہے،

اُجالے کی ہر اک کرن جیسے ٹھٹکی ہوئی ہے،

اندھیرے سے بڑھ کر اندھیرا۔

لچکتی ہوئی ٹہنیوں کی گھنی پتیوں میں ہوا سرسرانے لگی ہے

ہوا سرسرانے لگی ہے!

ہوا کس لیے سرسرانے لگی ہے

کہیں دُور ــــ غولِ بیاباں کی دل کو مسلتی ہوئی چیخ جاگی،

کہیں دُور غولِ بیاباں ــــ

کہیں دُور ــــ

کہیں دُور کیا ہے؟ ــــ سکوں ہے،

کہیں دُور کچھ بھی نہیں ہے، سکوں ہے،

کہیں دُور کچھ بھی نہیں ہے!

کہیں دُور کچھ بھی نہیں ہے ؟
کہیں دُور کچھ بھی نہیں ہے تو پھر کیسے غولِ بیابان کی دل کو
مسلتی ہوئی چیخ جاگی ؟

فسردہ سی کچھ ہڈیاں ہیں، فسردہ سی خاکستر بے زباں ہے،
فسردہ سے کنکر، فسردہ فضا میں سکوں ہے،
یہاں کوئی غولِ بیاباں نہیں ہے۔
لچکتی ہوئی ٹہنیوں کی پتیوں میں گھنا، ور گہرا سکوں ہے۔
کہیں دُور ــــ
کہیں دُور غولِ بیاباں ــــ
کہیں دور غولِ بیاباں کی دل کو مسلتی ہوئی چیخ جاگی!

"یہ کیسا فسوں ہے؟"
"سکوں ہے!" "سکوں ہے؟"
سکوں دور ہو جائے، ہنگامہ پیدا ہو، ہنگامہ شورِ مجسّم بنے،
سامنے آئے، پل میں سکوں دور ہو جائے لیکن
مرے دل کے گہرے سکوں میں ہوا سر سرانے لگی ہے۔

ــــ تین رنگ

جُزو اور کُل

سمجھ لو کہ جو شے نظر آئے اور یہ کہے میں کہاں ہوں،
کہیں بھی نہیں ہے،
سمجھ لو کہ جو شے دکھائی دیا کرتی ہے اور دکھائی نہیں دیتی ہے،
وہ یہیں ہے،

یہیں ہے؟ مگر اب کہاں ہے؟
مگر اب کہاں ہے۔
یہ کیا بات ہے ایسے جیسے ابھی وہ یہیں تھی
مگر اب کہاں ہے؟
کوئی یاد ہے یا کوئی دھیان ہے یا کوئی خواب ہے؟
نہ وہ یاد ہے اور نہ وہ دھیان ہے اور نہ وہ خواب ہے،
مگر پھر بھی کچھ ہے
مگر پھر بھی کچھ ہے

وہ اک لہر ہے ، — ہاں فقط لہر ہے۔
وہ اک لہر ہے ایسی جیسی کسی لہر میں بھی کوئی بات ہی تو نہیں ہے
اسی بات کو رو رہا ہوں،
اسی بات کو رو رہا ہے زمانہ،
زمانہ اگر رو رہا ہے تو روئے۔
مگر میں ازل سے تبسّم ہنسی، قہقہوں ہی میں پنپتا رہا ہوں۔
ازل سے مرا کام ہنسنا ہنسانا رہا ہے،
تو کیا جب زمانہ ہنسا تھا تو اس کو ہنسایا تھا میں نے؟
(یہ تم کہہ رہے ہو جو روتے رہے ہو؟
اگر تم یہ کہتے ہو میں مانتا ہوں)
مگر جب زمانے کو رونا رلانا ملا ہے تو روتا رہے گا زمانہ
فقط میں ہنسوں گا۔
یہ ممکن نہیں ہے۔
زمانہ اگر روئے، روؤں گا میں بھی
زمانہ ہنسے گا تو میں بھی ہنسوں گا۔
مگر یہ زمانے کا ہنسنا، یہ رونا وہ شے ہے نظر آئے اور
یہ کہے میں کہاں ہوں کہیں بھی نہیں ہوں،
زمانے کا ہنسنا زمانے کا رونا وہ شے ہے
دکھائی دیا کرتی ہے اور دکھائی نہیں دیتی ہے — اور یہیں ہے
میں ہنستا چلا جاؤں گا اور روتا چلا جاؤں گا — اور پھر بھی
زمانہ کہے گا تو روتا رہا ہے، تو ہنستا رہا ہے

مگر میں یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں ہی وہ شے ہوں
جو اب بھی نظر آئے اور یہ کہے میں کہاں ہوں تو پھر بھی دکھائی
نہ دے اور کہے میں کہیں بھی نہیں ہوں۔
میں روتا رہا تھا میں ہنستا گیا ہوں
مگر تم تو ہنستے گئے تھے ـــــ بس اب تم ہی روؤ گے اور صرف
اک میں ہوں جو اب بھی ہنستا رہوں گا

ـــ تیمن رنگ

"جوہو" کے کنارے

افق پہ دُور ــــ کشتیاں ہی کشتیاں جہاں تہاں

کوئی قریب بارِ نور سے عیاں تو کوئی دُور کہر میں نہاں،

ہر ایک ایسے جیسے ساکن و خموش و پُر سکوں ــــ ہر ایک

بادبان ہے ناتواں،

مگر ہر ایک ہے کبھی یہاں کبھی وہاں۔

سکوں میں ایک جستجوئے نیم جاں

حیاتِ تازہ و شگفتہ کو لیے رواں دواں

افق پہ دور کشتیاں ہی کشتیاں جہاں تہاں۔

۲

قریب شورِ ساحلِ خمیدہ ہے،

ہر ایک موج یوں رمیدہ ہے

کہ جیسے آبدیدہ ہے

کہ دور اُفق پہ کشتیاں نہیں ہیں کوئی روح پارہ پارہ، غم گزیدہ ہے

۴

کنارے آب سیپیاں ہی سیپیاں ہیں ایک عکسِ ناتواں

اچانک اک گھٹا اٹھی،

اچانک اس کے پار آفتاب چھپ گیا،

اچانک ایک پل میں کشتیاں بھی مٹ گئیں،

کنارِ آب پر کھلی ہوئی پڑی ہوئی ہیں سیپیاں ہی سیپیاں[۵]

۵ تین رنگ

چھیڑ

"بہت ہی نرم ہو تم"
"بہت ہی گرم ہو تم"
"بڑے بے شرم ہو تم"
"نہ شرماؤ ، سنو تو!"
"ادھر آؤ ، سنو تو!"
"ہٹو جاؤ ، سنو تو!"
"جو ہم کہتے ہیں کیجے"
"جھجک رہنے بھی دیجے"
"مرے اللہ — لیجے"

سہ تیّن رنگ

خام مواد

نکھیں ملیں دل مل گئے پوری مرادیں ہوگئیں
پر تشنہ لب نے چکھ لیا مرغوب تھا جو انگبیں
دوری کے مٹنے پر بھی تھا کوئی کہیں کوئی کہیں
مردہ غنچے کھل گئے اس کا یقیں آتا نہیں
کیوں دل کی دل ہی میں رہی کہنے نہ پایا کوئی بھی

وئی اگر ملتا ہوا تو کوئی شوخ و شنگ تھا
ہر شعلہ جو پیدا ہوا مثلِ شرارِ سنگ تھا
ہر لہر کا ہر لہر سے اپنا جُدا اک رنگ تھا
یوں کان کو دھوکا ہوا یہ راگ ہم آہنگ تھا
دھارا سے گھُل مل کر یہاں بہنے نہ پایا کوئی بھی

ہر ذہن محوِ خواب تھا یہ میکدے کی رسم ہے
دل تشنہ تھا بے تاب تھا یہ میکدے کی رسم ہے
ہر جام میں خوں ناب تھا یہ میکدے کی رسم ہے
چکھا تو پھر زہراب تھا یہ میکدے کی رسم ہے
دکھ درد کے اِک وار کو سہنے نہ پایا کوئی بھی

خطِ افق پر گرد اٹھی اک سلسلہ پیدا ہوا
اور ایک پل میں چھا گیا ہنگامۂ شورِ وغا
آنکھوں سے جی بھر کے ابھی اس جلوے کو دیکھا نہ تھا
دل سے اک آہ سرد اٹھی افسوس کیا تھا کیا نہ تھا
خالی مکاں خاموش تھے رہنے نہ پایا کوئی بھی[ء]

ء تین رنگ

خُدا

میں نے کب دیکھا تجھے روحِ ابد
ان گنت گہرے خیالوں میں ہے تیرا مرقد،
صبح کا، شام کا نظّارہ ہے
ذوقِ نظّارہ نہیں چشمِ گداگر کو مگر۔

میں نے کب جانا تجھے روحِ ابد
راگ ہے تُو پہ مجھے ذوقِ سماعت کب ہے،
مادّیت کا ہے مرہون مرا ذہن، مجھے
چھُو کے معلوم یہ ہو سکتا ہے شیریں ہے ثمر
اور جب پھول کھلے اس کی مہک اُڑتی ہے،
اپنی ہی آنکھ ہے اور اپنی سمجھ کس کو کہیں ـــــ تُو مجرم

میں نے کب سمجھا تجھے روحِ ابد
خشک مٹی تھی مگر چشمِ زدن میں جاگی
اُسے بے تاب ہوا لے کے اُڑی
پھر کنارا نہ رہا، کوئی کنارا نہ رہا،

بن گیا عرصۂ آفاق نشانِ منزل۔
زور سے گھومتے پہیّے کی طرح
ان گنت گہرے خیال ایک ہوئے
ایک آئینہ بنا
جس میں ہر شخص کو اپنی تصویر
اپنے ہی رنگ میں اک لمحہ دکھائی دی تھی
ایک لمحے کے لیے
بن گیا عرصۂ آفاق نشانِ منزل

میں نے دیکھا ہے تجھے اروحِ ابد
ایک تصویر ہے شبرنگ 'مہیب'
درِ معبد پہ لرزاٹھے ہر ایک کے پاؤں
ہاتھ ملتے ہوئے پیشانی تک آئے دونوں
خوف سے ایک ہوئے
میں تجھے جان گیا روحِ ابد
تو تصور کی تمازت کے سوا کچھ بھی نہیں
(چشمِ ظاہر کے لیے خوف کا سنگیں مرقد)
اور مرے دل کی حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
اور مرے دل میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں؟

؎ تین رنگ

درشن

پربت کو اک نیلا بھید بنایا کس نے؟ دوری نے
چاند ستاروں سے دل کو بھرمایا کس نے؟ دوری نے
نئی، اچھوتی، انجانی لہروں کا ساگر نیارا ہے
دور کہیں بستی سے بن میں سُونا مندر پیارا ہے
قدم قدم پر جیون میں دوری نے روپ نکھارا ہے
تب تک ناؤ سہائے دل کو جب تک دور کنارا ہے
دور ہی رہ کے دُھن بھی امر ہے چاہے جو ڈھب ہو جیون کا
سُکھ دُکھ دونوں ہوا کے جھونکے کوئی سبب ہو جیون کا۔

پھر بھی مُورکھ بن کر دُنیا پل پل چھِن چھِن بے کل ہے
کوئی پجاری گیانی ہے اور کوئی پجاری پاگل ہے

دور جو ہے وہ رہے دور ہی پاس بلانا ٹھیک نہیں
آپ قدم آگے لے جا کر اس کو مٹانا ٹھیک نہیں
یہی غنیمت ہے دُنیا میں بجلی جب لہرتی ہے
آپ تڑپتی ہے اور دیکھنے والے کو تڑپاتی ہے

لیکن پل کو دکھائی دے کر نظروں سے چھپ جاتی ہے
جیسے کوئی ڈھلکے آنچل کو اُٹھاتی ہے، شرماتی ہے
بیری گھونگٹ گھبراہٹ میں چہرے پر لے آتی ہے
دور جو ہے وہ رہے دور ہی دل کو یہ بھید بجھاتی ہے

ہاتھ بڑھانا ٹھیک نہیں یہ جیون لاج کا منڈل ہے
کوئی پریمی گیانی ہے اور کوئی پریمی پاگل ہے

سورج چاند ستارے سارے اپنا روپ دکھاتے ہیں
دُھن کی ڈوری جھولتی رہتی ہے، یہ بڑھتے جاتے ہیں
دل پر جادو کرتے ہیں پیاسی آنکھوں میں سماتے ہیں
پل کے پل رہتے ہیں سارے پل بیتے تو جاتے ہیں
دھرتی کی پھلواری میں جب من بھاتی رُت آتی ہے
آنکھ میں، دل میں کر کے اُجالا اُلٹے پاؤں جاتی ہے
پاس اور دور کا بھید انوکھا دور کی جھلک سہانی ہے
ہاتھ بڑھائے من کی موج تو پل میں ختم کہانی ہے

یہ جگ موہ کی بھول بھلیاں من کا بالک چنچل ہے
کوئی پجاری گیانی ہے اور کوئی پجاری پاگل ہے*

* تین رنگ

دُور کنارا

پھیلی دھرتی کے سینے پہ جنگل بھی ہیں لہلہاتے ہوئے،
اور دریا بھی ہیں دور جاتے ہوئے
اور پربت بھی ہیں اپنی چپ میں مگن
اور ساگر بھی ہیں جوش کھاتے ہوئے،
ان پہ چھایا ہوا نیلا آکاش ہے
نیلے آکاش میں نور لاتے ہوئے دن کو سورج بھی ہے
شام جانے پہ ہے چاند سے سامنا
رات آنے پہ ننھے ستارے بھی ہیں جھلملاتے ہوئے
اور کچھ بھی نہیں
اب تک آئی نہ آیندہ تو آئے گی، بس یہی بات ہے
اور کچھ بھی نہیں۔

ایک تو ایک میں دُور ہی دُور ہیں
آج تک دور ہی دور ہر بات ہوتی رہی
دور ہی دور جیون گزر جائے گا، اور کچھ بھی نہیں

لہر سے لہر ٹکرائے کیسے، کہو؟
اور ساحل سے چھو جائے کیسے، کہو؟
لہر کو لہر سے دور کرتی ہوئی بیچ میں سیکڑوں اور لہریں بھی ہیں
اور کچھ بھی نہیں
چھائی مستی جو دل پر مرے بھول کی
ایک ہی بات رہ رہ کے کہتا رہا
ایک ہی دھیان کے درد میں دل کو لذت ملی
آرزو کی کلی کب کھلی؟
ایک ہی موج پر میں تو بہتا رہا
اب تلک آئی نہ آیندہ تو آئے گی
چاہے دھرتی کے سینے پہ جنگل نہ ہوں
چاہے پربت نہ ہوں، چاہے دریا نہ ہوں، چاہے ساگر نہ ہوں
نیلے آکاش میں چاند تارے نہ ہوں، کوئی سورج نہ ہو
رات دن ہوں نہ دنیا میں شام و سحر
کوئی پروا نہیں،
ایک ہی دھیان ہے
دور ہی دور جیون گزر جائے گا، اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ے تین رنگ

رقصِ غزالیں

شبانہ محفلِ سرود و رقص میں
گلوئے نرم و میگوں کی گفتگو
وہ چشمِ نیم وا کی مست لرزشیں
وہ سرخ ساغروں کے گرم زمزمے
وہ قصرِ عافیت میں تُندِ ہم نفس کا داخلہ
شکستِ برگِ گُل کی سرد داستاں
وہ دردِ بہجتِ حسیں
وہ دودِ نکہتِ رواں میں دھندلی دھندلی صورتوں کی شرمگیں خموشیاں
وہ منظرِ فتادہ و کشادہ میں حبابِ بحر کا سماں
جنوں کی چُپ، ملول سی روانگی
جوان راحتوں کا ابر چھا گیا
رخِ حسیں پہ سلوٹیں سپاسِ اشتیاق کی
وہ کیفِ مختصر کی آمدِ نہاں!

وہ رزمِ جذبۂ عمل
اڑان طائرانِ ہم نشیں کی اب علاحدہ علاحدہ
وہ دُودِ نکہت رواں ہوا نہاں
رخِ حسیں پہ چھائیں تند و تیز، سرد تلخیاں
گلوئے بزم کی وہ قصرِ عافیت سے تیرہ تر خموشیاں
وہ چشمِ نیم وا کی شوخ مستیاں رہیں کہاں؟
شکستِ خواب کا سماں
شبانہ محفلِ سرود و رقص ہیں[1]

[1] تین رنگ

ن

سلسلۂ روز و شب

خُدا نے الاؤ جلایا ہوا ہے
اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے
ہر اک سمت اس کے خلا ہی خلا ہے
سمٹتے ہوئے، دل میں وہ سوچتا ہے،
تعجب کہ نورِ ازل مٹ چکا ہے

بہت دُور انسان ٹھٹکا ہوا ہے
اُسے ایک شعلہ نظر آ رہا ہے
مگر اس کے ہر سمت بھی اک خلا ہے

تخیّل نے یوں اس کو دھوکا دیا ہے
ازل ایک پل میں ابد بن گیا ہے

عدم اس تصوّر پہ جھنجھلا رہا ہے
نفس دو نفس کا بہانہ بنا ہے
حقیقت کا آئینہ ٹوٹا ہوا ہے
تو پھر کوئی کہہ دے یہ کیا ہے، وہ کیا ہے؟
خلا ہی خلا ہے، خلا ہی خلا ہے[۳]

[۳] تین رنگ

سمندر کا بُلاوا

یہ سرگوشیاں کہہ رہی ہیں اب آؤ کہ برسوں سے تم کو بلاتے بلاتے مرے
دل پہ گہری تھکن چھا رہی ہے
کبھی ایک پل کو کبھی ایک عرصہ صدائیں سنی ہیں مگر یہ انوکھی ندا آ رہی ہے
بلاتے بلاتے تو کوئی نہ اب تک تھکا ہے نہ آیندہ شاید تھکے گا،
"مرے پیارے بچے"۔ "مجھے تم سے کتنی محبت ہے"۔ "دیکھو، اگر
یوں کیا تو

بُرا مجھ سے بڑھ کر نہ کوئی بھی ہو گا— "خدایا، خدایا!"
کبھی ایک سسکی، کبھی اک تبسم، کبھی صرف تیوری
مگر یہ صدائیں تو آتی رہی ہیں
انھی سے حیاتِ دو روزہ ابد سے ملی ہے

مگر یہ انوکھی ندا جس پہ گہری تھکن چھا رہی ہے
یہ ہر اک صدا کو مٹانے کی دھمکی دِیے جا رہی ہے

اب آنکھوں میں جنبش نہ چہرے پہ کوئی تبسم نہ تیوری
فقط کان سنتے چلے جا رہے ہیں
یہ اک گلستاں ہے ــــــ ہوا لہلہاتی ہے، کلیاں چٹکتی ہیں،
غنچے چٹکتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں، کھِل کھِل کے مُرجھا کے
گرتے ہیں، اک فرش مخمل بناتے ہیں جس پر
مری آرزوؤں کی پریاں عجب آن سے یوں رواں ہیں
کہ جیسے گلستاں ہی اک آئینہ ہے،
اسی آئینے سے ہر اک شکل نکھری، سنور کر مٹی اور مٹ ہی گئی پھر نہ ابھری
یہ پربت ہے ــــــ خاموش ساکن،
کبھی کوئی چشمہ اُبلتے ہوئے پوچھتا ہے کہ اس کی چٹانوں کے اُس پار کیا ہے؟
مگر مجھ کو پربت کا دامن ہی کافی ہے، دامن میں وادی ہے، وادی میں ندی
ہے، ندی میں بہتی ہوئی ناؤ ہی آئینہ ہے،
اسی آئینے میں ہر اک شکل نکھری، مگر ایک پل میں جو مٹنے لگی ہے تو
پھر نہ اُبھری

یہ صحرا ہے ــــــ پھیلا ہوا، خشک، بے برگ صحرا
بگولے یہاں تُند بھوتوں کا عکس مجسّم بنے ہیں

مگر میں تو دُور ــــ ایک پیڑوں کے جھرمٹ پہ اپنی نگاہیں جمائے ہوئے ہوں
نہ اب کوئی صحرا، نہ پربت، نہ کوئی گلستاں
اب آنکھوں میں جنبش نہ چہرے پہ کوئی تبسّم نہ تیوری
فقط ایک انوکھی صدا کہہ رہی ہے کہ تم کو بلاتے بلاتے مرے دل پہ
گہری تھکن چھا رہی ہے،
بلاتے بلاتے تو کوئی نہ اب تک تھکا ہے نہ شاید تھکے گا
تو پھر یہ ندا آئینہ ہے، فقط میں تھکا ہوں

نہ صحرا نہ پربت، نہ کوئی گلستاں، فقط اب سمندر بلاتا ہے مجھ کو
کہ ہر شے سمندر سے آئی، سمندر میں جا کر ملے گی۔[1]

[1] تین رنگ

ہندوستانی عورت

یہ کیسی باتیں پوچھتے ہو ؟
اپنا نہیں میرا دھیان کرو
کیوں پوچھے کوئی منہ سے کہے
یہ بات ہے دل کی' دل میں رہے
کوئی بھنورا اُڑ کر آتا ہے
تو پھولوں پر منڈلاتا ہے
رس چوستا ہے اڑ جاتا ہے
کبھی پھول نے اپنی بات کہی؟
سر پر آئی چپ چاپ سہی
ساگر سے بادل آتے ہیں
اور پربت سے ٹکراتے ہیں

اور وادی پر چھا جاتے ہیں
پھر سُکھ کی کرن لہراتی ہے
اور بوند بوند رس جاتی ہے
آواز یہ دُور سے آتی ہے

"وادی میں ندی بہتی ہے"
پر وادی چُپ ہی رہتی ہے
اور پھر میں بھی چُپ رہتا ہوں
اور اپنے دل میں کہتا ہوں
لہروں سے ہے اتنا کام مجھے
وہ بہتی ہیں میں بہتا ہوں

ــ تین رنگ

یعنی.....

میں سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
لیکن اس میں کیا بات کہوں
اک بات میں بھی سو باتیں ہیں
کہیں جیتیں ہیں، کہیں ماتیں ہیں
دل کہتا ہے میں سنتا ہوں
من مانے پھول یوں چنتا ہوں
جب مات ہو مجھ کو چپ نہ رہوں
اور جیت جو ہو تو ذرا نہ کہوں
پل کے پل میں اک نظم لکھوں
لیکن اس میں کیا بات کہوں
جب یوں الجھن بڑھ جاتی ہے
تب دھیان کی دیوی آتی ہے
اکثر تو وہ چپ ہی رہتی ہے
کہتی ہے تو اتنا کہتی ہے

کیوں سوچتے ہو اک نظم لکھو
کیوں اپنے دل کی بات کہو
بہتر تو یہی ہے چُپ ہی رہو

لیکن پھر سوچ یہ آتی ہے
جب ندی بہتی جاتی ہے
اور اپنی اننت کہانی میں
یوں بے دھیانی میں، روانی میں
مانا ہر موڑ پہ مڑتی ہے
پر جی کی کہہ کے گزرتی ہے
سر پر آئی سہہ جاتی ہے
اور منہ آئی کہہ جاتی ہے
دھرتی کے سینے پہ چڑھتی ہے
اور رکے گے ہی آگے بڑھتی ہے
یوں میں بھی دل کی بات کہوں
جی میں آئے تو نظم لکھوں
چاہے اک بات میں سو باتیں
جیتیں لے آئیں یا ماتیں
چاہے کوئی بات بنے نہ بنے
چاہے سُکھ ہوں یا دُکھ اپنے

چاہے کوئی مجھ سے آ کے کہے
کیوں بول اُٹھے کیوں چپ رہے

چاہے میں کہہ کر چپ ہی رہوں
میں سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
لیکن اس میں کیا بات کہوںؔ

ـه تین رنگ

یگانگت

زمانے میں کوئی بُرائی نہیں ہے
فقط اک تسلسل کا جھولا رواں ہے
یہ میں کہہ رہا ہوں
میں کوئی برائی نہیں ہوں، زمانہ نہیں ہوں، تسلسل کا جھولا نہیں ہوں
مجھے کیا خبر کیا برائی میں ہے، کیا زمانے میں ہے، اور پھر میں تو یہ بھی کہوں گا
کہ جو شے اکیلی رہے اس کی منزل فنا ہی فنا ہے،
بُرائی، بھلائی، زمانہ، تسلسل — یہ باتیں بقا کے گھرانے سے آئی ہوئی ہیں
مجھے تو کسی بھی گھرانے سے کوئی تعلق نہیں ہے
میں ہوں ایک، اور میں اکیلا ہوں، ایک اجنبی ہوں،
یہ بستی، یہ جنگل، یہ بہتے ہوئے راستے اور دریا
یہ پربت، اچانک نگاہوں میں آتی ہوئی کوئی اونچی عمارت،

یہ اُجڑے ہوئے مقبرے اور مرگِ مسلسل کی صورت مجاور،
یہ ہنستے ہوئے ننھے بچے، یہ گاڑی سے ٹکرا کے مرتا ہوا ایک اندھا مسافر،
ہوائیں، نباتات اور آسماں پر ادھر سے، اُدھر آتے جاتے ہوئے چند بادل۔

یہ کیا ہیں ؟
یہی تو زمانہ ہے، یہ ایک تسلسل کا جولاں رواں ہے

یہ میں کہہ رہا ہوں
یہ بستی، یہ جنگل، یہ رستے، یہ دریا، یہ پربت، عمارت، مجاور، مسافر،
ہوائیں، نباتات اور آسماں پر ادھر سے اُدھر آتے جاتے ہوئے چند بادل،
یہ سب کچھ، یہ ہر شے مرے ہی گھرانے سے آئی ہوئی ہے،
زمانہ ہوں میں، میرے ہی دم سے ان مٹ تسلسل کا جولاں رواں ہے،
مگر مجھ میں کوئی برائی نہیں ہے
یہ کیسے کہوں میں
کہ مجھ میں فنا اور بقا دونوں آکر ملے ہیں۔

سہ تین رنگ

یہودی

پیچھے پیچھے لاکھ شکاری آگے ایک شکار
دھن گن گیان بھی کام نہ آئے
نام ہری کا جپتا جائے
اپنی سی وہ کیے جائے گا کر لو اتّیا چار

(۲)

کیسی اُلٹی ریت جگت کی کیسا ہے بیوہار
نو کھے یہ دھرتی سے جائے
جن کو ماں ہی جی سے بھلائے
انت سمے ہی بیری کی اب جیت بنے گی ہار

(۳)

دھیان کی دُھن میں مگن رہیں گے بیڑا ہو رم پار
جب جیون کا پھندا ٹوٹے
جب بیری کے جال سے چھوٹے
سامنے دور دھرتی کے دو.ر پہ مکتی کا سنسار

سہ تین رنگ

آبگینے کے اُس پار کی ایک شام

یہ ساغر تو نہیں ہے، اک خذف ریزہ اٹھاتا ہوں
اُٹھا کے پھینکتا ہوں جھیل کے شفاف پانی پر
تو لہروں کے کئی چکر بناتا ہوں،
یہ کس کے ہاتھ نے دن رات کا پردہ اٹھایا ہے
کہ رقاصہ نے جلدی سے گھما کر ساقِ سیمیں کو
نشانِ راہ کا منظر دکھایا ہے، لُبھایا ہے
نگاہِ غیر کو، اپنا بنایا ہے،
اِدھر لانا۔ بطِ مے تیرتی جائے۔ اِدھر لانا۔
بس اب دردِ خیالِ تشنہ بھی باقی نہ رہ جائے،
فراموشی مرے دامن سے کیوں لپٹے؟ وہ قحبہ تو نہیں ہے جس کے آنچل میں
ہزاروں سانس اُلجھ کر رینگتے رہتے ہیں، نادانی میں لہریں بن کے مٹتے ہیں؟
تھکن سے چُور پژمردہ کلائی نیم جاں پھیلی فضا کو تھام لیتی ہے،
مری رگ رگ میں ایسے خون کی بوندیں لرزتی ہیں

16

جو رقاصہ کے ماتھے کا پسینہ ہے
یہ کس کی نرم انگشتِ حنائی نے کنول کو یوں ٹٹولا ہے کہ ہر پتّی لرز اٹھی
کہیں اب تیری یہ آشفتہ تنہائی نہ مٹ جائے
اُٹھو میرے قریب آؤ..... قریب آؤ..... جھجکتے ہو؟
تو پھر کس بات پر ساغر اٹھایا تھا وہ دھمکی تھی؛

تجھے خونِ حیاتِ رفتہ پینا ہے؟
چلو جاؤ، اُسی سوئی ہوئی رقاصہ کو لاؤ جو اپنی سرد آنکھوں سے
اُچھلتے کودتے دل کو تھپکتے ہی سلا دے گرم آہوں میں
مجھے جینا ہے۔ اس نحے کو چٹکی میں تسخیر کریں زمانِ بے کراں کا
شاہد دمساز کر دوں گا

ادھر لانا۔ بطِ مے تیرتی جائے
وہ منظر پھر جھلک اُٹھے جو میرے سامنے آ کر یہ کہتا تھا! تیرا ہر سانس فانی ہے،
ترے رُوئے شگفتہ نے کھلایا میرے گلخن کو
مجھے ایسا جھنجھوڑا جس طرح جھونکا
کسی آزردہ پتّی کو تھپیڑوں سے بہاتا ہی چلا جاتا ہے، رکتا ہی نہیں
بہتا ہے، بہتا ہے، بہاتا ہے
کبھی دیکھی ہیں آتش دان کی چنگاریاں تم نے؟
ہنسی میں گل زدہ رخسار کو سہلا کے ہر انگشت بستی ہے
کسی نازک رسیلے پھل کی پتلی قاش سے میری زباں چھونے لگی
دیکھو۔۔۔۔

سفیدی صاف، سادہ پیرہن کی سوکھے پتوں کو مسلتی ہے:
یونہی لپٹی ہوئی رہیو۔ ذرا میں سوچ لوں اک گھونٹ تیرے
گرم بازو سے
مرے دل کو سبک سر کر سکے گا، یا میں پھر گہرے اندھیرے کے
خلا میں جھولتے ہی جھولتے نمناک آنکھیں بند کر لوں گا؟
یہ صبحِ پیرہن غمّاز ہے اس بات کی:
مت سوچ۔ خاموشی ہی

بہتر ہے:
مگر موجِ کف آلودہ تصور میں در آتی ہے
ادھر لانا ۔۔۔ بطِ مے کے گلوئے گرم کی ہر جنبشِ پیچاں
اسی رقاصہ کے دامن میں گھوم کر
جُھلاتی ہے جواب تک میرے پہلو میں چھپی بیٹھی رہی لیکن
مجھے تم طفلِ ناداں کی طرح کیوں دیکھتے ہو: طفلِ ناداں تو نہیں
ہوں میں، نہ تم ہی طفلِ ناداں ہو ۔۔۔
سمجھتا ہوں: ۔۔۔ بطِ مے قلقلِ مینا کا جب بھی ساتھ
دیتی ہے
تو ساغر اپنی سطحِ صاف پر کچھ بلبلے چھوڑ دیتا ہے:
اور ان میں سے ہر اک ۔ اک طفلِ ناداں ہے
اور ان میں سے ہر اک ۔ رقاصہ کے دامن سے چھوتے ہی
گذشتہ رات کو آواز دیتا ہے
مگر اُن میں سے ہر اک مٹ گیا، میں نے کہا تھا، میں نے پہلے ہی

کہا تھا میں اکیلا ہی اب اس رقاصہ کے دامن کو کھینچوں گا،
اور اُن میں سے ہر اک ۔ اک طفلِ ناداں کی طرح روتا رہے گا
اور اُن میں سے ہر اک ۔ اک راز ہے جس کو اگر کوئی سمجھتا ہے
تو صرف ایک میں ہوں۔
اور اُن میں سے ہر اک ۔ اُکتا کے، رہ رہ کے یہ کہتا ہے
اِدھر لانا ۔ مگر سنتا نہیں کوئی، بطِ مے تیرتی جاتی
ہے رقاصہ
تھکن سے چُور ہو کر پھر مرے آغوش میں آتی ہے، میں بھی
اب سمجھتا ہوں کہ سو جاؤں
سفیدی پیرہن کی دور کر دے اب نہ یوں لپٹی ہوئی رہیو،
مری آزردہ پتّی! میں تجھے یوں نوچ کر گلزار کر دوں گا
کہ ہر خوشہ چمک اُٹھے ۔ بطِ مے تیرتی جائے
بطِ مے تیرتی جائے، میں اندھا تو نہیں ہوں، ہاں
بطِ مے تیرتی جائے؎

؎ تین رنگ۔

نغمۂ محبت

مجھے چاہے نہ چاہے دل تیرا تو مجھ کو چاہ بڑھانے دے
اک پاگل پریمی کو اپنی چاہت کے نغمے گانے دے

تُو رانی پریم کہانی کی چپ چاپ کہانی سنتی جا
یہ پریم کی بانی سُنتی جا پریمی کو گیت سُنانے دے

یہ چاہت میرا جذبہ ہے میرے دل کا میٹھا نغمہ
ان باتوں سے کیا کام تجھے ان باتوں کو کہہ جانے دے

تو دور اکیلی بیٹھی ہے سکھ سندرتا کی مستی میں
میں دور بہا جاتا ہوں پریم کی ندی میں بہہ جانے دے

گر بھولے سے اس جذبے کا تو گیت جوابی گا بیٹھی
یہ جادو سب مٹ جائے گا اس کو جوبن پر آنے دے

ہاں جیت میں کوئی نہیں ہے نشہ یہ بات ہے جیت سے دوری کی
جو راہ رسیلی چلتا ہوں اس رہ پر چلتا جانے دے

پابند نظمیں

رسیلا گیت چاہت کا

ترے قدموں کو چُوموں گا مجھے تُو پاس آنے دے
رسیلا گیت چاہت کا ذرا یہ گیت گانے دے
محبّت آزمایش کی
پریشانی کی، کاہش کی
جو ان لمحوں میں ساتھی ہے اسے آرام پانے دے
کہانی نغمۂ جاں کی
کہانی دردِ پنہاں کی
ترے اور میرے ہونٹوں سے مجھے سُننے سنانے دے
جوانی رائیگاں بیتی
نہیں لیکن کہاں بیتی؟
جو ان سپنے مچلتے ہیں انھیں منظر پہ آنے دے
یہ آنسو دردِ پنہاں کے
یہ آنسو ہیں رگِ جاں کے

یونہی بہتے ہیں، پیراہن پہ تُو اپنے بہ نے دے

ہزاروں دوریاں میری

کئی مجبوریاں میری

یہ بندھن توڑ لینے دے، مجھے تو پاس آنے دے

یہ نغمہ اپنی الجھن میں

کہیں یونہی نہ بکھر جائے

یہ تنہائی کی وادی میں

نہ یوں خاموش ہو جائے

کسی شب کو اسے تو اپنے پہلو میں سنانے دے

غبارِ حسن کا جادو

ابھی مٹ جائے گا میرا

یہ جذبہ مختصر سا ہے

نہ پھر سے آئے گا میرا

یہ فانی ہے، تو اس جذبے کو لافانی بنانے دےؔ

ؔ پابند نظیں

اور کئی سُندر پریاں

اور کئی سندر پریاں میرے سپنوں میں آتی ہیں
یادیں تجھے کیوں رات کو میری خلوت میں نہیں لاتی ہیں

میرے سپنے تجھ سے، تیرے خیالوں سے کیوں خالی ہیں؟
اَن دیکھے، اَن جانے چہرے دل کے باغ کے والی ہیں!

رات کے پاکیزہ لمحے ہیں ہم دونوں میں دوری ہے
اوروں سے دل بہلاتا ہوں یہ کیف مجبوری ہے

تیرے صاف سُہانے ستھرے انگ کی خلوت میری ہے
تیرے پریم کی گہری، خوں کھولاتی راحت میری ہے

پھر کیوں تجھ سے دُوری تیرے سپنوں سے بھی دوری ہے؟
اوروں سے دل بہلانا پڑتا ہے ـــــ یہ مجبوری ہے

اَن جانے اَن دیکھے چہرے کیوں سپنوں میں آتے ہیں؟
تیرے پریم کے جھونکے ایسی خوشبوئیں بک[illegible]تے ہیں؟

رات کے صاف سُہانے ستھرے سپنوں میں آجاؤ تم
میر دل بہلانے ایسے لمحوں میں آجاؤ تمؔ!

ــہ پابند نظمیں

دُکھ کے بادل

دکھ کے دُھندلے بادل چھائے
اور گھنگھور گھٹا کے سائے

آئی اُبلتی اور اٹھلاتی بیرن، زہری رات
دُکھ کے بوجھل بھید سجھاتی تیکھی، چبھتی رات

آس نہیں ہے میرے من میں
پیتم ہے اپنے آنگن میں

سُکھ سپنوں کے دھیان کا مالی من بھی اپنے آپ
رو رو کر، آنکھوں کو کھو کر بیٹھا ہے چپ چاپ

جیون ہے اِک سُوکھا سپنا
کوئی نہیں ہے جگ میں اپنا

کوئی نہیں ہے ساتھی میرا کوئی نہیں ہے ساتھ
دل کو دکھ میں دے جو سہارا پریم سے تھامے ہاتھ

تن من وار دیا، نادانی،
بن جا ہر بندھن کا گیانی،

رات سپن میں سوئے سوئے آیا ہے سندیس
مُکتی مجھ کو مل جائے گی چھوڑوں اپنا دیس*

* پابند نظمیں

آشا اور آنسو

پیارے لمحے آئیں گے اور مجبوری مٹ جائے گی
ہم دونوں مل جائیں گے اور سب دوری مٹ جائے گی
ہر دم بہنے والی آنکھوں کی مالا بھی ٹوٹے گی
تیری میری ہستی اس بیری بندھن سے چھوٹے گی

لیکن یہ سب باتیں ہیں اپنے جی کے بہلانے کی
دکھ کی رات میں دھیرے دھیرے دل کا درد مٹانے کی
روتے روتے ہنستے ہنستے، رُکتے رُکتے گانے کی

سُکھ کا سپنا سُوکھا ہے اور سُوکھا ہی رہ جائے گا
سُونی سیج پہ پریم کہانی پریمی یوں کہہ جائے گا
ہوتے ہوتے سارا جیون آنکھوں سے بہ جائے گا ؎

؎ پابند نظیں

خمیازہ

تم نے تحریک مجھے دی تھی کہ جاؤ دیکھو
چاند تاروں سے پرے اور دُنیائیں ہیں
تم نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ خبر لے آؤ
میرے دل میں وہیں جانے کی تمنائیں ہیں

اور میں چل ہی دیا غور کیا کب اس پر
کتنا محدود ہے انسان کی قوّت کا طلسم
بس یہی جی کو خیال آیا تمہیں خوش کردوں
یہ نہ سوچا کہ یوں مٹ جائے گا راحت کا طلسم

اور اب ہمدمیٔ عشرتِ رفتہ کیسے
آہ اب دُوری ہے دُوری ہے، فقط ہے دُوری
تم کہیں، اور میں کہیں اب نہیں پہلی حالت
لوٹ کے آ بھی نہیں سکتا یہ ہے مجبوری

مری قسمت کہ جدائی تمہیں منظور ہوئی
مری قسمت کہ پسند آئیں نہ میری باتیں
اب نہیں جلوہ گہِ خلوتِ شب، افسانے
اب تو بس تیرہ و تاریک ہیں اپنی راتیں؎

؎ پابند نظم

ارتقاء

پہلے خیال تھا ترا ایک نگاہِ شرمگیں
سلسلہ اشتیاق کا اب مجھے چھوڑتا نہیں

چشمۂ روح یک بیک سویا ہوا اُبل پڑا
رشتۂ اوّلیں سے ہی جذبۂ دل مچل پڑا

عشق خیال و خواب کی ایک انوکھی بات تھی
میٹھے رسیلے نرم سے گیت کی ایک رات تھی

اب تو مگر ہے وہ رواں پیرہنِ دوام میں
اب ہے تمام کائنات تیرے ذرا سے نام میں

میرے تصوّرات سے تیرا مجسمہ بنا
اور وہی مجسمہ شکل میں بے حجاب تھا

زاویۂ نگاہ میں پہلے پہل جب آئی تو
ایک پیامِ شرمگیں اپنے جلو میں لائی تو

اب مجھے چھوڑتا نہیں سلسلہ اشتیاق کا
اور ہمیشہ ہم نفس غم ہے ترے فراق کا

پہلے نگاہ صاف تھی اب تو اُلجھ کے رہ گئی
تیرے حسیں خیال کے سیلِ رواں میں بہہ گئی

پریت کی ریت

"مجھے پریم کی بات سُنا دے سکھی،
اور دل کا بھید بتا دے سکھی
سکھی! ایسی بات سُنا دے اب
جس کے سننے کو ترسیں سب،
بن جس کے جیون خالی ہو
جیسے پھلواری بن مالی ہو!"

"لے، پریم کی بات بتاتی ہوں
اور من کا راگ سُناتی ہوں،
پی دور گئے، پردیس گئے
ہم سے سو سو سندیس گئے
پربات کے کچّے سانوریا
نے آنے کا کب نام لیا؟"

"کیا بات سناؤں من کی میں
دُکھیا ہوں اُسی ساجن کی میں
من موہ لیا اور بھول گیا
دکھ درد دیا اور بھول گیا
اب تھک کے ہار کے بیٹھی ہوں
اس من کو مار کے بیٹھی ہوں
اب من کو آس نہیں کوئی
اور اس کے پاس نہیں کوئی"

○ پابند نظمیں

ایک شکاری، ایک شکار

اپنی گپھا میں جب پہنچا
سورج کا زرّیں چیتا
تاریکی نے دھرتی کی
کالی گھٹا سے چولی سی
تب آکاش کے جنگل میں
اونچے نیلے منڈل میں
آیا جھرمٹ تاروں کا
لشکر لاکھوں سواروں کا
کرنوں کے بھالے لے کر
بادل کے گھوڑے لے کر
آیا چاند شکاری بھی
جگمگ جوت سواری کی
دیکھا کوئل بول اٹھی
"کو۔کو۔جاگیں سب پنچھی!
آئے بیری راتوں کے"
پھندے موہن باتوں کے

پریمی پریتم نے ڈالے
سوتے تھے سونے والے
لیکن اس تنہائی میں
قدرت کی گہرائی میں
جاگ اٹھا وحشی نغمہ
مست منوہر پریمی کا
پریتم بھولا پنچھی تھی
سب دنیا کب دیکھی تھی
جال انوکھا پریمی کا
پھیلا، پل میں پھانس لیا
رات گئی، بیتی، بھولی
پریتم جھولوں میں جھولی
چاند شکاری گھر پہنچا
لیکن پھندا کب ٹوٹا ؎

؎ پابند نظمیں

غزل

کئی ستارے چمک رہے ہیں
لرز لرز کر دمک رہے ہیں
مگر جب آئے گا دن کا چیتا
اور ان ستاروں کا وقت بیتا
تو آسماں کے نکیلے جگنو
بنیں گے پل میں ڈھلکتے آنسو
سحر کے پردے میں جا چھپیں گے
میں اور تو آج ہیں اکٹھے
سُنا رہی تری جوانی
مجھے مرے عشق کی کہانی
مگر ہے اک خوف سا فضا میں
ہے ایک لرزش سی اس ہوا میں
ستارے اب ٹمٹما رہے ہیں
خزاں کے آثار چھا رہے ہیں

مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے

کہ اب ستاروں کا وقت بیتا

بس اب تو آئے گا دن کا چیتا

اب آسماں کے نکیلے جگنو

یہ دشتِ انجم کے پیارے آہُو

سحر کے پردے میں جا چھپیں گے[ہ]

ہ پابند نظمیں

تحریک

دور — اونچے نیلے جنگل میں
کالے کالے بادل آئے
بن میں کالی کوئل بولی
دھرتی پر ہیں کالے سائے
اس کی کالی، رسیلی آنکھیں
اس کے کالے کالے بال
پاس — مرے دل کے منڈل میں
دھیرے دھیرے اٹھیں آہیں
دکھ نے امرت میں بس گھولی
دکھ کی تیکھی، تیز نگاہیں
دکھ کی کالی، رسیلی آنکھیں
دکھ کی ہلکی ہلکی چاپ

دھوکا

میں یہ سمجھا تیری زلفیں سنبل ہیں
نرم رسیلی خوشبو والی
لمبی لمبی کالی کالی
ان میں موہنی ان میں جادو
اور تو اک حیران سا آہو
میں یہ سمجھا تیری زلفیں سنبل ہیں

لیکن آخر دیکھا زہری ناگن ہیں
تیکھی چکتی اور رس والی
لمبی لمبی کالی کالی
ان میں موہنی ان میں جادو
اور میں اک حیران سا آہو
اور کاجل سی زلفیں زہری ناگن ہیں*

* پابند نظمیں

موہ لوبھ کے بندھن بھاری

"موہ لوبھ کے بندھن بھاری، کیسے چھوڑوں دیس؟
دیس دیس میں پھرتا ہوں میں پہنے دُکھ کا بھیس،
موہ لوبھ کے بندھن بھاری کیسے پاؤں چین؟
یونہی بیتا جائے سُوکھا جیون دن اور رین،
موہ لوبھ کے بندھن بھاری کوئی نہیں ہے آس
تن کی پیاس بجھالی کیسے بجھاؤں من کی پیاس؟"

دور ہے ایشور، دُور ہیں سوامی سکھ بھی دور ہی دور
مانگ ہری ہے لیکن مٹتا جائے اب سیندور
موہ لوبھ کے بندھن بھاری ساگر وحشی دیو،
اور میں اس میں چاند کی چھایا، سندر دیوی دیو!
سُوکھی کلیاں پھول بھی سُوکھے سوکھے سارے پات
یونہی بیتی جائے جیون کی اُجیالی رات،
کام دیو کے تیر انوکھے، بپتا ہے انجام!
پھر بھی زباں پر آئے تو آئے ایک ہی پیارا نام

رات کے سائے

دھندلی رات کے دُکھیا سائے
جانے کس پاتال سے آئے
دھیرے دھیرے چلتے جاتے
دل کے درد کے راگ سُناتے
دھرتی کا سینہ سہلاتے
آنکھوں سے ہر شے کو چھپاتے
بوجھل بھید دبائے دل میں
آئے ہستی کی محفل میں
جانے کس پاتال سے آئے
دھندلی رات کے دُکھیا سائے

لیکن ان دُکھوں کے سایوں میں
درد کے کاجل سے راگوں میں
اُجلی اُجلی سُکھ کی کرنیں
مست اور مدھ متوالی لہریں

تنہا اور سونے لمحوں سے
آنسوؤں سے دُکھتی آنکھوں سے
رستہ تکتی ہیں پیتم کا
نُور بڑھے گا چشمِ نم کا

بوجھل دل ہو جائے گا ہلکا
آئے گا جھونکا صبح کے پل کا
جب آئے گا نُور اُجالا
آئے گی نُورانی اُوشا
دل کے غنچے کھل جائیں گے
پریمی پریتم مل جائیں گے[1]

[1] پابند نظمیں

گھنا گرم جادو

گھنا گرم جادو کسی رات کا
میرے دل کی رگ رگ میں ساری ہوا
ترا پیراہن جسم سے ہٹ گیا
تُو رادھا بنی میں بہاری بنا
مگر رات کا خواب جب کھو گیا
تو آئیں نظر ہیں کئی گوپیاں
ترا چاند نظروں سے اوجھل ہوا
ستاروں کی دھارا تھی ہر سُو رواں
گرفتار تھا حسن کے جال میں
تھرکتا تھا لذّت سے ہر تار میں
حیا مست و بے خود تھی مدہوش تھی
تھے بیباک دونوں شکاری شکار
تصوّر ترا داستانِ کہن
بنا — عکس بھولی ہوئی بات کا
بہا کر مرے دل کو روپوش تھا
گھنا گرم جادو نئی رات کا

بے پابند نظمیں

بھول

راگ رنگ کے میلوں والی
مست منوہر کھیلوں والی
بیلوں والی پھولوں والی
گیتوں والی جھولوں والی
بستی سونی ہے اب من کی
دُھن ہے اس میں من موہن کی
آنکھیں سَمت اٹھیں آنگن کی
رُت ہے برکھا کی ساون کی
لیکن برہا ساتھی میری
کالی کالی رات اندھیری
راہیں کب تک دیکھوں تیری
او اپنی پیتم کے بیری[۱]

[۱] پابند نظمیں

استفسار

یوں ملاقاتوں میں تلخی کس لیے لاتی ہو تم؟
آنسوؤں کی مجھ سے طالب ہو تو کیوں آتی ہو تم؟

وہ جو آغازِ تعلق میں کہی تھی ایک بات
رفتہ رفتہ اب اُسے کیوں بھولتی جاتی ہو تم؟

رات کو حق مسرت سونپ دیتی ہو مجھے
اور دن کو اجنبی بن کر چلی جاتی ہو تم

میری منسوب محبت ہو کے تاریکی میں، پھر
دن کے سیمیں نور میں اوروں کی بن جاتی ہو تم

بن کے ہمدم رات کے دلکش گناہوں میں مری
دن کو تجدیدِ ریاکاری میں کھو جاتی ہو تم

گر نہیں منظور یکسانی تعلق کی تمہیں
رونق افزائے شبانہ بن کے کیوں آتی ہو تم؟

ــہ پابند نظمیں

بچیاں

(ایک باغ میں)

ننھی مُنّی پریاں جیسی
رقصاں رقصاں چلتی پھرتی
کھیل کھیل میں ہنستی جاتی
ہنستے ہنستے کھیلتی جاتی
کلیاں! کلیاں! ڈالی! ڈالی!
میٹھی پیاری، بھولی بھالی
گیت ہمیشہ گاؤں اُن کے
ننھے ننھے پاؤں ان کے
دوڑتے دوڑتے رُکتی جاتی
گرتی جاتی اچھلتی جاتی
ان کے تن بادل کے ٹکڑے
پیراہن بادل کے ٹکڑے
باتیں کرتی روٹھتی جاتیں
روٹھ روٹھ کر ہنستی جاتیں
پیاری پیاری بھولی بھالی
ننھی ننھی پریاں جیسی

۵ پابند نظمیں

دو لڑکے اور دو لڑکیاں

(جن میں سے ایک چلا گیا)

ایک دن کے واسطے آیا مسافر اس جگہ
جلد لوٹنا، بس یہی بھایا اُسے، دل ہی تو ہے!

نیند سے آنکھیں تھیں بوجھل یا محبت کا نشہ
اُن سے ظاہر کر رہا تھا کوئی پُر اسرار شے

جو بھی ہونا تھا ہوا، لیکن یہ حسرت ہی رہی
اس کی ہیتم میری ہیتم اور وہ اور میں کہیں

دیکھ لیں اک بار راحت کی رسیلی چاندنی
اور جواں مے گزاریں بن کے کچھ دن ہم نشیں

— پابند نظمیں

صدا بصحرا

"مجھے لا کے شہرِ بقا سے کیوں" یہاں چھوڑ رکھا ہے تُو نے یُوں؟
مرے دل میں سلسلۂ جنوں، ہیں یہ حال جا کے کِسے کہوں؟

یہ دل عوں و یہ چشم نم ہُوں فراق میں ترے سر بہ خم
مجھے ہر نفس سے پیامِ غم، یونہی عمر گھٹتی ہے دم بہ دم

نہ تو راحتیں ہیں نہ ہمنشیں، نہ وہ ہم نفس ہے مرے قریں
جسے دیکھ کر یہ دلِ حزیں، ذرا چین پائے کبھی کہیں!

مگر آہ حالِ زبوں مرا یہی کہہ رہا ہے " جنوں ترا ! "
ترا عشق ہے، نہ فسوں ترا کیے جا رہا ہے یہ خوں مرا!

مجھے مل سکا نہ کبھی سکوں مرے دل میں سلسلۂ جنوں
مجھے لا کے شہرِ بقا سے کیوں یہاں چھوڑ رکھا ہے تُو نے یوں؟ ؎

؎ پابند نظمیں

لمحے

ٹکڑے وقت کی چادر کے — شعلے قلبِ مضطر کے
جھونکے بادِ صرصر کے — قطرے ایک سمندر کے
بے پایاں وسعت کے راز — کیسی راحت لاتے ہیں
لافانی نغموں کے ساز — کیسی اذیّت لاتے ہیں
رنگ برنگے، متوالے — آنے اور جانے والے
موتی وقت کے دریا کے — یا ہیں ذرّے صحرا کے؟
ہر دن ہر دم ہر لمحے — گیت ہیں یہ گاتے جاتے
کیسے کیسے جذبوں سے — رہتے ہیں لپٹے لپٹے
ٹکڑے وقت کی چادر کے — جھونکے بادِ صرصر کے؟
ہر شے سے ہیں بے پروا — بن بستی ہر جا تنہا!
آتے ہیں اور جاتے ہیں — رنگ انوکھے لاتے ہیں
اور یوں قسمت کا لکھا — پورا کرتے جاتے ہیں

شعلے قلبِ مضطر کے
قطرے ایک سمندر کے؎

؎ پابند نظمیں

نہر پر

یہ پانی بہتا جاتا ہے
کیا باتیں کہتا جاتا ہے
اک گیت سناتا جاتا ہے
اک ناچ دکھاتا جاتا ہے
پانی کی نغمہ خوانی میں
اور ہلکی ہلکی روانی میں
اک عریاں جذبہ پنہاں ہے

اور سامنے صاف کنارے پر
بوسے دیتی، آزادانہ
پیڑوں کی لچکتی شاخوں سے
چھوتی ہے ہوا بے باکانہ
ان نرم لچکتی شاخوں میں
بے باک ہوا کے بوسوں میں
اک عریاں جذبہ پنہاں ہے

بہتے پانی کی روانی سے
کچھ نرم حباب ابھرتے ہیں
اور اک پل میں کھو جاتے ہیں

بے باک ہوا کے جھونکے سے
شاخوں کے پتّے مچلتے ہیں
اور پھر ساکن ہو جاتے ہیں
پر یہ سب سادہ سے منظر
یہ کیسی یاد دلاتے ہیں
یہ میری نگاہوں میں آکر
کس رنگ کے نغمے گاتے ہیں
میں یوں تنہا بیٹھے بیٹھے
کچھ یادوں میں ڈوبے ڈوبے
افکار کو تیز بناتا ہوں
اور دل میں سوچتا جاتا ہوں
دو جنسیں کیوں پیدا کی ہیں؟

سہ پابند نظمیں

مُکتی

تین زمانوں کے رستوں پر ہم دونوں چلتے تھے
پربت پر اور میدانوں پر ہم دونوں چلتے تھے
پربت جن کے سینے میں ندی دریا رہتے تھے
میدان جس کے سینے پر ندی دریا بہتے تھے
تم تھیں جیسے کومل کلیاں تم تھیں جیسے شیاما
اور تمہارے سر کے بال تھے اک موسم ساون کا
تم نے پوچھا "جیون کے پیچھے بھی جیون ہوگا"
"جب ہم دونوں طے کریں گے اپنا اپنا رستا؟"
میں بولا "مستقبل کی کیوں فکر ستائے ہم کو؟
بس اتنا کافی ہے تم ہو، میں ہوں، میں ہوں، تم ہو!
جبکہ فقط جینا ہے مقصد چاہت کی منزل کا
پریم ہو جیون، جیون پریم ہو، پریم ہمارے دل کا"

شکست کی آواز

اُمنگوں نے مرے دل کو عجب الجھن میں ڈالا ہے
سمجھتا ہے کہ جو بھی کام ہے وہ کرنے والا ہے

یہ کہتا ہے نئے رستے دکھاؤں میں سواروں کو
یہ کہتا ہے کہ لے آؤں فلک سے ماہ پاروں کو

یہ کہتا ہے کہ صحراؤں کی دوری طے کروں پل میں
حقیقت میں، یہ احساسِ شعوری طے کروں پل میں

جہانِ نو کو دیکھ آؤں جو ہے قلبِ سمندر میں
بیابانِ سنگ پاروں منجمد ہے کوہ کے سر میں

یہ کہتا ہے کہ ساری کائنات اک ذرہ بن جائے
جو ہے لاانتہا وقفہ وہ بس اک لمحہ بن جائے

مگر اونچے ارادے ہیں تو کیا، اُونچے ارادوں کو
سمجھنے کا نہیں احساس حاصل سیدھے سادوں کو

جہاں میں سیدھے سادے آدمی کثرت سے بستے ہیں
ہے محدود اُن کی ہمت اور محدود ان کے رستے ہیں

تمدن اور تہذیبوں نے پھندا ان پہ ڈالا ہے
وہ کہتے ہیں کہ ہونا ہے وہی جو ہونے والا ہے
بدل کر کیا کریں گے ہم طریقے آج قدرت کے
ہمارے دامنوں پر ہاتھ کل ہوں گے مشیّت کے
بہت ہی پست ہیں ذہنیتیں ابنائے عالم کی
یہ اک نقطے پہ قائم ہیں انھیں عادت نہیں رم کی
انھیں تسکین ہے پہلی لکیروں کی فقیری میں
یہ کھوئے ہیں تمنا کی ضعیفی اور پیری میں
میں ان کو دیکھتا ہوں دل پہ ہوتا ہے اثر ان کا
میں اک مظلوم ہوں ماحول کے اس جذبِ ساکن کا
مگر ہاں باوجود اس کے مرے دل میں جو الا ہے
امنگوں نے مری ہستی کو اک الجھن میں ڈالا ہے[۵]

۵ پابند نظمیں

ہمدرد

الجھنوں سے کیوں ترا نادان دل گھبرا گیا؟
زندگی میں الجھنیں دلچسپیاں لائیں تمام
پیشتر تھا عمر کا پھل سادہ سادہ اور خام
الجھنوں سے پختگی کا رنگ اس میں آ گیا

دور افق پر شام سے پہلے تھا منظر سادہ کار
رات کے آنے سے پہلے آیا رنگوں کا جلوس
سادگی بے خود ہوئی پہنی عبائے زرنگار
دل کش و دلچسپ اور رنگین نغموں کا جلوس
الجھنیں پہلو میں لے آیا افق پر چھا گیا
الجھنوں سے کیوں ترا ناکام دل گھبرا گیا
تیرے دل کا جذبۂ عشقِ نسائی جاگ اٹھا
اور جواں گہرائیوں سے مست میٹھا راگ اٹھا

تیری ہر حرکت پہ ہر لرزش پہ دل کی چھا گیا
الجھنوں سے کیوں ترا نادان دل گھبرا گیا؟

ہاں یہ تیرے دل کا جذبہ رفتہ رفتہ پھیل کر
بنتا جائے گا ہر اک لمحے میں بڑھ کر پُر اثر

دیکھ تیرے دل کا جذبہ بحرِ استقبال میں
کائناتی وسعتوں کے روئے تر پر چھا گیا

کس لیے کھویا ہے تو افسردگی کے جال میں
الجھنوں سے کیوں ترا نادان دل گھبرا گیا؟

؎ پابند نظمیں

مضطرب

کوہ سے زریں اذیت کے گزر جانے کے بعد
سرخ نغمہ شام کا بن کر بکھر جانے کے بعد
ہاں پس از فریاد و قلبِ دہر کی لرزش کے بعد
دن کی نم آلود، زرد و لالہ گوں کاہش کے بعد
تیرگی سے داغ دل سے کس طرح دھوؤں گا میں
جاگتے ہی جاگتے پھر صبح تک روؤں گا میں

ہاں، وہی میں دن کو جس کی آنکھ تھی اور آفتاب
ہاں، وہی میں جس نے دیکھا دہر لبریزِ حیات
ذہنِ انسانی مرا کہتا ہے کھا کر پیچ و تاب
دیکھ لے! حسنِ مناظر کو نہیں حاصل ثبات

قلب مے خانے کی ہائے و ہو کا عادی ہے مرا
کچھ تعلق ہی نہیں مجھ کو سکونِ سنگ سے
مجھ کو خوش آتی نہیں ہے امن کی شب خوں فضا
روح کو ملتی ہے تسکیں ایک پیہم جنگ سے

تحیّر

اجنبی انجان بستی میں چلے آتے ہیں کیوں
اور اگر آتے ہیں تو وہ لوٹ بھی جاتے ہیں کیوں

کیوں زرِ گل اک کلی بنتا ہے اور کھلتا ہے پھول
پھول کھلتے ہیں اگر کھل کر وہ مرجھاتے ہیں کیوں

ہوتے قیدِ بحر سے آزاد قطرے آب کے
گر کے بادل سے صدف کا بھید بن جاتے ہیں کیوں

آشیاں سے طائرانِ دشت کرتے ہیں سفر
دیکھ کر بستی کو پھر واپس چلے جاتے ہیں کیوں؟

آسماں کی جھیل میں شب کو ستارے اور چاند
عکسِ نورِ سرد دکھلاتے ہیں چھپ جاتے ہیں کیوں
آنے اور جانے کی اک حرکت مسلسل کس لیے
چھائی ہے اور ہم یونہی بہتے چلے جاتے ہیں کیوں؟

آ گئے آ گئے زمانے میں

آ گئے آ گئے زمانے میں
خواب وحشت کے جنگجو رقاص!
اب کہاں دل کے آشیانے میں
عہدِ رفتہ کے طائرِ اخلاص؟

دیکھو دیکھو، جلوسِ وحشی میں
اسپِ تازی کی سو قطاریں ہیں
اور سواروں کے دستِ خونی میں
تیغِ زہری ہے اور کٹاریں ہیں

رفتہ رفتہ قدم بڑھاتے ہیں
کچلی جاتی ہے راہ میں ہر شے
ایک آندھی سے چھائے جاتے ہیں
کھوئی جاتی ہے آہ میں ہر شے

دیکھو، ہر اک سوار وحشی ہے
رحم آتا نہیں کسی دل کو!
بے بسی ہے مری، میں ہوں پیاسے
ایک ذرہ ہوں ذہنِ قاتل کو ؎

؎ پابند نظمیں

رُوحِ انساں کے اندیشے

خیال موت کے مجھ کو ستا رہے ہیں کیوں؟
یہ سائے تیرہ و تاریک آ رہے ہیں کیوں؟
اور عقل و ہوش کو بے خود بنا رہے ہیں کیوں؟
کہ زندگی کا ابھی ہو نہیں چکا آغاز

ابھی ہزاروں برس اور آنے والے ہیں
مرے عروج و تنزّل کو لانے والے ہیں
مجھے عجیب زمانے دکھانے والے ہیں
مجھے دکھائیں گے لا انتہا زمین کے راز

ابھی تو شامِ غمِ عشق ہے، سحر ہوگی
ابھی تو شاخِ تفکّر بھی بارور ہوگی
ابھی خیال کی وسعت کشادہ تر ہوگی
کہ لاکھوں نغمے ہے دل میں لیے فضا کا ساز

یہ پست ہمّت و دُردانہ رنگ کیسے ہیں؟
یہ قلبِ کوہ میں گہرے سرنگ کیسے ہیں؟
یہ بحرِ فکر میں وحشی نہنگ کیسے ہیں؟
ابھی نہیں ہوئی پوری مری مہیب نماز

یہ کیسی وسعتِ کونین میں بھی تنہائی؟
تھا اس کا شور کہ بے باک زلزلہ آرائی؟
یوں دیدِ فکر میں یہ عاجزی کہاں سے آئی؟
کہ سست رو ہے یہ بے چین دہر گرد جہاز؎

؎ پابند نظمیں

الم پرست

غم سے کیا ڈرنا، کیوں ڈرنا ؟
کیوں مرنے سے پہلے مرنا؟
غم اس اصلیت کی نشانی
بدلے گی اب روح نہانی
اب ایسی حالت آئے گی
لاکھوں خوشیوں کو لائے گی
لائے گی تسکین، تسلی
کھو جائے گی اذیت غم کی
غم سے کیا ڈرنا کیوں ڈرنا ؟
کیوں مرنے سے پہلے مرنا؟
غم آثارِ حیاتِ خفتہ
غم آثارِ حیاتِ تازہ
غم احساس کی تبدیلی کا
مست بنانے والا نغمہ

غم سے دور ہوئی گمنامی
غم سے حاصل عمرِ دوامی
غم سے کام ہوئے سب ایسے
بن گئے انساں بھی رب جیسے

کیوں مرنے سے پہلے مرنا؟
غم سے کیا ڈرنا، کیوں ڈرنا؟

ــــ پابند نظمیں

زندگی

جب نیندوں سے جاگیں گے
اور سپنوں کو تیاگیں گے
تب کیسی حالت ہوگی
بپتا یا راحت ہوگی
اس کی فکر نہیں مجھ کو
جو بھی ہے وہ ہیں مجھ کو
ہست دکھائی دیتا ہے
میں نے بس یہ سمجھا ہے
جیون سندر سپنا ہے
دو پل کو یہ اپنا ہے
اس کے بندھن کیوں توڑوں
ممکن ہو گر یوں، توڑوں
لیکن توڑ نہیں سکتا
بندھن توڑ نہیں سکتا

اس جیون کے سپنے کے
اس مالا کے جپنے کے
لمحے جب کھو جائیں گے
ہم پھر کیا ہو جائیں گے
اس کی فکر نہیں مجھ کو
جو بھی ہے وہ ہیں مجھ کو
ہست دکھائی دیتا ہے
باقی جو ہے سپنا ہے

---

۵ پابند نظمیں

اُمّید

شگوفہ ہائے زندگی کے برگ تھے کھلے ہوئے
مگر وہ حسنِ بوئے گل فسردہ ہو کے چل دیا
بکھر کے پتیاں گریں گل و گیاہ مل گئے
خزاں کے ہاتھ نے انھیں مسل دیا مسل دیا
وہ بوئے گل کا سُرمگیں خمار اب نہ تھا کہیں
وہ نور، وہ شعاع وہ شرار اب نہ تھا کہیں
مگر اکیلی اک کرن تھی مہر شوخ و گرم کی
سمٹ کے چھپ گئی فسردہ شاخسار کے تلے
وہی کرن خزاں کے دور میں برنگِ نو بڑھی
شکستہ قلب میں اسی سے جذبہ ہائے نو پلے
اسی سے ہمتیں بڑھیں اسی سے نور آگیا
نئی حیاتِ گرم کا نیا شعور آگیا

فضائے تیرہ کو اسی نے سیم تن بنا دیا

اسی کی برقِ آتشیں سے ابرِ غم بکھر گیا

نمودِ نو ہوئی مٹی ہوئی حیاتِ گرم کی

چمن پھر ایک بار پہلے رنگ سے سنور گیا

شگوفہ ہائے زندگی میں پھر سے آئی تازگی

یہ جلوہ تھا امید کا، یہ روح تھی امید کی[۵]

۵۔ پابند نظمیں

چکّر

پھرتے پھرتے جنّت کے — یعنی پرانی راحت کے
نغمے میں نے چوری سے — اپنے کانوں سے سن کے
یاد کیے اور بھول گیا

اور یوں نارِ جہنّم کے — تیکھے اور ظالم شعلے
دیکھے میری آنکھوں نے — نقشے ایسے منظر کے
جذبے میرے دل کا

لیکن کرنیں لمحوں کی — (وقت کے لہری نغموں کی)
یوں آئیں بہتی بہتی — ٹوٹی رتّی یادوں کی
اور میں پھر آزاد ہوا

لیکن کچھ عرصے تک تھا — جلوہ یہ آزادی کا
پھر سے لمحوں کا بجرا — ان لہروں کو لے آیا
جن میں درد چمکتا تھا

ایسی ریت ہے دنیا کی — ہر شے گم ہو کر ابھری
ساگر میں پہنچی ندی — بکھری، لیکن پھر چھائی
جیون کی گھنگھور گھٹا

ــ پابند نظمیں

اذیّت زندگی ہے

درد ادھورا نقشہ ہے اس دھرتی پر جیون کا
درد سے موسم آتا ہے ہر ہستی کے ساون کا
ماتھے پر چندن دیکھا آنکھ میں ڈورا انجن کا
ہر سنگار ہے دیباچہ درد کے گہرے مخزن کا
سندرتا تو دیکھتے ہی ملنا مقصد ہے من کا
ملنے کے دکھ اُجیالا پریم کے موہن آنگن کا
جگ سے پہلے لمحوں میں دُکھ کی تان لرزتی تھی
اب تک گونج فضاؤں میں ہلکے ہلکے سسکتی تھی
مستقبل میں دُکھ ہوگا، دُکھ کی منزل تھا ماضی
دُکھ کے بندھن سے پہلے جیون کب تھا، تھی دھرتی
بیتے لمحوں میں جو بھی دیکھا درد کی ہستی تھی
آنے والے لمحوں کی قسمت بھی یوں لکھی تھی

اس دھرتی پر جیون کا درد ادھورا نقشہ ہے
ہر ہستی کے ساون کا موسم درد سے آتا ہے

٭ پابند نظمیں

جستجو

مصوّر! مجھے ایک صورت بنا دے

ہے رقصاں ہواؤں میں رقاص .....
جلو میں لیے سیمگوں، نرم بدلی

مجھے نقشِ رحمت کا نغمہ سنا دے

یہ کیفیتیں دے رہی ہیں جنوں کو
جلاتی ہیں رگ ہائے نازک میں خوں کو

رہائی کا تو مجھ کو رستہ دکھا دے

یہ وحشت، اذیت، یہ سینے کی لرزش
یہ جینے کی بے رحم بے درد کاہش

اسے دور لے جا عدم سے ملا دے

ہوئی مضمحل زندگی کی کہانی
بہاتی لیے جا رہی ہے روانی

سے ایک لمحے کو ساکن بنا دے

مری روح پر چھا چکے ہیں ازل سے
یہ گہرے عدو، یہ سیاہ رنگ پردے
ہٹا کر انھیں اس کا جلوہ دکھا دے

کئی بار میں سن چکا "لن ترانی"
مگر پھر بھی ہے آرزو پر جوانی
دکھا دے دکھا دے، وہ صورت دکھا دے

؂ پابند نظمیں

ترکِ تعلّق

غیر آباد جزیروں میں چلا جاؤں گا
عمر بھر لوٹ کے میں پھر نہ کبھی آؤں گا

شہر میں سانس بھی لینا ہے مجھے اب دوبھر
شہر کی تلخ فضاؤں سے نکل جاؤں گا

دور جا بیٹھوں گا ہنگامۂ شور و شر سے
قلبِ محزوں کو میں تنہائی سے بہلاؤں گا

قعرِ دریا کی حدیں راہ میں حائل ہوں گی
حسرتیں ساکنِ ظلمت کدۂ دل ہوں گی

رسمِ دنیا ہے محبت میں ہو تشنہ کامی
عشق کے خواب غم و درد کے ہیں پیغامی

اس جہاں میں سبھی رسوائی ملی، ناکامی
اس جہاں میں میں رہا خستہ و خوار و عامی

اس جہاں میں نہ کبھی روح کی بہجت دیکھی
اس جہاں میں نہ کبھی راہِ مسرت دیکھی

اس جہاں میں نہ کبھی لوٹ کے میں آؤں گا
غیر آباد جزیروں میں چلا جاؤں گا

ــــ پابند نعیمی

اُس کی آنکھیں، اُس کے بال

سپنوں سے بھری آنکھیں تیری اور کالے بال گھٹاؤں سے
اور ہلکے ہلکے آویزاں پیراہن مست فضاؤں سے

اک حرکت ذہن میں لاتے ہیں اور پھر ساکن کر دیتے ہیں
جو رات رسیلی چھاتی ہے اس رات کو دن کر دیتے ہیں

ہاں ایسی عشوہ گری، مہلک جادو ہی ان کی فطرت ہے
لیکن مہلک جادو سے میرے بے بس دل کو اذیت ہے

نیندوں میں ڈوبی آنکھیں ہی بے چینی پیدا کرتی ہیں
جو تحریکیں دل میں ہوں چھپی ان سب کو ہویدا کرتی ہیں

پھر ہلکے پھلکے آویزاں پیراہن تسکیں لاتے ہیں
آنکھوں سے اُمڈی وحشت کو یہ دور کہیں لے جاتے ہیں

؎ بابند نظمیں

اے لڑکی!

گھر کی چھت پر کھڑے کھڑے تو اپنے بال سکھاتی جا
سورج کی سب کرنوں کو ان بالوں میں الجھاتی جا
پھلواری کی ڈال ڈال کو لچک لچک شرماتی جا

بے خبری کے عالم میں، اس ہلکے ہلکے تبسم میں
بالوں کی لہروں کو سمو دے اپنے میٹھے ترنم میں
لیکن اک دم اک لمحے جب پلٹے اور مجھ کو دیکھے
اپنی چنچل آنکھوں کی وہ دزدیدہ ہلکی خفگی
ایک ہی لمحے رہنے دے اور میرے دل کو بہنے دے

اِن بالوں کی لہروں میں، ہاں ان مستی کی لہروں میں
نظروں کو شرماتی جا اور اپنے بال سکھاتی جا
اے آہوئے بنگالہ کے، ہاں اے جادوئے بنگالہ کے
سورج کی سب کرنوں کو ان بالوں میں الجھاتی جا

لیکن جب اس نے دیکھا تو پھر وہ منظر سپنا تھا
بادلوں میں چندا کی طرح وہ اوجھل تھی، میں تنہا تھا
پھر بھی سو دن سو لمحے ان میری بے بس یادوں کے
اس منظر سے بھیگے ہیں (یہ گونج ہے یا وہ نغمے ہیں؟)

سے پابند نظمیں

تأثر

سینے کے مندر کی چوٹی پر ہیں کبوتر بیٹھے
ہاتھ بڑھانے سے اُڑ جائیں اب ہیں سہمے سہمے
شرم و حیا سے چنچلتا سے مندر جھکے سمٹے
دل مچلے اور نظریں پھسلیں، اُلجھے جائیں جذبے
نخما میداں، دو ٹیلے، ٹیلوں میں امرت دھاری
اور تمناؤں میں جلتے ہونٹ ہیں میرے پیاسے
اندر سبھا کی پریاں بھولی بھولے پورب باسی
دیو نگر کا روپ مری آنکھوں میں جھلکے چمکے
مرمر کے اس کنول پھول کو بھیگی ہوئی مستی میں
ہلکے ہلکے پھر تیزی سے ہاتھ مرا سہلائے
لیکن دور ہی دور سے کیسے ہوتی رہے یہ پوجا
لیکن دور ہی دور سے کیسے تسکیں پائیں جذبے[1]

---

[1] پابند نظمیں

چاند باغ

اچھے چہروں کا طوفان!

رنگ رنگ کی خوشبوؤں کو خوابوں میں لاتا طوفان
جسموں اور لباسوں کی متناسب لہروں کا طوفان
جھکتی جھجکتی، اٹھتی لپکتی چنچل نظروں کا طوفان
اِک انمول، اچھوتی، اچھی، پیاری سندرتا کا دان
دور ہے سب فکر جہاں کے دور ہے سب گن اور گیان

مد میں ڈوبی مستی آئی میٹھی موہن میت

میں بے چارہ بے بس بیٹھا سکھ کا جھولا جھول رہا
چپکا تنہا کھویا کھویا سکھ کا جھولا جھول رہا
سندرتا سے ہو کر اندھا سکھ کا جھولا جھول رہا
رنگ رنگ کے روپ انوکھے چنچل اور بھولے نادان
لیکن جھکتی جھجکتی نظریں میرے دل سے دُور، انجان
دل میں رہ رہ کر کھولے گھائل آشاؤں کا طوفان

میں انسان ہوں میں انسان!

سہ پابند نظمیں

سندباد کی واپسی

وحشی سمندروں کے افسانے سناؤں گا
مشتاق اک جہاں کو سفر کا بناؤں گا

قیدی بنا کے اُن کو زبان و بیان کا
منظر نگاہ سے جو چھپے ہیں دکھاؤں گا

مانا سلامتی ہے کنارے پہ بحر کے
دلچسپ حادثوں کی خبر لب پہ لاؤں گا

جو دل بجھے ہوئے ہیں، فسردہ ہیں ان کو آج
میں جلوہ ہائے موج و گہر سے رجھاؤں گا

چھا جائے سب کی روح پہ اک دامِ جستجو
وہ سحر زا طلسم کا نغمہ سناؤں گا

میں نے سفر کیے ہیں سمندر کے بے شمار
ان کے بیاں سے سب کے دلوں کو لبھاؤں گا

یہ زندگی بھی اک تگ و دو ہے مستقل
ہمدمِ سفر کا عمر کو سب کی بناؤں گا

گوشے میں عافیت کے نہ بیٹھے کبھی کوئی
مسلک مرا یہی ہے ہر اک کو بتاؤں گا

تو آج ہی ارادہ کرو دل میں اپنے تم
ہاں جاؤں گا سفر پہ ضرور اب تو جاؤں گا

سو تجربے ہیں راہِ سفر میں چھپے ہوئے
میں اُن کو اپنی عمر کا حاصل بناؤں گا

طاری ہے اک جمود سا روحِ حیات پر
ہر نقشِ جمود کو یکسر مٹاؤں گا

لیکن عطا ہوں سحر کی خاصیتیں مجھے
مل جائیں لفظ لفظ میں کیفیتیں مجھے

ے پابند نظمیں

چنچل بیٹی شیطاں کی

چنچل بیٹی شیطاں کی　　رات کو میرے پاس آئی
آوارہ اور ہرجائی　　میری اندھی فطرت تھی
میں بھولا دل سے اپنے　　دل کی دیوی کے سپنے
دو لمحوں کی خوشیوں میں　　بھولا اک سُندر بستی
سکھ کے تیکھے لمحوں میں　　بھولا ہستی ایشور کی
لیکن بیٹی شیطاں کی　　آئی، ٹھہری اور چل دی
اس کے جانے پر دل کی　　حالت کیسی تھی۔ ایسی
جیسے سُونا ساگر ہو　　جیسے صحرا ہو برباد
جیسے اجڑا مندر ہو　　یا جیسے کوئی فریاد
دل کی دیوی کے سپنے　　دُور ہوئے دل سے میرے

اور پھر دیوی کب آئی
میرا دل تھا ہرجائی [۵]

[۵] پابند نظمیں

راوی کی ایک رات

سُنو ملاح کا نغمہ
یہ نغمہ شعلۂ لرزاں ہے اک شمع محبت کا
سُنو ملاح کا نغمہ
یہ نغمہ لحنِ شیریں ہے اک پُرکیف خلوت کا
یہ اک دزدیدہ رفتاری سے چھاجاتا ہے لہروں پر
یہ اک مستی کا سیمیں جال پھیلاتا ہے لہروں پر

اسے سُنتی ہیں لہریں اور کشتی کو بہاتی ہیں
جلو میں جھومتی جاتی ہیں خود مستی کے جھونکوں سے
یونہی کشتی کو یہ منظر افق کا جا دکھاتی ہیں
اُترتی ہے وہاں سیّار کشتی نرم جھُولوں سے

مگر ملاّ کی ہمدم ـــ
وہ آئی چھپتی چھپتی شب کی تاریکی میں تختے پر

سُنو ملاح کا نغمہ ــــــ

ہے سحرِ نغمہ سے آنکھوں میں اس کی اور ہی منظر،
وہ اس دم دیکھتا ہے خوابِ رنگیں داستانوں کے،
یہاں بچپن میں جو سُنتا تھا پریوں کے فسانوں کے

افق کے پار اس کو ان کی تعبیریں نظر آئیں
وہیں پہنچے گا، افسانہ حقیقت بن کے نکھرے گا
تمنائیں دلِ بیتاب کی لو! آج بر آئیں
وہیں پہلو میں لے کر اپنی ہمدم کو وہ جائے گا"

ــ پابند نظمیں

جب سب دُنیا سو جاتی ہے

جب سب دنیا سو جاتی ہے میں اپنے گھر سے نکلتا ہوں
بستی سے دُور پہنچتا ہوں، سُونے رستوں پر چلتا ہوں
اور دل میں سوچتا جاتا ہوں کیا کام مرا اس جنگل میں
کیا بات مجھے لے آئی ہے اس خاموشی کے منڈل میں
یہ جنگل یہ منڈل جس میں چپ چاپ کا راجہ رہتا ہے
یہ رستہ بھولے مسافر کے کانوں میں کیا کچھ کہتا ہے
ن: صدیاں بیتیں اس جنگل میں ایک مسافر آیا تھا
ور اپنے ساتھ اک من موہن سندر پریتم کو لایا تھا
اور اندھی جوانی کا جو نشہ ان دونوں کے دل پر چھایا تھا
دونوں ہی ناداں تھے مورکھ دونوں نے دھوکا کھایا تھا
وہ جنگل وہ منڈل جس میں چپ چاپ کا راجہ رہتا ہے
جب اپنی گونگی بولی میں ایسی ہی باتیں کہتا ہے
میرا دل گھبرا جاتا ہے، میں اپنے گھر لوٹ آتا ہوں
سب دنیا نیند میں ہوتی ہے اور پھر میں بھی سو جاتا ہوں

آخری سنگار

سوامی اپنے دیس سدھارے میں برہا کی ماری
لیکن رادھا بھی جائے گی جہاں گئے گردھاری
صندل کی ہے چِتا بنائی، ور پھولوں سے سنواری
سولہ سنگاروں سے سج کر آتی ہے تیری پیاری
یہ ہے پیت کے میٹھے گیت کی درد بھری سنچاری

جیون مل کر ہنستے بولتے عیش مناتے بیتا
لیکن آہی گیا آخر میں خون کا پیاسا چیتا
جو بازی ہم دونوں کھیلے اس کو ہم نے جیتا

لے اب سولہ سنگار سے سج کر آئی رادھے تیری
تُو تو اکیلی چھوڑ چلا تھا او پیتم کے بیری

پہلے برہا کی اگنی میں رکھ ہوئی تھی جل کر
پھر سکھ سیج کی راتیں دیکھیں گود میں تیری مچل کر

لیکن تو نے بات نہ رکھی چھوڑ گیا یوں پیچھے
جیسے ساون رت بھادوں کے نیر کی جھڑیاں چھوٹے

جنم جنم کا ساتھ ہے اپنا بندھے ہوئے دو ساتھی!
لے سولہ سنگار سے سج کر تیری دلہن بھی آتی

سولہ سنگاروں سے سج کر آتی ہے رادھے پیاری
یہ ہے پیت کے میٹھے گیت کی درد بھری سنچاری[٭]

٭ پابند نظمیں

دو نقشے

جنگل سُونا اور سنسان

ہیبت والا، جرأت والا، شوکت والا اک حیوان

ہاتھوں میں آیا ہے شکار

ہر حرکت ہے گویا طاقت کی تلوار

خونیں آنکھیں

وحشی نظریں

کرتی ہیں اس کا اظہار

کوئی نہیں جگ میں بلوان!

منزل سُونا اور سنسان

خلوت والا، رغبت والا، چاہت والا اک انسان

پتلی ڈالی ہے بے خار

ہر حرکت ہے گویا لذت کی جھنکار

ٹھنڈی آہیں

نرم نگاہیں

کرتی ہیں اس کا اظہار

آؤ آؤ اے لودان!

ہ پابند نظمیں

مسافروں کی تلاش

"اور اسے مسافروں کی تلاش رہتی ہے جو اس کی خواہشات
نفسانی اور ضروریات جسمانی کو پورا کر سکیں" "بہزاد"

"بستی بستی پھر کر آئے، آؤ بیٹھو ستا لو
چھاؤں گھنیری، دریں چیری دم بھر دل کو بہلاؤ
دُور دُور کی باتیں دیکھیں، چاندنی راتیں اُجیالی
اور گھٹاؤں والی راتیں، کالی، کاجل سی کالی
ان راتوں کا حال سُنا لو، دکھ سکھ سارے کہہ ڈالو
آؤ دم بھر بیٹھو، آؤ ستاؤ، دل بہلاؤ"

(۲)

"بستی بستی پھرنے والا، میں سیلانی، آوارہ
یہ جگ ہے اک نیلا منڈل میں اس میں اک سیّارہ
منزل کوئی نہیں ہے میری، تو منزل ہے ہر کوئی
میرے دل کے لاکھوں بکھرے موتی ہیں میں ہرجائی

تیرا میرا کام یہی ہے دُکھ سکھ دونوں کہہ ڈالیں
اپنا اپنا جی بہلا لیں اک منزل پر ستالیں"

(۳)

"تم ہو بھنورے پھرنے والے، میں پھلواری قائم ہوں
دو لمحے جیون ہے تمہارا لیکن میں تو دائم ہوں،
کیسے بہانے؟ آؤ چھوڑو، بھُولو سب سچا جھُوٹا"
دیکھو سکھ کا سو صدیوں سے سویا سوتا بھی پھُوٹا
دور ہی دور کھڑے رہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں
تنہا جذبوں میں بہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں"

(۴)

"جنم جنم کی پیت کی باتیں۔ کچے تاگے۔ ٹوٹ گئے
دو دن ہیں اجیالی راتیں، سکھ جاگے دُکھ چھوٹ گئے
مجھ سے پہلے آئے ہوں گے سو بھنورے رس لُوٹ گئے"
اب کیسا وہ روپ خزانہ، چور آئے، بس لُوٹ گئے،
پیمانے کی تلچھٹ ہی میری قسمت میں آئی
مجھ کو بھی کیا اس کی پروا، میں سیلانی۔ ہرجائی

سنچائی

دو روحیں کھیتوں میں تھیں لیکن تھا ان کا اک سایا
مایا ہے سب کچھ مایا ہے، جگ میں ہر شے ہے مایا؎

فرد اور جماعت

کہو اس پردے کے پار ہے کیا؟
مَیں کیسے کہوں، کیا مجکو پتا؟

پر کھیل یہ کتنا پیارا ہے — جو کچھ بچّوں کا سہارا ہے
بچّے گر کھیلیں تو کھیلیں — پر ان کے بڑے کیوں کر کھیلیں

کہو اس پردے کے پار ہے کیا؟
میں کیسے کہوں، کیا مجکو پتا؟

کچھ بچّے کھیلتے جاتے ہیں — اور دوسروں کو ترساتے ہیں
جو لوگ یہ سمجھے جیون ہے — وہ بھول گئے یہ بندھن ہے
کہو ایسے کھیل کا کیا ہوگا — جب اور کا جی ہلکا ہوگا

کہو اس پردے کے پار ہے کیا؟
میں کیسے کہوں، کیا مجھکو پتا؟

سب چھوٹے بڑے کا جال ہے یہ — اور اب تو سب کا حال ہے یہ
جس کو دیکھا اس نے پوچھا — کہو اس پردے کے پار ہے کیا؟

نیا دور کراچی

سوال

یہ سندرتا اتنے دنوں تک کس پردے میں چھپی ہوئی تھی

آج آکاش بنا ہے سُندر، سندر چاند ستارے سندر
سُندر پتے، پھول اور ڈالی اور پھلواری سارے سندر
سُندر پنچھی کے رس والے میٹھے میٹھے پیارے نغمے
آج صدائیں ندی کی ہیں من کو بلکے بھارے نغمے

رات سہانی اور اندھیری، پیتم کے نینوں کا کاجل
اب جیون کے ساتھی ہوں گے دُکھ سیجوں کے موہن منڈل
آج بدل کر رُوپ منوہر دنیا ہے مستی میں ناچی
یہ سندرتا اتنے دنوں تک کس پردے میں چھپی ہوئی تھی

پریم کے میٹھے میٹھے رس والے جذبوں سے چنچل جوبن
تیر نگاہیں، ہونٹ کمانیں اور زلفوں کی زہری ناگن

سانس، کسی خوشبو کی لہریں نرم، اچھوتی، ہلکی ہلکی
سورگ سے آئی بھو کی لہریں گرم سہانی بھینی بھینی
پریم کا پنچھی ڈر سے جھجکتا رُکتا رکتا چھُپتا پھرتا
پریم شکاری بے باکی سے ہنستے ہنستے آگے بڑھتا
سُکھ کی متوالی برساتیں اسب جنموں کے گہرے بندھن
پریمی اور پریتم کی باتیں اِندر سبھا کے سورگ کا آنگن

یہ سُندرتا اتنے دنوں تک کس پردے میں چھپی ہوئی تھی؟

نیا دور کراچی

ایک تصوّر

کئی ستارے چمک رہے ہیں
لرز لرز کر دمک رہے ہیں
مگر جب آئے گا دن کا چیتا
اور ان ستاروں کا وقت بیتا
تو رات کے یہ نکیلے جگنو
بنیں گے پل میں ڈھلکتے آنسو
سحر کے پردے میں جا چھپیں گے

میں اور تو آج ہیں اکٹھے
سُنا رہی ہے تری جوانی
مجھے میرے عشق کی کہانی
مگر ہے اک خوف سا فضا میں

ہے ایک لرزش سی اس ہوا میں
ستارے کیوں ٹمٹما رہے ہیں
خزاں کے آثار چھا رہے ہیں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے
کہ اب ستاروں کا وقت بیتا
بس اب تو آئے گا دن کا چیتا
ستارے، سارے نکیلے جگنو
یہ دشتِ انجم کے پیارے آہو
سحر کے پردے میں جا چھپیں گے

نیا دور، کراچی

پیاس

باغ بھی پھولوں کا پیالا ہے
پتی پتی دیکھ کے جھومے
ڈال ڈال پر بھنورا گھومے
مستی میں ہر پھول کو چومے

اس میں بھی بہتی جوالا ہے
اُجیالے کو دھوکا دے کر
دن بیتے پر شام آئی ہے
رات کے اندھے دل میں لے کر
مستی کا پیغام آئی ہے

رات کا رنگ بہت کالا ہے
جھلمل جھلمل ہر اِک تارا
پل میں ڈوبا رُوپ اُبھارا
دودھیا ندی نُور کا دھارا

اس میں بھی بہتی جوالا ہے
رات بھی پھولوں کا پیالا ہے

رات نے باغ کا روپ بھرا ہے
تارے پھول ہی پھول ہیں سارے
اور گگن کا رنگ ہرا ہے

آنکھ نے دل سے بات کہی ہے
لیکن سب ہے دھیان کا دھوکا
اپنے جی کی جی میں رہی ہے

دُکھ سُکھ دونوں گورکھ دھندا
جانے کہاں چھپے ہیں چندا

نیا دور کراچی

جنگ کا انجام

بہو کہے : یہ بڑھیا میری جان کی لاگو بن کے رہے گی
ساس کہے : گز بھر کی زباں ہے اپنی منہ آئی ہی کہے گی
بہو کہے : جب دیکھو جب ہی خواہی نخواہی بات بڑھانا
ساس پکارے : مرے اللہ ! توبہ بھلی تو ہی بچانا
بہو کہے : اپنا گھر کیسا یاں تو اپنے بھی ہیں پرائے
ساس کہے جل بھُن کے اسے تو راج محل بھی راس نہ آئے
بہو کہے : جس کے ہاتھوں ہے ڈوئی، سی کا سب کوئی ہے
ساس پکارے : جاؤ جی جاؤ پاؤں کی جوتی سر پہ چڑھی ہے
بہو کہے : مجھ جنم جلی کو کس کے پلّے باندھ دیا ہے
ساس کہے : اب کون بتائے آگے جو آیا ہے کس کا کیا ہے
بہو کہے : یہ پوت کی دردی بس جو چلے تو بس ہی کھلا دے
ساس کہے : وہ بات ہے اپنی گالی سنے ور پھر بھی دُعا دے
بہو کہے : اب سر پہ پڑی ہے جیسے بھی ہو گذر جائے گی
ساس کہے : جب دیکھو اس کو دودھ ملیدہ ہی کھائے گی

بہو کہے جی جو آتا تھا ساس کے سامنے بول رہی تھی
ساس بھی لیکن ترکی بہ ترکی بھید، بہو کے کھول رہی تھی
ننھے نے یہ موقع تاڑا جھٹ باورچی خانے پہنچا
دودھ پہ آئی تھی جو ملائی چپکے سے اُس کو کھانے پہنچا
کھا کے جو لوٹا راہ میں اُس نے کالی بلی جاتے پائی
دیکھ کے اس کو ڈر کے مارے زور کی اس نے چیخ لگائی
ایک ہی چیخ نے اس کی پل میں ساس بہو کا جھگڑا چکایا
دوڑی بہو ! مرے لال ہوا کیا ؟ ساس پکاری ہائے خدایا !

نیا دور کراچی

وقت کا راگ

جیون رات اندھیری آئی ہوا سُہانی
دُور کا راگ پہیلی کیسے سمجھائے گیانی
آنکھ نہ جھپکے بالک پل بھر
سُنتا جائے کہانی
جیون رات اندھیری

کوئی کہے ایک تھا راجہ کوئی کہے یک تھی رانی
دُور سے سمے پکارا یہ تو کتھا پُرانی
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری
آؤ کر[illegible] من مانی
جیون رات اندھیری

21 کٹیا محل بنے گی، اب تک کس نے مانی
راکھ سے لاکھ بنائیں جی میں یہی ہے ٹھانی
جانے بھر دے جھولی ہماری

داتا انوکھا دانی

جیون رات اندھیری

پل پل گھومے دھرتی گلے کل جگ بانی
رنگ برنگے جھنڈے سب کی الگ نشانی
ساگر جھومے برکھا لائے

لہریں آنی جانی

جیون رات اندھیری

نیادور کراچی

ایک شام کی کہانی

(۱)

خاموشی میں کھوئی ساری ہانک پکار
ختم ہوئے اب پھیرے پھیرے ختم شکار

بھیل کی بیٹی! رکھ دے اُٹھا کر تیر کمان
ساز اٹھا، کچھ ناچ دِکھا، چل کہنا مان

رات کی گود میں جھولنے دے اب گیتوں کو
اَن مِٹ کر دے اپنے بل سے لمحوں کو

رات آئی ہے چل کر ہلکی ہلکی چال
بوجھے جوبن کے دیپی چنچل کی چال

ٹہنی پتّے دُھندلے سب پربت میدان
بھیل کی بیٹی! رکھ دے اٹھا کر تیر کمان

بادلوں کے جُھرمٹ سے چہروں کا طوفان
جھانک رہا ہے اب گیتوں کے سامان

سُورج راجا سیج پہ زخمی لیٹا ہے
درد سے آہیں بھرتا اور سسکتا ہے

گیت کے جادو سے نکلیں دِل کے ارمان
بھیل کی بیٹی! رکھ دے اٹھا کر تیر کمان

تیری جوانی اور سندرتا ناچ کرے
جوش میں آ کر وحشی اندھا ناچ کرے

دُور پہاڑی پر چُپ بیٹھا ہے سردار
ختم ہوئے اب گھیرے پھیرے ختم شکار!

ہلکے جھونکوں سے اُڑتے ہیں اسکے بال
بھیل کی بیٹی! اڑ کم جھمک چل چنچل چال!

اُس کے مرجھائے دل میں لے آطوفان!
ساز اٹھالے، رکھ دے اب تو تیر کمان!

ندی دھیمے دھیمے سُروں میں گاتی ہے
ان تھک چپکے چپکے بہتی جاتی ہے

آؤ چندا! کاہن نیلے منڈل کے!
جمکو کرشن کنہیا! اونچے جنگل کے

ساتھ ستاروں کی ہر گوپی کو لاؤ!
پھولوں میں کرنوں سے شبنم برساؤ!

بھیل کی بیٹی! کیوں دُکھیا ہے، روتی ہے؟
کیا سندرتا بھی یوں دُکھیا ہوتی ہے؟

آنکھوں میں لالی، گالوں میں گرمی ہے،
آنسو بہتے ہیں، سانسوں میں نرمی ہے،

بکھرے بالوں میں یوں جیسے گھٹا میں چاند
جیسے راتوں کی تاریک فضا میں چاند

آؤ ہواؤ! اِن زلفوں کو لہراؤ
زلفوں میں پنہاں ہیں شانے دکھلاؤ!

ندی ان گالوں کی گرمی دُور کرے
مست مدھر سانسوں کی نرمی دُور کرے

بکھرے بال بنیں ناگن اور بس گھولیں
سندرتا کے بھید اندھیرے میں کھولیں!

(۲)

ایسی باتیں تیر ہیں میرے ہردے کو،
سُکھ کی راتیں تیر ہیں میرے ہردے کو!

میرے پیتم ہی جب میرے پاس نہیں
اور مجکو اُن سے ملنے کی آس نہیں!

یہ باتیں زہری، زباتیں شعلوں کی!
کیسے اُبھریں دل سے تانیں نغموں کی!

میرے پیتم یہ کہہ کر پربت پہ گئے — لاؤں گا میں گھر کے آج شکار نئے؛
پھر ہم دونوں مل کر عیش منائیں گے — کھا پی کر مدیرا سے جی بہلائیں گے؛
جگ میں خوشیاں تیری میری ساتھی ہیں — دیکھ! ایسے خوشیوں کی راتیں آتی ہیں!

کب لوٹے پیتم جنگل سے؟ شام ہوئی — پل پل سال بنے، میں بے آرام ہوئی،
جنگل میں خونخوار درندے رہتے ہیں — اور ناگوں کے جھرمٹ بھی ہیں کہتے ہیں
رکھ لے لاج سہاگن کی میرے بھگوان! — پیتم جلد آجائیں دل میں تھا یہ دھیان

کب لوٹے پیتم جنگل سے؟ میرا کام — اُن کے سپنے اور زباں پر ان کا نام؛
اب تو ساتھی سو صدیوں کی دوری ہے — میل نہیں ہو سکتا ہے، مجبوری ہے،
میری سُکھ میں بیتی راتیں کیا جانو! — تم انجان ہو دل کی باتیں کیا جانو؟

تم پردیسی اس بستی میں آئے ہو، — ریت مگر ہرجائی کی کیوں لائے ہو؟
کرم سُبھاؤ، دھرم کے بندھن بھول گئے — دھرم کی باتیں میرے کارن بھول گئے
سندرتا کی رکھشا جگ کی سیوا ہے — لیکن تم نے اور ہی رستہ دیکھا ہے

(۳)

چنچل اچپل سندر سُکھ کر، اندر پری! — من موہن گیتوں کے جادو کی بنسی!
سیج بچھی ہے، مست پون ہے اور بلوان — بھول پرانی باتیں، آجا کہنا مان!
دل کو بیتی باتوں میں کیوں الجھائیں — عیش کریں، جیون کے سُکھ کا پھل پائیں

دیکھ! ستارے آتے ہیں اور جاتے ہیں
پہلے ستاروں کو وہ دل سے بھلاتے ہیں
دیکھ! بہاریں آتی ہیں اور جاتی ہیں
بیتی بہاروں کو کب دھیان میں لاتی ہیں
دیکھ! جوانی، جیون جیون پھرتی ہے
ہر جیون میں نئے روپ سے گھرتی ہے

(۴)

صدیاں بیتیں ایک ستارا ٹوٹا تھا،
اُس کو دیکھ کے دُکھ سوتا پھوٹا تھا،
صدیاں بیتیں اک ساون مرجھایا تھا
پت جھڑ نے سینے سے اُس کو لگایا تھا
لیکن آہ! جوانی اندھی ناداں ہے
دو لمحوں میں خوش ہے مُورکھ شاداں ہے

اُس تارے کے غم میں آکر جاتے ہیں
تارے آتے ہیں لیکن مُرجھاتے ہیں
اور بہاریں آتی ہیں اور جاتی ہیں
بیتی رُت کے کھوج میں خود کو مٹاتی ہیں
لیکن آہ. جوانی اندھی، شاداں ہے
دو لمحوں میں خوش ہے مُورکھ، ناداں ہے

آخر جاگے گی جب نیند کے سایوں سے
چونک اٹھے گی سُکھ کے اندھے سپنوں سے
اونچی، اونچی، تیکھی تانیں نکلیں گی
دل سے چبھتی، زہری تانیں نکلیں گی
پچھتاوے کے گیتوں میں کھو جائے گی
رو رو کر آخر بیری ہو جائے گی

نیا دور کراچی

تو پاربتی میں شوشنکر

تو پاربتی میں شوشنکر
لیکن یہ پہلے جنم کی ہیں باتیں ساری
اب تو ہے وہی دیوی لیکن صورت بدلی، سیرت بدلی
اور بدلی حالت جیون کی
اور میں ہوں ایک پجاری، بے بس، تنہا، مندر سے باہر
اب تجھ میں روپ نہیں پہلا، اب مجھ میں پریم نہیں پہلا
وہ روپ کہانی تھی، بیتی، وہ پریم فسانہ تھا بھولا
تو اور میں دونوں ایک ہی قوت کے تھے مظاہر اب روپوش ہوئے،
وہ موسم تھے ٹل کر گذرے، وہ نغمے تھے خاموش ہوئے،
اب پہلی بات نہیں باقی
میں متوالا تھا، تو ساقی
تو پاربتی، میں شوشنکر؛
لیکن، افسوس یہ پہلے جنم کی ہیں باتیں ساری
میں شوشنکر تو پاربتی۔

نیا دور، کراچی

اُلجھن کی کہانی

ایک اکہرا، دوسرا دہرا، تیسرا ہے سو تہرا ہے،
ایک اکہرے پر پَل پَل کو دھیان کا خونیں پہرہ ہے
دوسرے دہرے کے رستے میں تیسرا کھیل کا مہرہ ہے
تیسرا تہرہ جو ہے اُس کا سب سے اُجاگر چہرہ ہے
گویا اکہرا پہرا، دہرہ مُہرہ، تہرا چہرہ ہے
ایک اکہرا کاغذ، دُہرا تہرا ہو کر ناؤ بنی
ناؤ سے پَل بھر بچے بہلے کھیل کھیل میں گھاؤ بنی،
گھاؤ بنی تو دل میں دھیان یہ آیا کہہ دیں — آؤ بنی!

بن بن کر جو کھیل بگڑ جاتے ہیں اُن کی بات نہیں،
کوئی جنازہ بھی یہ نہیں ہے اور کوئی بارات نہیں
یہ اک ایسا دن ہے جس کے آگے پیچھے رات نہیں

تیرے کی ہر تہہ میں یوں تو ایک نیا ہی چہرا ہے،
لیکن ہر ایک چہرا اس بن کھیلے کھیل کا مہرہ ہے،
جس کا رنگ اُبھرا ہے۔

آگے بات بڑھائیں کیسے بات بنے تو بات بڑھے
اب تک رنگ ابھرا تھا گر کوئی بڑھا تو ہاتھ بڑھے
ہوئی کی تو ریت یہی ہے چھوٹے دن کی رات بڑھے،
اب تو جو بھی بڑھنا چاہے اپنے ساتھ ہی ساتھ بڑھے،
آگے پیچھے دوڑ دوڑ کر اک آگے اک پیچھے ہے
پیچھے والا کیسے بڑھے جب آگے والا بھی دوڑے؟
دونوں چوٹ برابر کی ہیں یہ دونوں سے کون کہے!
ہار اور جیت اسی میں ہے اب کون رکے اور کون بڑھے۔

نیا دور کراچی

دو نقشے

جنگل سُونا اور سنسان

ہیبت والا، جرأت والا، شوکت والا اِک حیوان
ہاتھ میں آیا ہے شکار
ہر حرکت ہے گویا طاقت کی تلوار
خونیں آنکھیں
وحشی نظریں
کرتی ہیں اس کا اظہار
کوئی نہیں جگ میں بلوان

منڈل سُونا اور سنسان

خلوت والا، رغبت والا، چاہت والا اِک انسان،

پتلی ڈالی ہے بے خار
ہر حرکت ہے گویا الفت کی جھنکار
ٹھنڈی آہیں
نرم نگاہیں
کرتی ہیں اس کا اظہار
آؤ آؤ لے لو دان

نیا دور کراچی

تحلیل کے بعد

نغمۂ نفس کے تسلسل نے
ٹوٹ کر ذہن کو کیا بیدار
اندرونی علامتیں جاگیں
جاگ اُٹھا محشرِ ضمیر مرا!
لذت و کیف، خوابِ رفتہ کے
بن گئے ہمسفیرِ راہِ عدم
میرے جذبات کی ضعیفی نے
رنگ برہم کیا شرابوں کا
اُڑ گیا، اُڑ گیا وہ رنگِ لطیف!
ہمدمِ لطف آتشیں میری
ناگوارِ نظر ہوئی مجکو،
خواب آلودہ. خشک آنکھوں میں

منظر اک آہنی خیال بنا
ہاں یہی ہے یہی کہ جس نے مجھے
دامِ ترغیب کا اسیر کیا
یوں ہوئی جب مری خودی مجروح
ایک ردِ عمل نے جذبے کی
بے مزہ کر دیا محبت کو
اور پھر مضمحل گھٹا چھائی
انکشافِ خودی ہوا روپوش
اس طرح خلوتِ شبانہ کا
اختتام، ایک بوسۂ مبہم
بن کے رہ جائے گا، نہ تھا معلوم

نیا دور کراچی

زندگی ختم ہوئی

زندگی ختم ہوئی
جب تک اس دل میں رہا جوشِ جنوں
تب تک اس دل کو میسر تھی حیات
اب نہیں، آہ نہیں ہے وہ بات
زندگی ختم ہوئی۔
ایک دن تھا کہ محبت تھی مرے دل کے قریب
تازگی ایسی تھی اک پھول تھا دل،
چاندنی رات کا نقشہ تھا تمام
میں تھا اور ساتھ کوئی اور بھی تھا
صحنِ گلشن میں تھا مستانہ خرام
مری ہمدم کا تھا پیکر نغمہ
اور میں خود بھی تھا یکسر نغمہ،

آنکھ بھی نغمہ تھی، منظر نغمہ

کیسے لمحے تھے کہ حاصل مجھے گویائی تھی

لیکن احساس کو حاصل نہیں اب گویائی

کیوں چلی بادِ فنا؟

مٹ گیا عشق کا پہلا نغمہ،

نکہتِ عشرتِ دل آوارہ

اب نہیں آہ! وہ منظر باقی،

تیرہ و تار ہے، تاریک ہے رات،

اب نہیں، آہ! نہیں ہے وہ بات

زندگی ختم ہوئی۔

یاس نے

یاس نے آ کے مرے دل کو کیا ہے زخمی

چھین لی، چھین ہی لی یاس نے راحت دل کی۔

کس طرح لوٹ کے اب آئے گی حالت پہلی؟

تیرہ و تار ہے، تاریک ہے رات،

زندگی ختم ہوئی۔

نیا دور کراچی

محبوبہ کی تصویر

تری آنکھوں کے پیچھے تو اندھیرا ہے، سکوں ہے خامشی ہے
تو کیوں گہری نگاہوں سے مجھے یوں دیکھتی ہے؟
بھویں تو کیا نظر بھی جم گئی ہے!
بتا کیا سوچتی ہے!

ابھی باتوں کے لچھے میرے دل سے کہہ رہے تھے —
"ہمیں نے رنگ، خلوت میں بھرے تھے،
ہمیں جاگے ہوئے تھے"

جو وہ سوئے تو سویا ہے زمانہ
بنا ہر اک بہانہ۔ —

میں سب پہچانتا ہوں
میں خاموشی کے معنی جانتا ہوں'
ہے خاموشی اشارہ
ہوا ہے صبر سے دل پارہ پارہ
نہ سننے پائیں گے اب کان وہ باتیں دوبارہ

تو اب تنگ آگئی ہے
اور اپنے دل میں شاید سوچتی ہے
کہ اتنی رات کے بیتے پہ بھی یہ بے رُخی ہے!
تیری آنکھوں کے پیچھے سرد مہری کا سکوں ہے، خامشی ہے۔

نیا دور کراچی

آنکھ مچولی

ہاں کتنی مجھکو محبت ہے
اس لڑکی سے   جو رہتی ہے
کچھ دُور یہاں میرے گھر سے

میں جاتا ہوں   اس کو دیکھوں
وہ مجھکو نظر کب آتی ہے

گر آ جائے   مجھکو دیکھے
جھٹ نظروں سے چھپ جاتی ہے

کیا میں سوچوں   اور یہ سمجھوں
وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے؟

لیکن یہ کیسا!   میں نے دیکھا
چھُپ کر اس نے پیچھے جھانکا

کیا میں سوچوں   اور یہ سمجھوں
اظہار ہے میری چاہت کا؟

لیکن یہ کیسا!   میں نے دیکھا
اور میں تنہا   پھرتا ہی رہا
جب آنکھ ملی در بند کیا
لیکن پھر اس کو نہیں دیکھا

ہاں اس کی سکھی   باہر آئی

دیکھا مجکو اور لوٹ گئی

کیا میں سوچوں اور یہ سمجھوں

اس کے کہنے سے آئی تھی؟

لیکن یہ کیا میں نے دیکھا

دونوں کی ہنسی بہتی بہتی

کانوں میں پڑی کیسی تھی گھڑی

جس نے اک الجھن میں ڈالا

کیا تھی وہ خندہ تمسخر کا

یا ایک اشارہ جرأت کا؟

میں کیا سوچوں میں کیا سمجھوں

اُس کو ہے مجھ سے نفرت، یا

وہ دم بھرتی ہے چاہت کا

گر چاہت ہے اور رغبت ہے

پھر اب تک اتنی دیر ہے کیوں؟

گر نفرت ہے کیا فکر اُسے

پھر اکثر ایسی چھیڑ ہے کیوں؟

ہاں اس کی مگر ہے مجکو خبر

یہ میری محبت کا دعویٰ پُورا پکّا سچا سونا

ہاں کتنی مجکو محبت ہے ہے اس لڑکی سے جو رہتی ہے

کچھ دُور یہیں میرے گھر سے

نیا دور کراچی

حادثہ

اک فرشتہ پھول برساتا ہوا
صحنِ گلشن میں ہوئی اُس کی نمود؛
لاابالی، ملحدِ جوشِ شباب،
اس حقیقت کو کبھی تُو جان سکتی ہی نہ تھی،
اُس فرشتے کے حسیں ملبوس میں شیطان تھا
ایک لمحے کے لئے بس ایک لمحے کے لئے
دِل پہ تیرے چھائی وحشت، مست مست
اور پھر دل سے مرے رُخصت ہوا جوشِ جنوں
خشک پتّوں پر تھا افتادہ ترا
نرم و نازک، سرد، جسمِ سیمگوں

نیا دور کراچی

شکوہ

شبِ تیرہ میں اک خفتہ جوانی کو کچل ڈالا
شکاری آہ! اے ظالم شکاری تیری نادانی

اچانک تیر مارا جذبۂ زہری سے آلودہ
شگفتہ ہو کے نکہت پھولوں کی بکھری فضا میں ایک بے چینی!
پریشاں ہو گی اب دنیا میں یہ سفاک رسوائی
ہر اک بوسیدہ پتّی کھو کے حسنِ نرم و نازک کو
بنی ہے ہمسفر اک رنگِ نو کے تند جلوے کی

مگر تُو نے شکاری! آہ اے ظالم شکاری یہ بتا مجکو
شبِ تیرہ میں کیوں خفتہ جوانی کو کچل ڈالا؟
کہ اب باقی نہیں پہلی سی وہ بے باک رعنائی۔

بجائے سادگی اب اک تکلف ہے،
جھجک ہے، عشوۂ ہشیار ہے، احساس ہے جس کا
گلِ بوسیدہ کی زخمی جوانی کو۔
بدل ڈالا ہے تُو نے رنگ فطرت کی اداؤں کا
مچل کر جاگ اُٹھی ہے، درسِ وحشت دے گی دنیا کو
بنی ہے ہم عناں اِک رنگِ نو کے تند جلوے کی۔

گلِ بوسیدہ کی زخمی جوانی، ہر شکاری کو
مچل کر درسِ وحشت دے گی، نادانی سکھائے گی
شکاری! تیری نادانی!
شبِ تیرہ میں کیوں خفتہ جوانی کو کچل ڈالا؟

نیا دور، کراچی

سحرِ حیات

کشاں کشاں
بلندیوں پہ لے گئی، اُمنگ مری روح کو
خیال دل میں آگیا، میں چل پڑا
نکل کے گھر سے کوہ و دشت، اور ریگ زار میں
اُفق کے پاس دور ــــــ دیکھیں دھندلی بستیاں
جنونِ جستجو نے ہیچ کر دیا
مری نگاہ میں
نظامِ کائنات کو
مری حیاتِ سست رَو کو بھر دیا
جوان خوں کے جوش سے!
بھلا کے دل سے ضبط کو، شعور کو

فضا میں عزم آہنی کے آتشیں زبور کو
بکھیر کر میں چل پڑا۔
نکل کے گھر سے کوہ و دشت اور ریگ زار میں
مگر بھلا دیا تھا دل سے ضبط کو، شعور کو
جنونِ جستجو نے روک بن کے میری راہ میں
لبوں سے نغمہ زن زبور کو بدل کے رکھ دیا ملول، سرد آہ میں؛
کشاں کشاں حیاتِ مختصر کا دور ہو چکا
اُمنگ کے طلسم سے بدل کے اور ہو چکا
وہ نغمہ میرے خواب کا، خیال کا۔

نیا دور، کراچی

Hasnain Sialvi

اعتذار

پھر سے امید کی بجلی چمکی'
سر پہ گھنگھور گھٹا چھائی تھی
لیکن امّید کی بجلی چمکی
ڈگمگانے کو قدم تھے میرے
بند ہونے کو تھا ترغیب کا جال
لیکن امّید کی بجلی چمکی۔

نفس کی لذّت آسودہ بھڑک اٹھی تھی
ایک پل میں مجھے لہروں پہ بہالے جاتی
وہ ہوا عیش کی خوش بوؤں سے بوجھل یک سر۔

لیکن امید کی بجلی چمکی۔
دل میں جاگ اٹھا خیال،
اور اگر اب بھی وہ مل جائے تجھے؟
میرا افسردہ لہو کھول اٹھا

دل پہ طاری تھا جو دھندلا منظر
گونج اِک رہ گئی اس کی باقی
نفس کی لذت خوں گشتہ کا نغمہ سویا
اور امید کی بجلی چمکی

نیا دور کراچی

اندمال

پھر وہی جوشِ جنوں آج سے دکھلائے گا جلوہ مجکو
پھر وہی موج سمندر سے اُٹھے گی پل میں
پھر وہی سیر دکھلائے گا مجھے دستِ زبوں
جس سے چھٹکارے کی اِک شکل نظر آئی تھی۔

پہلے میں تھا مری تنہائی تھی
ایک پل کے لئے تقدیر کو شرم آئی تھی
ایک ہی پل کو طبیعت میری بہلائی تھی
لیکن افسوس کہ وہ لمحہ مجھے راس نہ آیا بالکل۔
ایک ہی لمحے نے زہراب کی تلخی سے شناسا کر کے
خونِ اخضر سے میرے دامنِ دل کو بھر کے
مجھے اس دہر کی رنگینیٔ غم ناک سے مایوس کیا۔

اور اب پھر ہے وہی جوشِ جنوں
پھر وہی سیر دکھائے گا مجھے دستِ زبوں
جس میں تنہائی تھی،
جس میں اسرارِ خودی ہی کی گھٹا چھائی تھی

اب وہی چرخِ کہن
اپنے بے نور سماں آنکھ سے ٹکرائے گا
جس میں انجم نہ فروزاں ہوں گے،
جس میں اک تیرگیٔ روح کی بارش ہوگی

اب وہ چرخِ کہن
میرے خونِ دلِ افسردہ کا رنگیں مخزن
بے صدا نغمے کی آواز سے لٹوائے گا۔

نیا دور، کراچی

انجام کا آغاز

اگر تنہائی گونج اٹھی تو پھر بھی
بہت سے لفظ یاد آتے رہیں گے

ابھی دیوار کا پردہ تھا حائل
ابھی جیسے جھروکہ کھل گیا ہے
ہوا کا ایک جھونکا لہلہاتا
لچکتا، لہلہاتا لہلہاتا
چلا آیا، گیا، — جانے کہاں ہے!
اندھیرا راستہ رونے لگا تھا۔

یہ پژمردہ جھکولے کہہ رہے ہیں — کہ سانسوں کا نشاں باقی نہیں ہے،
انہی کی آمد و شد سے بنا تھا — زمانہ یک پل کا آشیانہ،
انہی میں اک مہک آئی تھی ایسی — جسے رو کے ہوئے چلنا پڑا ہے۔

تھکن کا نام ہی کوئی نہیں ہے
وہی جھونکے، جھکولے، سانس، ہر شے
مٹی جیسے مٹے پل پل زمانہ۔

کوئی بھی لفظ یاد آتا نہیں ہے
مگر تنہائی بڑھتی جا رہی ہے
یہی اک نقش اب باقی رہے گا
اندھیرا، پھیلتا، بڑھتا، سمٹتا

نیا دور کراچی

انجانِ محبّت

زمانہ کب مٹائے گا اُسے جسے خبر نہیں
جسے کسی بھی بات کی خبر ہے۔

وہ آج تھے، وہ کہہ رہے تھے کوئی بات جو انہیں بھی یاد ہی نہ آئی سو چپ رہے،
اور اس کے بعد بول اٹھے دیکھو آج کل زمانہ کس طرف چلا ہی جا رہا ہے کیا کہیں،
اور اس پہ ہم نے اُن سے یہ کہا تھا کیوں، کہیں !
"اگر یہ بات ٹھیک ہے زمانہ کب مٹائے گا اُسے جسے خبر نہیں تو کیوں؟ کہیں!
"کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں تمہیں کسی بھی بات کی خبر نہیں"
"تمہیں کسی بھی بات کی خبر نہیں۔"

ہمیں کسی بھی بات کی خبر نہیں ؟
تو پھر زمانہ ہم کو ہی مٹائے گا،

ہمیں زمانہ یہ کہے گا لو، وہ آج آئے تھے،
اور اصل میں یہ ہوگا وہ نہ آئے تھے،
اور اس کے بعد بول اٹھے گا کہ دیکھو آج کل زمانہ کہہ رہا ہے کیا، یہ کیا کہیں!
یہ کیا کہیں۔۔۔ تمہارے مُنہ سے ہم سُنیں
تمہارے مُنہ سے جس کو اب کسی بھی بات کی خبر نہیں،
تمہارے مُنہ سے جس کے منہ یہ سنا تھا، ہم سنیں!
سناؤ تو، بتاؤ تو، کہو تو کیا کہو گے تم؟
کہو تو کیا کہو گے تم؟

مگر وہ بات کس کی ہے، وہ کس سے کہہ رہا تھا کون، کیا کہیں؟
وہ کس سے کہہ رہا تھا کون؟! ۔۔۔۔ کیوں کہیں؟
کہو تو اب بھی کہہ چکیں!
مگر جسے کسی بھی بات کی خبر نہیں وہ کیا کہے
زمانہ کب سنائے گا اُسے کوئی خبر نہیں
اُسے یہی خبر ہے ایک ہیک 'ایک ایک' ایک ایک ہو گیا ہے'
اور اس کے بعد کون بول اٹھا دیکھو آج کل زمانہ کس طرف چلا ہی جا رہا ہے، کیا کہیں!

نیا دور کراچی

چار آنکھیں اور ایک نظر

مرد، عورت کو گالی دے گا
عورت، مرد کو گالی دے گی،
یوں دنیا کا کام چلے گا
جیون کی ندی بہے گی،

ہاں، مردوں کی چاہت کیا ہے،
دو لمحے، ساون کا جوبن،
عورت کی بھی محبت کیا ہے،
ہیرے، خوش بو اور پیراہن،

لیکن رات کو چپکا تنہا،
رجیسے چھائی تھیں چاند کی کرنیں،
پیلے گال، آنسو میں ڈوبی
سونی سونی دکھتی آنکھیں،
لے کر آیا میرا پریمی
ریت یہی ہے سچے دل کی

لیکن رات کو چاند ستارے — کرتے تھے کرنوں سے اشارے
میری پریتم مجھ سے ملنے — آئی تھی چوری چُپکے سے
روپ کی مورت، چاہ کی دیوی — ریت بھی ہے سچے دل کی

یہ باتیں بھی جگ میں دیکھیں — پھر کیوں مرد عورت کا بیری؟
پھر کیوں عورت دشمن ہوگی؟ — پھر کیوں دے گی عورت گالی؟
یہ بھی ہوگا وہ بھی ہوگا — تم بھی کھیلو کھیل انوکھا

نیا دور کراچی

قیلولہ

کیوں سوتے ہو؟
کوئی چھورا آن جگائے گا
بستی گلیاں طوفانی ہیں
کوئی پھیری والا آئے گا، چلّائے گا
یا شاید کوئی مسافر ہی کچھ دل کی سُنانے آ نکلے۔

کیوں سوتے ہو؟
یوں سوتے رہنا ٹھیک نہیں
بستی گلیاں طوفانی ہیں
اور لہریں آتی جاتی ہیں،
گر جانے سے کوئی آیا یہاں تو سمجھو
بیگار تو ہے پر بھیک نہیں
اور شاید کوئی بھولا بھٹکا اسی بہانے آن ملے۔

کیوں سوتے ہو؟
سوتے میں خواب ستائیں گے
اور آنکھوں پر اب تک تو بھروسہ کر نہ سکے
آنکھیں تو جب بھی ہوئیں بوجھل، جھکتی ہی رہیں
چاہے لاج ہو چاہے تھکن ان کو کچھ سوچ نہ تھی
جینے والے کیوں مر نہ سکے،
اور تم جیتے ہو، مرنے سے کیا کام تمہیں، کیوں سوتے ہو؟

کیوں سوتے ہو؟
کوئی بھولا بھٹکا دل کی سُنانے آنکلا؟
کیوں سوتے ہو؟
کیا دل میں سُہانی آشا کے سندر سپنے کا پھول کھلا؟
چلو سو جاؤ، چلو سو جاؤ۔

نیا دور کراچی

شرابی

اک پل میں منسوخ کئے دیتا ہوں،
اس دنیا کو، اپنی انگلی کی مستانہ جنبش سے،
اپنے ذہنی ساز کی ہلکی لرزش سے۔

دُور، بہت ہی دُور، گرج ہے شیروں کی،
دُور، بہت ہی دُور، مگر نزدیک بھی ہے،
دُور، بہت ہی دُور، انوکھی ایک صدا ———
میرے کانوں میں آئی۔
(کیا آواز تھی یہ میری ؟
اپنی ہی آواز نہیں پہچان سکا ؟)
میرے ذہن سے لفظ نکل کر گرتے ہیں
ایک انوکھی حرکت میں۔

جیسے خوابوں کے جھونکے
میٹھی نیند میں آجائیں۔
ہلکا ہلکا دھندلکا جیسے کہرا ہو،
ہلکا ہلکا اُجالا جیسے سپنا ہو
ہر ایک مرد اور عورت کی ہستی اب مجھ کو دکھائی دیتی ہے
صاف چمکتی خوشیوں سے بھرپور، امڈتی ندی سی،
سطح سمندر کی لہریں، لہروں میں مل کر گھلتی سی،
یا ہوں جیسے پیڑ کے سائے چاندنی رات میں الجھے الجھے،
ایسی صاف، چمکتی، روشن
جیسے پریمی، پریتم کی آنکھوں میں دنیایوں چمکے
جیسے سورج چمکے چاند کی نظروں میں
دنیا سُندر ہے، سُندر ہے سب دنیا
لمحے، رقصِ فراموشی میں لرزاں ہیں۔
اِک پل میں منسوخ کئے دیتا ہوں رقصِ مسلسل کو
اپنی انگلی کی مستانہ جنبش سے
اپنی ذہنی وسعت سے

نیا دور کراچی

محبّت کا گیت

ابلتی آگ کے شعلے خراماں ہیں
فضائے لامکانی میں،
مگر انساں اُن کو دیکھ سکتے ہیں
اسی دنیائے فانی میں

ترے دل میں کئی مبہم ارادے ہیں
اور ان پر احتیاط و رسم کے سنگیں لبادے ہیں
مگر میں اپنے جذبِ دل کی قوت سے
اک احساسِ حسیں کی نرم راحت سے
انہیں معدوم کر دوں گا
میں اُن کو آرزوؤں کے گلستاں میں
بہارِ نو سے بھر دوں گا
جنونِ عشق ساماں میں

تجھے لے جاؤں گا اس کائناتی دور سے باہر،
وہیں پائے گا تسکینِ ابد میرا دلِ مضطر
یہ حد بندی پسند آتی نہیں مجھکو
گرفتاری ذرا بھاتی نہیں مجھکو
میں تجھ کو بہجت بے باک کا نغمہ سناؤں گا
تجھے اک اور ہی منظر دکھاؤں گا
جو بے حد مختلف ہے دہر فانی سے
جو بے حد پُر سکوں ہے وقت کی اُن رَٹ روانی سے
کہیں دل کش ہے ہستی کی کہانی سے
کہیں شیریں ہے خونِ نوجوانی سے

میں اُن انمول لمحوں کو
ترے قدموں کی محرابِ حسیں پر لا کے رکھ دوں گا،
میں ان مدہوش نغموں کو
مسلسل خواب سے بیدار کر دوں گا

نیا دور کراچی

نامحرم

فضا بسیط، خلا تو نہیں، ہزاروں نقش
فضا کے دامنِ آبی کو جا کے چھونے سے
ہر اک قدم پہ میری روک بن کے بیٹھے ہیں

اُفق سے دُور، بہت دور ـــــ ادھر بہت ہی ادھر
سیاہ پیڑ کا خاکہ دکھائی دیتا ہے،
کہ جیسے سوچ کی کچھ خامشی پسند آئی،
اسی کے گہرے تفکر کی تیرگی پل میں
گدازِ روح کو پژمردہ تر بناتے ہوئے
ہزاروں نقش گھنی تیرگی میں حل کر کے
شبِ سیاہ کا اک عکس بن کے بیٹھی ہے۔

سیاہ پیڑ درِ ممکنات بنتا ہے

ہزاروں نقش لئے دامنِ فضائے بسیط
شبِ سیاہ سے سرگوشیوں میں کہتا ہے
کسی سے کہنا نہیں، کیوں، کہو گی؟ ٹھیک! ــــ مجھے
غلط نظر کا تقاضہ یہاں پہ لایا ہے
وگرنہ میرے ہی دامن میں نقش ہائے جہاں
نمودِ شام سے ہنگامِ رخصتِ شب تک
فروغِ صبح کے ماتم میں سرنگوں ہیں مُدام
میں ان کی تفرقہ انگیز دا کو جانتا ہوں،
جو اک کرن انہیں خورشید کی دکھائی دے
تو وہ کہیں گے کہ خورشید؟ اس کی بات ہی کیا!
وہ یہ کہیں گے کہ خورشید کے بغیر جہاں
کچھ ایسا اپنی نظر کو دکھائی دیتا ہے
اگر نہیں ہے تو خورشید ہی نہیں ہے یہاں
اور اس کو جو بھی سُنے گا وہ بھول کر ہر بات
فروغِ صبح کے ماتم میں سرنگوں ہو گا

سیاہ پیڑ بھی کاشانۂ حیات بنا

ہزیمت ایسی بُری چیز تو نہیں لیکن

جب اپنے سامنے آئے تو پھر بھلی بھی نہیں

کہ اب وہ سایۂ دیوار ہے نہ سایۂ نور

فقط خلا ہی خلا جیسے یک صحرا ہیں

افق سے دور بہت دور ادھر کہیں مل جائے

کسی کو کاسۂ سر قہقہہ لگاتا ہوا

صدائے زیست سے عاری فقط خلائے دوام

نیا دور کراچی

مجھے چاہے نہ چاہے دل تیرا

مجھے چاہے نہ چاہے دل تیرا تو مجھ کو چاہ بڑھانے دے
اک پاگل پریمی کو اپنی چاہت کے نغمے گانے دے
تو رانی پریم کہانی کی چپ چاپ کہانی سنتی جا
یہ پریم کی بانی سنتی جا، پریمی کو گیت سنانے دے
یہ چاہت میرا جذبہ ہے، میرے دل کا میٹھا نغمہ
ان باتوں سے کیا کام تجھے ان باتوں کو کہہ جانے دے
تو دور اکیلی بیٹھی ہے سکھ سندرتا کی بستی میں
میں دور بہا جاتا ہوں پریم کی ندی میں بہہ جانے دے
گر بھولے سے اس جذبے کا گیت جرا لی گا بیٹھی
یہ جادو سب سٹ جائے گا اس کو جوبن پر آنے دے
ہاں جیت میں نشہ کوئی نہیں، نشہ ہے جی سے دوری میں
یہ راہ رسیلی چلتا ہوں اس راہ پہ چلتا جانے دے

نیا دور کراچی

بغاوتِ نفس

زندگی محبوب ہے پھر بھی دعائیں موت کی
مانگتا ہے دل مرا دن رات کیوں ؟
قسمتِ غم گیں کے ہونٹوں پر کبھی
آ نہیں سکتی خوشی کی بات کیوں ؟
کیوں نگاہوں پر مری چھائے ہیں آنسو کے نقاب ؟
اس سوالِ مستقل کا کیوں نہیں ملتا جواب ؟
کیا خودی کی اُلجھنیں میرے ارادے توڑ کر
کر رہی ہیں مجھکو اس دُنیا میں ناکامِ حیات ؟
کیوں نہیں آتی وہ رات
جس کی خرم تر سحر
آرزو ہے مجھ سے ہو اب ہم کلام !
راحتیں معدوم ہیں میرے تخیل سے تمام۔

راستہ مجھ کو نظر آتا نہیں

راستہ مجھ کو خوشی کا کیوں نظر آتا نہیں

چل مرے دل آج اس محدود خلوت سے نکل،

ہاں سنبھل، قعرِ خموشی میں نہ گر، ہاں اب سنبھل،

بے خودی مسلک بنا لے، بھول جا سب آج کل،

چھوڑ دے مرکز کی چاہت، مضطرب ہو اور مچل

سینۂ آتش فشاں کی طرح گرمی سے ابل

چل مرے دل، راستہ خوشیوں کا دیکھ،

در شعلہ عیش کے لمحوں کا دیکھ،

دل گرفتہ! آنسوؤں کو خشک کر،

دیکھ رستہ! آنسوؤں کو خشک کر،

چھوڑ دے مرکز کی چاہت، مضطرب ہو اور مچل،

چل مرے دل آج اس محدود خلوت سے نکل۔

سیپ کراچی

مجنوں

عمر گزر گئی تمام

راہِ طلب میں عشق کو مل گئی شہرت دوام

حاصلِ کار کچھ نہیں

منزلِ آخری ملی،

ریگِ رواں کے سیل میں بہتا ہوا پہنچ گیا۔

فلسفۂ حیات کی ایک عجب مثال ہے

جذبۂ دل کی روشنی

عشق و الم کی بندگی

قدرتِ خام کار نے ایک کو دی ہے ساحری

ایک کو دی ہے عاجزی

حاصلِ کار کچھ نہیں۔

حسن یہ پوچھنے لگا عشق سے ___ آرزو ہے کیا؟
عشق نے سن کے یوں کہا حُسن سے ___ آہ کچھ نہیں
عمر گزر گئی تمام
راہِ طلب میں عشق کو مل گئی شہرتِ دوام
منزلِ آخری ملی،
غور کرو تو کچھ نہیں۔

سیپ کراچی

مے خانہ

حیاتِ گرم رَو ساکن ہے، ساکن زندگی ساری،
چمکتی ہیں شعاعیں روشنی کی سطحِ مینا پر،
شرابِ آتشیں، مینا میں ساکن ہے

ہیں ساکن دست و بازو مے سے متوالوں کے مستی میں،
پھلوں کا رس پھسل کر، چھوڑ کر گہوارۂ طفلی
ہوا ہے منجمد ذہنوں کی لہروں میں

در و دیوار ساکن ہیں
ہیں آوارہ ہوائیں ساکن و معدوم سی ہستی
غم و افکار ساکن ہیں

نشاطِ عیش کی ہستی نہیں باقی،
ہر اک انسان کے جذبے
عدم سے جا ملے ہیں چند لمحوں کے لئے، اور یوں
فضائے ہائے دہو یکسر بنی ہے مرمریں منظر؛

حیاتِ گرم رو، ساکن ہے، ساکن زندگی ساری،
شرابِ آتشیں مینا میں ساکن ہے
اکیلا ایک ساغر ساکنِ عہدِ فراموشی۔

سیپ کراچی

زندگی کے پھندے میں

زندگی کے پھندے میں

تو اور میں

ہم سارے،

اِک سپنا ہے چھُٹکارا

زندگی کے پھندے میں

چلتا جا!

ہاں، ہاں میں بھی چلتا ہوں

ساری دنیا چلتی ہے

زندگی کے پھندے میں

راحت کیسی جینے میں
راحت بھی اک سپنا ہے
زندگی کے پھندے میں

قسمت کی کیا ہستی ہے
سوئی بندی خانے میں
زندگی کے پھندے میں

قدرت کس کو کہتے ہیں
قدرت ایک کھلونا ہے
زندگی کے پھندے میں

چلتا جا!
ہاں ہاں، میں بھی چلتا ہوں
زندگی کے پھندے میں

سیپ کراچی

پژمردگی

ویرانہ ہے، ویرانے میں کوئی اور ابھی آجائے گا
گنبد میں صدا کی گونج اٹھی
گنبد گونجا
اور رفتہ رفتہ مٹتے مٹتے دور ہی دور گئی آواز.....
ویرانے میں کوئی اور ابھی آجائے گا
تم ایسی نگاہوں سے مجھ کو بہکاتی ہو

دھیرے دھیرے بہتے بہتے بادل نے چاند کو روند دیا
کرنوں نے جال بچھایا تھا
ڈوری ٹوٹی
اور رفتہ رفتہ مٹتے مٹتے اندھیارے میں چھپ گئی رات.....

دھیرے دھیرے بادل نے چاند کو روند دیا
تم ایسی باتوں سے مجھ کو الجھاتی ہو

ویرانہ ہے، ویرانے میں، بادل نے چاند کو روند دیا
کرنوں کی گونج کا جال بڑھا
گنبد ٹوٹا
اور دھیرے دھیرے دُور ہی دور سے ہاتھ نے بڑھ کر چھیڑا ساز....
ویرانے میں بادل نے چاند کو روند دیا
تم ایسے گیتوں سے خود ہنستی جاتی ہو

سیپ کراچی

رسیلے جرائم کی خوشبو
مرے ذہن میں آ رہی ہے
رسیلے جرائم کی خوشبو
مجھے حدِ ادراک سے دُور لے جا رہی ہے

جوانی کا خوں ہے
بہاریں ہے موسم زمیں پر
پسند آج مجھ کو جنوں ہے
نگاہوں میں ہے میری نشّے کی اُلجھن
کہ چھایا ہے ترغیب کا پیرہن آج ہر اک حسیں پر
رسیلے جرائم کی خوشبو مجھے آج للچا رہی ہے

قوانینِ اخلاق کے سارے بندھن شکستہ نظر آ رہے ہیں
حسین اور ممنوع جھرمٹ مرے دل کو پھسلا رہے ہیں
یہ ملبوسِ ریشم کے اور ان کی لرزش
یہ غازہ، یہ انجن،
نسائی فسوں کی ہر اک موہنی آج کرتی ہے سازش
مرے دل کو بہکا رہی ہے
مرے ذہن میں آ رہی ہے
رسیلے جرائم کی خوشبو

سیپ کراچی

بیوپاری

جس پر بھی کوئی دُکھ بیتے مجھ کو آ کے سُناتا ہے
بپتا کی ہر راگنی میرے کان میں آ کر گاتا ہے
میں ہوں اِک بھنڈار دُکھوں کا میرے پاس خزانا ہے
میں نے اَوروں کے دُکھ میں اپنے دُکھ کو پہچانا ہے
آؤ آؤ، سُکھ لائے ہو؟ بولو، مول بتاؤ تم
اپنے اپنے سُکھ کے بدلے مجھ سے دُکھ لے جاؤ تم
پَل دو پَل کا سُکھ لائے ہو؟ پَل دو پَل کا دُکھ بھی ہے
جیسا دُکھ لینے آئے ہو، جیب میں ایسا سُکھ بھی ہے؟
نقد کی بات کیا کرتا ہوں، میرے پاس اُدھار نہیں
تول میں کھوٹ ذرا آئے، تو سَودا اِدھر مِرا پار نہیں

بھائی! ہمّت کا سودا ہے ، اپنی چاہ کا سودا ہے

ہنستے ہنستے تَئے تو ہو ، پر سوچ لو آہ کا سودا ہے

سُکھ کے بدلے دُکھ تو کھرے ہیں، پر یہ پرکھ تمہاری ہے

کون ہے پار پہنچنے والا ، کون نرا سنساری ہے

دُنیا کے دُکھ بیچ بیچ کر میرا جیون بیتا ہے

ہار ہار کر اپنی بازی، میں نے جگ کو جیتا ہے

سیپ کراچی

سرائے والے

''ہر مسافر کی آمد اس چار دیواری میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیتی ہے''

تیرے لئے کیوں دنیا بدلی؟ میرے لئے دنیا ہے وہی'
رات کی رات ہے رین بسیرا' بھور بھئے کیا بات بنے
کہے مسافر چلتے جاؤ جب تک دل کا ساتھ بنے
اپنے جیسے اس دھرتی پر لاکھوں جئے' دنیا ہے وہی

تو نے پائی پُرانی مینا بھرے بھرے پیمانے ہیں
لیکن میری آنکھوں میں تو اب بھی وہی ویرانے ہیں
جن میں مجنوں گھوم چکا ہے جن کا عالم سُونا ہے
پہلے اکہرے وار کا گھاؤ تھا اب تو وہی دکھ دُونا ہے
مے خانے سے لیکن دو اک جام پئے دنیا ہے وہی

جیون ڈوری جھول رہی ہے آنا جانا کس کا ہے ؟
چلتے چلتے، رُکتے رُکتے دل نے اتنا سمجھا ہے !
جو بھی کہا تھا جو بھی سُنا تھا جو بھی دیکھا۔ بھول گئے
چاہے بھلا ہو، چاہے بُرا ہو، جیسا بھی تھا بھول گئے!
تُو نے اپنے، میں نے اپنے کام کئے دُنیا ہے وہی

پَل کے پَل جو کھیل رچا ہے اس کے رنگ بدلتے نہیں
سارا ہے یہ آنکھ کا دھوکا تم بھی ہیں اور ہم بھی ہیں
ڈوبے رہو یونہی دُھن میں پورا دھیان دیئے، دُنیا ہے وہی۔

سیب — کراچی

ایک ہی ٹھاٹھ

جھوٹی جھلمل کرتی راتیں جھوٹے جگ مگ کرتے دن
پل پل چھن چھن یہی پکاریں کیسے جیئیں اُن بن۔ اُن بن
جھوٹے جگ مگ کرتے دن

نت الجھائیں گھاؤ لگائیں پون جھکولے بنیں کٹار
لچک لچک کر ڈھلک ڈھلک سگندھ ناگن کی پھنکار
پون جھکولے بنیں کٹار

یاد کسی شمشان کی اگنی جلتی جیوتی من تڑپائے
جیسے بھول کے باٹ مسافر سوچے پھر بھی سوجھ نہ آئے
جلتی جیوتی من تڑپائے

کر لو جتنے ہیر پھیرے بدلا کب اس گیت کا ڈھنگ
ہر پھر کر سُر ایک لگے گا چاہے گاؤ جس کے سنگ
بدلا کب اس گیت کا ڈھنگ

سیپ کراچی

ناچ

وقت کی موزونی سے دُور
کانٹوں کی وادی سے دُور
بحرِ طاؤسی سے دُور
سوتی ہے دیوا داسی

ذہنی سازش سے بھی دُور
نفسی شورش سے بھی دُور
دل کی خواہش سے بھی دُور
بیٹھی ہے دیوا داسی

اب وہ لمحے آئیں گے
جب نغمے کھو جائیں گے
اور انساں سو جائیں گے
ناچے گی دیوا داسی

سیپ کراچی

ملتی جلتی کہانیاں

آج سُناتا ہوں میں سُن لو مجھ سے کہانی لہروں کی
پہلے تو تھی دل کو بھاتی، میٹھی بانی لہروں کی
رات نے اپنا جال بچھایا رُوٹھی رانی لہروں کی
جگمگ چاند نے پل میں بدلی نرم روانی لہروں کی
بے چینی کے ساز پہ گیت سُنایا زبانی لہروں کی
جوش میں آئی اندھی جوانی آنی جانی لہروں کی
پھر طوفاں کا روپ تھی صورت چنچل فانی لہروں کی

مِٹ کے چھپی اِک پل میں شوبھا سب اُجیالی لہروں کی
ساحل پر ہی بات بنے گی خام خیالی لہروں کی

میرے دل نے بھی دُہرائی پریم کہانی لہروں کی
دل کی اُمنگیں لہریں ہی تھیں، میٹھی بانی لہروں کی
اور سپتیم تھی مَن کو بھاتی، موہن رانی لہروں کی
چاند بنی پھر میرے دل میں، زم روانی لہروں کی
سپتیم کو اک گیت سنایا میں نے زبانی لہروں کی
جب سنجوگ ہوا تو جوش میں آئی جوانی لہروں کی
پھر طوفان میں بدلی صورت چنچل، فانی لہروں کی
جھاگ ہی باقی دیکھی میں نے ایک نشانی لہروں کی

مٹ کے چھُپی اک پل میں شوبھا امرت والی لہروں کی
منزل پہ ہی بات بنے گی خام خیالی لہروں کی

سیپ کراچی

بلمپت

خیال ہی خیال ہے، خیال کے علاوہ اور کوئی بات ہو
جو حاصلِ حیات ہو
یہ ممکنات میں نہیں

خیال ہے جو پہلے تھا وہ مٹ گیا
خیال ہے جو بعد آئے گا وہ مٹ ہی جائے گا
تو کیا تُو ایک خیال تھی، تُو مٹ گئی؟
تو کیا میں ایک خیال ہوں، میں جب، حیات مٹ گئی تو ایک روز ایک پل میں
مٹ ہی جاؤں گا
یہ بات ہے تو پھر مجھے کوئی بتائے حاصلِ حیات کیا ہے؟ (کچھ نہیں!)

تو حاصلِ حیات ہے، میں حاصلِ حیات ہوں
حیات کس کی ہے مگر، یہ کچھ پتا نہیں!

25 حیات ایک چھلاوہ ہے

وہی چھلاوہ جس کے پیچھے پیچھے آج تک میں دوڑتا چلا گیا
وہی چھلاوہ ایک روز مٹنے پر جو آگیا
تو میں بھی اپنے دل میں یہ سمجھ کے مٹ ہی جاؤں گا
یہی تو ممکنات ہے، یہی وہ بات ہے جو حاصلِ حیات ہے
اگر یہ بات ہے تو حاصلِ حیات کیا ہے؟ صرف ایک خیال ہی خیال ہے
مگر یہ ممکنات میں نہیں کہ صرف ایک خیال ہی خیال میں ہو ختم عمرِ مختصر
ہمیشہ ایک نیا خیال، ایک نیا خیال ہی حیات ہے
حیات ختم ہو تو ہو، نیا خیال ختم ہو یہ ممکنات میں نہیں!
نیا خیال ایک ایسی بات ہے ممات کے جو بعد ایک حیات ہے
اک ایسی بات، جیسے ایک ہاتھ سے
کبھی گرا یک سوچتے ہی سوچتے
کبھی نہ سوچتے ہوئے
ہو، کا ایک اشارہ ہو اک ایسا ابر پارہ ہو
جو ایک پل کو آئے، ایک پل ٹھہر کے اپنی راہ لے
اُسے کوئی غرض نہ ہو کہ ممکنات میں
ممات کے علاوہ اک حیات ہے
اک ایسی بات ہے جسے کوئی خیال ہی خیال کر سکے یہ ممکنات میں نہیں

خیال دہلی

سہارا

اوس کی بوندوں میں نمکینی نہیں
پھول گر چاہے کہ اپنی رات کے انجام کو
ایک ہی لمحے میں یکسر جان لے
اس کو لازم ہے ہوا کے سرد جھونکے سے کہے
جاؤ، س کے آنسوؤں کو چوم لو!

آنسوؤں کو چوم کر محسوس یہ ہونے لگا
ایک آنسو، ایک بوند
ایک پل میں ایک بحرِ نیلگوں
بن کے چھا جاتا ہے تنہا نادیر،

کیا ہوا گر اوس کی بوندوں میں نمکینی نہیں
اوس کی بوندوں میں نمکینی اگر ہوتی تو کیا
پھول اس میں تیرتے ہی تیرتے

اپنی منزل تک پہنچ سکتا نہ تھا، اک ناؤ بن سکتا نہ تھا

پھول کیا ہے

پھول میں ہوں تو نہیں،

تُو تو بحرِ نیلگوں میں ایک تنہا ناؤ ہے

بہتی جاتی ہے، ذرا رکتی نہیں

تجکو یہ معلوم کب ہے اوس کی بوندوں میں تمکینی نہیں،

تُو فقط باتوں کے بل پر اپنی راتوں کی رسیلی چھاؤں میں

یہ سمجھتی ہے کہ ہر لحہ اچانک پھیل کر

شش جہت پر دل دھڑکتے ہی میں یوں چھانے لگا

جیسے ایک ٹھیراؤ فرقت کی اندھیری رات میں

درد کے ہم دوش لذت کو بھی اکساتا رہے

لے! پیالہ تھام لے،

اس میں باقی ہے ابھی کچھ زہرِ غم

جس کو پی کر میں بھی اپنی زندگی سے بھاگتا پھرتا رہا۔

گفتگو سے فائدہ کچھ بھی نہیں لیکن مجھے

ہر اشارہ دام ہے الفاظ کا

جس میں طائر پھڑپھڑاتے، پھڑپھڑاتے چیختے،

چیختے ہی چیختے خاموش ہو جاتے ہوئے

جان لیتے ہیں کہ اب وہ رات ہی درماں بنے گی، درد کے ایثار کا

جس کے بکھرے دامنِ صد چاک میں

پھول کی بھیگی ہوئی پتی پہ بوندیں اوس کی
ساتھ لاتی ہیں گداز روح کی ہلکی مدحت کو
چکھ کے کہتی ہے زباں کیوں اب کہو
اوس کی بوندوں میں نمکینی نہیں ؟

دیکھ، دُور —
یک تنہا ناؤ بحرِ نیلگوں پہ رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے آ رہی ہے پاس دیکھ
دور کی چیزیں بھی یوں
باتوں باتوں میں قریب آجائیں گی کیا تھی خبر!
دیکھ لو —
رشتۂ عہد تخیل بند تھا
کھُلنے لگا،
رفتہ رفتہ اک نئی صورت نظر آنے لگی
اک نئی صورت مگر کچھ نقش تو مانوس ہیں
دور ہر لمحے سے ابھر آنسو سے قصرِ سیمگوں ایستادہ ہے
اور اس کی چھت میں دو فانوس ہیں

خیال دہلی

شراب

فضول ہے
یہ گفتگو فضول ہے
نگاہ دیکھتی ہے طاق میں رکھی ہیں چند بوتلیں
چلو چلیں
چلو چلیں جہاں ہمیں خیال ہی نہ آئے زندگی نظر کی بھول ہے
چلو چلیں جہاں یہ در، یہ دستکوں پہ دستکیں سنائی ہی نہ دے سکیں،
جہاں یہ روزنِ زبوں نگاہ کی مخاصمت نہ کر سکے
جہاں کھلی فضا، —— کھلی فضا کہ جیسے کوئی کہہ رہا ہو —— آئیے، ——
یہ کہہ رہی ہو...... آئیے، کھلی فضا ہے یہ، یہاں تو آئیے

مگر کھلی فضا میں بھی کبھی گڑھے، کبھی ستادہ پیڑ کہہ رہے ہیں دیکھئے
یہ گفتگو فضول ہے
فضول ہے
نگاہ دیکھتی ہے طاق میں رکھی ہیں چند بوتلیں

چلو چلیں
جو گود ماں کی تھی وہ ماں کی گود تھی
وہاں ہر ایک بات جو فضول تھی وہ ایک بھول تھی
نگاہ دیکھتی ہے طاق میں رکھی ہیں چند بوتلیں

چلو چلیں
بہن یہ کہہ رہی تھی اب تو آپ گھر بسا ہی لیں
میں سوچتا تھا کس کا گھر، ہمارا گھر، تمہارا گھر
اور اس پہ بھائی بول اٹھا۔ فضول ہے یہ گفتگو فضول ہے
نگاہ دیکھتی ہے طاق میں رکھی ہیں چند بوتلیں

چلو چلیں جہاں نہ کوئی طاق ہو نہ چند بوتلیں، جہاں نہ کہہ سکیں، چلو چلیں
یہ گفتگو فضول ہے
مگر وہاں کوئی گڑھا نہ ہو نہ کوئی پیڑ ہو
وہاں سکونِ آخری سے جا ملیں

مگر یہاں بھی طاق پر رکھی ہیں چند بوتلیں

ہمارا ادب لکھنؤ

طالبِ علم

تمھیں معلوم ہے تیمور کی فوجیں جس وقت
اپنے دشمن پہ بڑھا کرتی تھیں
عورتیں پیچھے رہا کرتی تھیں
اور جو عام تھے، فاضل تھے ان انسانوں کا جرگہ سب کے
پیچھے پیچھے ہی چلا کرتا تھا
کس لئے، سب کو رہِ زیست پہ ہر گام بڑھانے والے
سب سے پیچھے ہی چلا کرتے ہیں
علم میں ایک ہی بنیادی کمی ہے، ورنہ
علم ہر ایک زمانے میں ہر ایک شے سے ترقی پاتا
آج اقبال یہ کہتا ہے کہ عورت ہی کا شعلہ وہ جس سے یونان
حشر تک علمِ فلاطون سے رہے گا زندہ
آج اسکول میں کالج میں مقامِ اوّل
عورتوں کے لئے مخصوص کئے جاتے ہیں
آج انگریزی پڑھی جاتی ہے، جغرافیہ، تاریخ ــــ ہر اک علم یہاں

ایسے استاد سکھاتا ہے کہ جیسے ہم کو
یہی معلوم نہیں ہے کہ جو عالم تھے، جو فاضل تھے ان انسانوں کا جرگہ سب سے
پیچھے پیچھے ہی بڑھا کرتا تھا
عورتیں ان سے ذرا آگے رہا کرتی تھیں
عورتیں آج بھی آگے ہی رہا کرتی ہیں
عورتیں آج بھی کہتی ہیں ہمارے گیسو
چاہے بکھرے ہوں کہ ایک جُوڑے میں پابند کئے بیٹھے ہوں
دیکھنے والوں کی ناکام تمناؤں کو
ایک ہی ہاتھ کے پابند ہوا کرتے ہیں
وہی اک ہاتھ جو تلوار کو پہلو میں لئے
سب سے آگے ہی چلا کرتا ہے!
اس کو کچھ علم کی پروا نہیں، (عورت کی بھی پرواہ کیا ہے!)
اس کو کچھ علم نہیں کیسے فلاطوں پل میں
اک شررِ جن کے بجھا کرتا ہے

سامنے تو ہے مگر تیرا منور چہرہ
مُجھی جاہل کو نظر آتا ہے
ہر یہ کہتا ہے کہ تیمور کی فوجیں جس وقت
اپنے دشمن پہ بڑھا کرتی تھیں
عورتیں پیچھے رہا کرتی تھیں
اور جو عالم تھے جو فاضل تھے وہ یہ سوچتے تھے

ہار کس شخص کی ہے، جیت ہے کس کی ـــــ چھوڑو
ہم بھی کن چھوٹی سی باتوں میں الجھ بیٹھے ہیں
چلتے چلتے مجھے تیزی سے خیال آیا ہے
تیرا یہ جُوڑا جو کھل جائے، بکھر جائے تو پھر کیا ہو گا
میری تاریخ کہ تیری تاریخ
پھیل کر آج پہ (اور کل پر بھی) چھا جائے گی
سوچنے والے کو اک پل میں بتا جائے گی
عورتیں پیچھے اگر ہوں بھی تو آگے ہی رہا کرتی ہیں
اور فلاطوں کا چچا ہاتھ میں تلوار لئے آگے بڑھا کرتا ہے
لو! وہ جُوڑا بھی فلاطوں ہی سے کچھ کہنے لگا
اور رستے میں اُسے کون ملے گا ـــــ تیمور
اور وہ اُس سے کہے گا کہ یہاں کیوں آئی؟
جا، میرے پیچھے چلی جا کہ ترے پیچھے ہمیشہ ہر دم
علم یوں رینگتے ہی رینگتے بڑھتا جائے
جیسے ہر بات کے پیچھے ہر بات
رینگتے رینگتے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے
اور ہر ایک فلاطوں جو شرر بن کے چمکتا ہے وہ سٹ جاتا ہے

سوغات بنگلور

مجھے گھر یاد آتا ہے

سمٹ کر کس لئے نقطہ نہیں بنتی زمین ؟ کہہ دو !
یہ پھیلا آسماں اس وقت کیوں دل کو لُبھاتا تھا ؟
ہر اک سمت اب انوکھے لوگ ہیں اور ان کی باتیں ہیں
کوئی دل سے پھسل جاتی کوئی سینہ میں چبھ جاتی
انہی باتوں کی لہروں پہ بہا جاتا ہے یہ بجرا
جسے ساحل نہیں ملتا
میں جس کے سامنے آؤں، مجھے لازم ہے ہلکی مسکراہٹ میں کہیں یہ ہونٹ "تم کو
جانتا ہوں" دل کہے "کب چاہتا ہوں میں"
انہی لہروں پہ بہتا ہوں مجھے ساحل نہیں ملتا

سمٹ کر کس لئے نقطہ نہیں بنتی زمین، کہہ دو
وہ کیسی مسکراہٹ تھی، بہن کی مسکراہٹ تھی، میرا بھائی بھی ہنستا تھا
وہ ہنستا تھا، بہن ہنستی ہے اپنے دل میں کہتی ہے

یہ کیسی بات بھائی نے کہی، دیکھو وہ اماں اور ابا کو ہنسی آئی
مگر یوں وقت بہتا ہے تماشا بن گیا ساحل
مجھے ساحل نہیں ملتا!

سمٹ کر کس لئے نقطہ نہیں بنتی زمیں، کہہ دو
یہ کیسا پھیر ہے، تقدیر کا یہ پھیر تو شاید نہیں لیکن
یہ پھیلا آسماں اس وقت کیوں دل کو لبھاتا تھا؟

حیاتِ مختصر سب کی بہی جاتی ہے اور میں بھی
ہر اک کو دیکھتا ہوں مسکراتا ہے کہ ہنستا ہے
کوئی ہنستا نظر آئے کوئی روتا نظر آئے
میں سب کو دیکھتا ہوں، دیکھ کر خاموش رہتا ہوں
مجھے ساحل نہیں ملتا!

سوغات بنگلور

عدم کا خلاء

ہوا کے جھونکے ادھر جو آئیں تو ان سے کہنا
یہاں کوئی ایسی شئے نہیں جسے وہ لے جائیں ساتھ اپنے
یہاں کوئی ایسی شئے نہیں جسے کوئی دیکھ کر یہ سوچے
کہ یہ ہمارے بھی پاس ہوتی۔

یہاں کوئی راہرو نہیں ہے نہ کوئی منزل
یہاں اندھیرا نہیں، اجالا نہیں، کوئی شئے نہیں ہے۔
گذرتے لمحوں کے تشنہ پاؤں اس جگہ پہ پے بہ پے رواں ہیں
ہر ایک شئے کو جھلستے جاتے، ہر ایک شئے کو جلاتے جاتے، مٹاتے جاتے،
ہر ایک شئے کو سُجھاتے جاتے کہ کچھ نہیں ہست سے بھی حاصل

ہوا کے جھونکے ادھر جو آئیں تو ان سے کہنا
یہ سب معابد، یہ شہر، گاؤں
فسانۂ زیست کے نشاں ہیں

مگر ہر اک در پہ جا کے دیکھا' ہر ایک دیوار روند ڈالی' ہر اک روزن کو دل سمجھ کر
یہ بھید جانا

گذرتے لمحوں کے آتشیں پاؤں ہر جگہ پے بہ پے رواں ہیں
کہیں مٹاتے، کہیں مٹانے کے واسطے نقش نو بناتے
حیاتِ رفتہ، حیاتِ آئندہ سے ملے گی یہ کون جانے۔
ہوا کے جھونکے اِدھر جو آئیں تو ان سے کہنا
ہر جگہ دام' دوریوں کا بچھا ہوا ہے
ہر اک جگہ وقت' ایک عفریت کی طرح یوں کھڑا ہوا ہے
کہ جیسے وہ کائنات کا عکسِ بے کراں ہو۔
کبھی فریبِ خیال بن کر، کبھی کبھی بھول کر شعورِ جمال بن کر
شکار کی ناتواں نظر کو لُبھا رہا ہے
ہر ایک شئے سے میرا نشانِ عدم عیاں ہے
عدم بھی دریوزہ گر ہے میرا' میرے ہی بل پر رواں دواں ہے

ہوا کے جھونکے اِدھر جو آئیں تو ان سے کہنا
فسانۂ زیست کا جھلستا ہوا اُجالا بھی مٹ چکا ہے
مگر وہ مٹ کر کوئی اندھیرا نہیں بنا ہے
کہ اس جگہ تو کوئی اندھیرا نہیں' اجالا نہیں' یہاں کوئی شئے نہیں ہے۔

اظہار بجیبی

جسم کے اُس پار

اندھیرے کمرے میں بیٹھا ہوں
کہ بھولی بھٹکی کوئی کرن آ کے دیکھ پائے
مگر سدا سے اندھیرے کمرے کی رسم ہے کوئی بھی کرن آ کے دیکھ پائے،
بھلا یہ کیوں ہو؟

کوئی کرن اِس کو دیکھ پائے تو اُس گھڑی سے
اندھیرا کمرہ اندھیرا نہیں رہے گا
وہ ٹوٹ کر تیرگی کا اک سیلِ بے کراں بن کے بہہ اٹھے گا
اور اُس گھڑی سے اس اُجالے کا کوئی مخزن بھی روک پائے بھلا یہ کیوں ہو؟
ہزاروں سالوں کے فاصلے سے یہ کہہ رہا ہوں
ہزاروں سالوں کے فاصلے سے مگر کوئی اس کو سُن رہا ہے، یہ کون جانے؟

•

سیاہ بالوں کی تیرگی میں تمہارا ماتھا چمک رہا ہے
تمہاری آنکھوں میں اک کرن ناچ ناچ کر مجھ سے کہہ رہی ہے

کہ میرے ہونٹوں میں ہے وہ امرت

ہزاروں سالوں کے فاصلے سے جو رِس رہا ہے

مگر یہ سب سال نور کے سال تو نہیں، تیرگی کے بھی سال یہ نہیں ہیں

یہ سال تو فاصلے کی پیچیدہ سلوٹیں ہیں

اندھیرا کمرہ اندھیرا کیوں ہے؟

تمہارے بالوں کی تیرگی میں نگاہ گم ہے

یہ بند جوڑا جو کھُل کے بکھرے تو پھر کرن بھی سنور کے نکھرے

تمہارا ملبوس اک سپیدی پہ دھاریوں سے نکھار رہا ہے

اندھیرے کمرے میں جب کرن آئی، تیرگی دھاریاں بُنے گی

اور اُس کرن سے اندھیرا پل بھر اُجالا بن کر پکار اٹھے گا

کہ بھولی بھٹکی یہاں کبھی تیرگی بھی آئے

ہزروں سالوں کا فاصلہ تیرگی بنا ہے

تمہارے ہونٹوں پہ گیت کے پھول مسکرائے کہ تم نے اپنے لباس کو یوں
اتار پھینکا

کہ جیسے راگی نے تان لی ہو

تمہاری ہر تان تیرگی کی سیاہ دھارا بنی ہوئی ہے

کوئی کرن اس سے پھوٹ پائے، بھلا یہ کیوں ہو؟

سیاہ کمرہ تمہاری تانوں سے گونجتا ہے

(ہزاروں سالوں سے گونجتا ہے)

سیاہ کمرہ تمہارے بالوں کی تیرگی سے چمک رہا ہے
سیاہ کمرہ لباس کی ہر اچھوتی کروٹ سے کہہ رہا ہے
یہاں تم آؤ، یہاں کوئی تم کو دیکھ پائے، نہیں یہ ممکن
یہاں کرن آئی تو وہ فوراً اندھیرے کمرے میں جا چھپے گی
اور اس پہ دھارا لباس کی یوں بہے گی جیسے
اندھیرا کمرہ اندھیرا کمرہ کبھی نہیں تھا
وہ اک کرن تھی

اخبار بمبئی

لرزشیں

سکوں کا سایہ ابھی اس طرف سے گذرا تھا،
یہ کون؟ —— آج بھی تم دوریوں کو طے کر کے
اُسی طرح مرے خوابوں کو گدگداتے ہو؟
زمانہ سَر پہ کھڑا قہقہے لگاتا ہے
ہجوم —— سَرد، خموش،
کبھی تو دُور سے تکتا ہے مسکراتا ہے
کبھی قریب جو آئے تو جیسے ایک خیال
اندھیری رات کی تنہائی میں ڈراتا ہے
وہ آگے بڑھتے ہی جلدی سے لوٹ جاتا ہے

ہجوم کب ہے؟ جھجکتا ہوا خیال ..... جھجکتا ہوا خیال تو ہے!

تمہیں بھی میرے ستانے میں لطف آتا ہے ــــ
تمہیں بھی شوق یہ ریزِ دروں بناتا ہے ــــ
کہ ایک تڑپ کو، دوامِ حیات کہتے ہیں ؟

ہجومِ جہل کی بکھری ہوئی نمائش ہے
ہجوم قتل کی جرأت نہ ہو تو دور سے ہی
ہزاروں پارۂ سنگ
اٹھا کے پھینکتا ہے اور بھول جاتا ہے
کہ ایسے اپنی جہالت کے نقشِ محکم کو
سوار، وقت کا وہ ہم عناں بناتا ہے
شکار، خونِ رگِ دل کے پھوٹ پڑنے پر
سکوں کے سایۂ خاکی میں ڈوب جاتا ہے

سکوں کا سایہ نہ تھا، تم نہ تھے، وہ میں بھی نہ تھا،
یہ چند لمحے تھے جو وقت سے جدا ہو کر
ہمارے دورِ مکاں میں گداز لائے تھے
اور اب ہمیشہ کو اک کاہشِ بقا ہو کر
اُدھر ہی لوٹ گئے جس طرف سے آئے تھے

ایشیا، بمبئی

تمھی کو آج مرے روبرو بھی ہونا تھا
اور ایسے رنگ میں جس کا کبھی گماں بھی نہ ہو
نگاہ تند، غضب ناک دل، کلام درشت

چمن میں جیسے کسی باغباں کی آنکھوں نے
روش کے ساتھ ہی ننھے سے ایک پودے کو
شگفتہ ہو کے سنورتے نکھرتے دیکھا ہو
مری تمھاری کہانی یہی کہانی ہے

روش پہ سر کو اٹھائے ہر ایک سوچ سے دور
میں اپنی دھن میں مگن تھا ہر ایک تازہ قدم
مرے افق پہ چمکتے ہوئے ستارے کی
ہر اک کرن کو میرے پاس لائے جاتا تھا
مجھے نہ خار کا اندیشہ تھا نہ ٹھوکر کا
مگر یہ بھول تھی میری، وہ خود فراموشی

مرے ہی سامنے آئی ہے اور صورت میں
نگاہ تند، غضب ناک دل، کلام درشت
مگر اب اس کی ضرورت نہیں میں سوچتا ہوں
تمہی کو آج مرے رد بردنہ ہونا تھا
جہاں میں اور بھی تھے مجھ سے تم سے بڑھ کے کہیں
جو اجنبی تھے جنہیں اجنبی ہی رہنا تھا!

مجھے کسی نے بتایا ہے آپ کے یہ دوست
ہمیشہ رات گئے اپنے گھر کو آتے ہیں
لبوں سے سیٹی بجاتے ہیں گنگناتے ہیں
"کسی کی آہ کسی کے کرم سے مشتق ہے"

میں تجھ سے کہتی ہوں بہنا یہ کیا زمانا ہے
"نہ اپنے نام کا کچھ پاس ہے نہ گھر کی لاج
گئے مہینے سے ہر روز رات کو چھپ کر
ہماری بی بی کسی مردوئے سے ملتی ہے"

مجھے یہ فکر نہیں، نوکروں کو عادت ہے
کہ پر کو کوا بناتے ہیں رائی کا پربت
بس ایک دھیان کسی تیر کی طرح سیدھا
یہ سوچ بن کے مرے دل میں آ ٹھہرتا ہے
یہی ہے جس کا کبھی نام لاجونتی تھا

پران دان کی پہیلی

عقلی قوّت سے باہر

ہاں، ایک انوکھا منظر

من موہن، پیارا جادو — جیسے ساون کے بادل،

جیسے بادل کے آنسو — جیسے برکھا کا منگل۔

یا اندر دھنش کی لہریں — رنگوں کی پیاری نہریں۔

یا جیسے ہو پَو پھٹتی — اور گستاخی سورج کی۔

لیکن سب ایسی باتیں — اندھی، انجانی راتیں

نظروں سے اوجھل چھپ کر — نظروں سے اوجھل چھپ کر۔

اک دل میں ایسا جذبہ: — ہر شئے میری — میری ہے،

میں ہوں اک ایسا نغمہ، — جس سے سب کو سیری ہے۔

اس مدماتے نغمے سے — نکلیں ہلکے شعلے سے
جیسے پریمی کے آنسو — جیسے موروں کی "پی ٹو"

اک دل میں ایسا جذبہ: — ہر شے تیری — تیری ہے
میں ہوں اک نازک ٹہنی، — لچکیلی، شرماتی سی۔
گھونگٹ کی ہلکی چلمن، — ہے لاج کا میٹھا بندھن،
جب یہ پردہ ہٹ جائے، — ٹہنی ٹوٹے، بل کھائے۔

بس، ایسی ہی یہ باتیں، — جیسے گیتوں کے گھر میں
گمبھیر صدا کی ماتیں — سارنگی کی تھرتھر میں۔
کچھ میٹھے بول، رسیلے — دل کو بہلانے والے
کچھ تیکھے بول، کٹیلے — دل میں بس جانے والے۔
اور تاروں کی ہر لرزش، — بے چین ہوا کی کاہش،
روتی، روتی، روتی سی، — دکھ دردوں میں کھوتی سی،
ہاں ایسے ہی، ایسے ہی — اک ناچ، اک ناچ، بہاؤ،
ہاں ایسے ہی، ایسے ہی — اک دل کا دارو، گھاؤ۔
ہر حرکت کا اُلجھاؤ — ہر حرکت کا پھیلاؤ
آہستہ سے، دھیرے سے، — آہستہ سے، دھیرے سے
جیسے ہو کہانی غم کی، — جیسے صورت ماتم کی،
جیسے روتے دکھیا کی — سسکی کی زنجیریں سی

ہچکی آئے تو ٹوٹیں — ہچکی آئے تو ٹوٹیں،
ہاں ویسے ہی، ویسے ہی، — ہاں ویسے ہی، ویسے ہی

اک سادہ سادہ، دیوانہ سا راگ ۔

خوابوں والی کیفیت
جیسے مندر ہیں کومل — ہلکے، بجتی ہو گھنٹی
چندا کے اُجیالے میں — پیڑوں کی اُلجھی شاخیں
نازک، ننھی شاخوں کے — کچھ دھندلے، دھندلے سائے
بکھرے بکھرے سے سائے — اُلجھے اُلجھے سے سائے
چھونے میں جیسے ملائم — کالے بالوں کا ریشم
یا جیسے آنکھیں دیکھیں — ہو چاندنی پیلی پیلی،
قدموں کے نیچے پھیلی
اک نور کہ بھید دل والا — کچھ دھولے دھولے دھبے
ہاں، اور کچھ مٹیالے سے — میلے اور من موہن سے
اک جھکی ہوئی سی گری — جیسے جسموں کی سنگت
کچھ راز کی باتیں، خلوت — دل کی دل ہی سے شوخی
جیسے سُونے جنگل میں — کچھ پنچھی مل کر گاتے۔
کچھ بے معنی سی باتیں
پھر وصل کی تابانی سی — اک نازک دل کی دھڑکن
اور سازوں کی جھنکاریں

---

۱ میراجی نے مسودہ میں "پیلے پیلے" لکھا تھا۔ نظرثانی کرتے وقت حاشیے میں "بکھرے بکھرے" لکھ کر اپنے دستخط کر دیئے ہیں۔ ج-ق

پھر اک پل کی بے رنگی   یا کیف کی تان سُریلی

اور جذبے ہی کی بلندی۔

اک شمع کہ بجھتی بجھتی،   اک تان کہ مٹتی مٹتی،

اور پھر اک سُست انجام،   جیسے ساحل کی جھاگ

اک ہلکا ہلکا جوش،   بیتاب مگر خاموش۔

ایسے جیسے مخمور،   مقصد سے کوسوں دُور،

اور پھر ان سب سے آخر،   اونچی اونچی دیواریں،

دیواروں پر عورت کے   جذبوں والے پیراہن،

لٹکے لٹکے، لہراتے،   ہلکے ہلکے بل کھاتے،

ہاں ایسے ہی، ایسے ہی،   ہاں ایسے ہی، ایسے ہی

اک سادہ سادہ، دیوانہ سا راگ!

(۲ــ۱۰ــ۱۹۳۳)

(بیاضِ میراجی)

تماشہ

پیتم! میں ہوں پریم مداری اک پل میں کھولوں گا پٹاری
ناگ اس میں سے نکلے گا کالا (صاف، چمکتا، زہری بھالا)
پریم کے پنچھی کو ڈس لے گا۔
پریم کا پنچھی سہما سہما، تیرے ہی پہلو میں ہوگا،
اور پھر بین بجاؤں گا میں ناگ کو ناچ نچاؤں گا میں
ناچ ناچ کر ناگ تھکے گا۔
بازو اُلجھیں گے بالوں میں۔ تیرے گلابی سے گالوں میں
سُرخی سفیدی بن جائے گی، نیند سی اک تجھ پہ چھائے گی۔
اور پھر جذبہ کروٹ لے گا۔
سُونی، آدھی رات کے لمحے یہ ساری باتیں دیکھیں گے،
میں جانوں گا، تو جانے گی بھید نہ جانے گا یہ کوئی،
سویا سورج جاگ اُٹھے گا۔

۱۹۳۲ء

(ریاض میراجی)

ایک مکالمہ

"میرے نربل ہردے میں یہ بات اُٹھی ہے چپکے سے،
"آپ ہمارے ہمسائے ہیں، آپ کی سیوا دھرم کا کام"

بیسوا گاہک سے کہتی تھی اُس نے گیانی، من میں سوچ۔
انگ میں ہے پتھر کی سختی، انگ میں بید کا میٹھا لوچ۔
انگ سے انگ لگا کر نر ناری بھولیں یہ جگ سارا،
گیان کی بوند کرے گی کیا، جب کام کی بہنے لگے دھارا!

"سستے مہنگے جیسے بھی ہیں، سب اچھے ہیں تیرے دام"
"جسم کی پیاس بجھے گی تجھ سے، رات اکٹھے لیٹے سے۔
"میں جب تجھ سے ملنے آیا سب کہتے تھے من میں سوچ؛
"میرا دل تھا اُن کو پتھر، تیرے آگے بید کا لوچ؛
"انگ سے انگ لگا دے، پل میں بھولوں میں جھنجٹ سارا،
"کام کی مدھ سے مست بنا دے، تو جیتی اور میں ہارا!"

۱۱-۸-۱۹۴۴ء

(بیاضِ میراجی)

بہانۂ بسیار

مانا کہ ہے شب تاریک
اور کالی گھٹا چھائی،
اور گاہے بگاہے اک تارا سا چمکتا ہے،
پردوں سے گھٹاؤں کے
وہ پردے جو ہیں باریک
اور جن میں ہے زیبائی!

مانا کہ ہے شب تاریک،
اور چاند نگاہوں سے
روپوش ہے، کھویا ہے،
ہے دل کی نظر دھندلی،

کیوں چھائی ہے بے بصری ؟
ناپاک ارادوں کی اس دل میں جگہ کیوں ہے ؟
جو عاقل و دانا تھا ان لمحوں میں مجنوں ہے !
دل ہے کہ یہ پہلو میں انگارہ دہکتا ہے ؟

مانا کہ ہے شب تاریک،
اور سرد ہواؤں میں
مستی سی ہے اک چھائی،
اور دھندلی فضاؤں میں
اک ایسی ہے رعنائی
جیسے کسی عورت کے مسلے ہوئے پیراہن !

ناپاک ارادوں کا کیوں آج ہے دل مسکن ؟
تنہائی ہے، تنہائی، اور تلخ اداسی ہے،
یہ جسم بھی پیاسا ہے اور روح بھی پیاسی ہے !

پھر کیسی یہ لغزش ہے ؟ پھر کیوں میں جھجکتا ہوں ؟
مانا کہ ہے شب تاریک،
خطرے بھی ہیں پوشیدہ،
پر میں ہوں جہاں دیدہ !

ہاں کیسی یہ لغزش ہے؟ ہاں کیوں میں لرزتا ہوں؟

افعال کو حرکت دوں سرگرمِ عمل ہو کر،
ناپاک ارادوں کو، میں بانگِ دہل ہو کر،
شہرت سے ملا ڈالوں۔

ناپاک ارادے تو فطرت ہی نے لکھے ہیں،
دنیا کو سنا ڈالوں،
گہرائی میں جو دل کی کچھ سوئے سے نغمے ہیں!

۲-۷-۱۹۳۴ء

(بیاضِ میراجی)

احساسِ ناکامی

یہ پوجا میری تباہی کا سامان مہیا کر دے گی،
میری جھولی کو سوکھی کلیوں اور پھولوں سے بھر دیگی۔
یہ مجھ بے کس کو دریا کے اُس پار تو کب پہنچائے گی
البتہ میری کشتی کو موجوں کے حوالے کر دے گی
میں اپنے دل کے جذبے کو دل ہی میں لئے سو جاؤں گا
یہ لمبی رات جدائی کی آنکھوں کو نیند سے بھر دے گی۔
وہ ایک دعا جو مانگی تھی اس دل نے تجھ سے ملنے کی
کب پوری ہو کر لوٹے گی؟ کب آ کر مجھکو خبر دے گی؟
یہ اندھی جوانی کے لمحے روتے روتے سو جائیں گے،
پھر میں اور میری قسمت دونوں سپنوں میں کھو جائینگے۔

۱۸-۱۰-۱۹۳۳ء

(ریاض میرا جی)

دعوت نامہ

آؤ آج بتاؤں میں دل کی گہرائی کا راز ۔
آؤ آج سناؤں میں ایک اچھوتا نغمۂ ساز ۔

آؤ مندر میں آؤ
میرے اس من مندر میں
ننھا موتی بن جاؤ
دل کے سُونے ساگر میں

آؤ ، ساگر میں دیکھو لہروں کی ہر کروٹ میں
اپنا چہرہ ۔ اپنا نام سُن لو ہر اک آہٹ میں

کب سے تنہا بیٹھا ہوں!
آؤ! اب آ بھی جاؤ ۔
تم بن چُپکا چُپکا ہوں
آؤ دو باتیں کر لو ۔

آؤ چُپکے سے سُن لو ہچکی کھاتے نغموں میں!
اپنا ننھا ، پیارا نام! میرے دل کے گیتوں میں!

۱۹۴۴-۱۱-۱

(ریاض میراجی)

خودنفسی

جوانی میں ساتھی ہے جو اضطراب،
نہیں کوئی اس کا علاج،
مگر ایک عورت۔

کھلے جب نہ مجھ پر وسیلوں کا باب،
ملے جب نہ چاہت کا تاج،
تو پھر کیا کروں میں؟

مگر کیوں سہارا رہے غیر کا؟
کہ تسکیں کو جب ڈھونڈلے
میرا دل خودی میں،

خیالوں میں تسکیں کو ڈھونڈا کیا،
تصور کے پر جا ملے،

27

جنوں کی فضا سے۔

تخیل میں خلوت کی دلچسپیاں
نہ اس دل کے کام آسکیں،
نہ اُن سے ہوا کچھ۔

وہ بے نام، بے رنگ سی گرمیاں،
خیالوں میں آئیں، گئیں،
نہ آیا سکوں ہی۔

میں اب کھیل کھیلوں گا ایسا کوئی،
کہ دل میں سکوں آ بسے،
(گناہوں میں کیا ہے!)

میں دیکھوں گا اب اپنی قوت سے ہی
وہ منظر جو ہیں رات کے،
وہ نشّوں کے جمگھٹ!

۱۰-۱۱-۱۹۳۴ء

(بیاضِ میراجی)

دو نقشے

۱۔ جوانی (عورت)

دیکھو دیکھو، کیا ہوا،
دل سے دل ہلا ہوا
زور سے دھڑک اٹھا، شعلہ اک بھڑک اٹھا،
شعلہ بجھ نہ جائے گا؟
اور بجھ گیا، تو پھر خاک لطف آئے گا!
آہ! بجھ گیا تو پھر؟!

اب تو مان جائیے، اب نہ یوں ستائیے،
ہات جوڑتی ہوں میں، پاؤں چومتی ہوں میں،
ہائے، اب تو چھوڑ دو، بس ہنسی رہے ہیں، دیکھو، دیکھنا! کہیں،
چوڑیاں نہ توڑ دو۔

۲۔ بڑھاپا (مرد)

اب تو اور بات ہے
اور یہی تو پیت ہے
اور یہی تو گیت ہے
اور یہی تو رات ہے،
اور کیسے جلیئے؟
اور کیسے مانیئے؟
حوصلہ کہاں سے لائیں؟
ولولہ کہاں سے لائیں؟

۱۔ ۱۲۔ ۱۹۴۳ء

(بیاضِ میراجی)

نیرنگِ خیال

کسی کے بدن کو لجانے کی آشا
میرے دل کے جُھولے میں سوئی ہوئی تھی۔
تڑپ کر اُٹھی ہے وہ، ہلنے لگا ہے
مِرے دل کا جُھولا، مِرے دل کا جھولا۔
وہ جب تک خموشی میں کھوئی ہوئی تھی
نہ بے چین تھی وہ، نہ بے چین جھولا۔
کسی کے بدن کو لجانے کی آشا تڑپ کر اُٹھی اُس نے آنکھوں کو کھولا،
مگر وہ بدن ہی نہیں پاس میرے، ہے بے چین دل یعنی آشا کا جُھولا۔

•

مِرا دل محبّت کا پیاسا ہے لیکن محبّت ہے جس کی وہ ہے دُور مجھ سے،
اگر پاس ہوتی تو بے اعتنائی ہم آہنگ فطرت سے اُس کی ہوئی ہے،
مِرے دل کی آشا ہے نادان، بھولی، یہ کیوں اپنے بستر پہ جاگی ہوئی ہے؟

ہے بے چین آشا مرے دل کے اندر
مگر بند ہے آہ! دیوی کا مندر
نہیں کوئی دارو مرے دل کے دُکھ کا،
مجھے کیسے حاصل ہو آکاش سُکھ کا؟

چھوؤں میں، چلوں میں، کہیں تیرہ و تار رستوں پہ چل دوں،
(محبت کی توہین ہوگی) جو دل میں دبا ہے اُگل دوں۔
مگر ایسے تسکیں کو پائے گا دل بھی
تقاضا یہ ہے میرے دل کا کہ کلیوں میں نکہت چھپی ہے
اُسے راحتِ جاں بناؤں۔
مگر یہ نہیں بات بس کی؛
میں پھولوں کے رس کی
انوکھی، اندھیری گلی میں چلوں گا۔
کسی کے بدن کو لجانے کی آشا تڑپ کر اٹھی تھی،
مگر ہاں، شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا
کہ چہرے کو چھوتا ہے دیوی کا دامن،
کہ ہے وہ گناہوں کے مندر کی بے بس پجارن کا آنچل!
جو دیوی کے ننھے کنول تھے،
وہ ہوں گے یہاں گرچہ پتّے کنول کے،

اور افسوس! ننھی کلی بھی
شگفتہ سا اِک پھول ہوگی'
اور اُس پیرہن کی لطافت
یہاں بن گئی ہوگی خواہش کے انجان تیروں کا مسکن'
مگر ہاں' شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا۔
اگر یوں چلوں میں
اندھیری گلی میں
تو دیوی کا دامن
ہمیشہ مری دسترس میں نہ آئے گا' لیکن
شرابوں کے جھونکوں میں مجھکو
نہ محسوس ہوگا۔

۲-۱-۱۹۳۵ء

(بیاضِ میراجی)

ایک گیت

آہ! اگر میں اب جا پہنچا کلکتے کی بستی میں
پھر دیکھوں گا پہلے جوشِ جنوں کو اپنی ہستی میں
اور پکار اٹھوں گا سانولے رنگ روپ کی مستی میں

آہ! یہیں ہیں، آہ! یہیں ہیں دیوانہ کرنے والے۔

اور پھر جاؤں گا گنگا کے جوش میں اندھے کنارے پر
ناامیدی کی دیوی کے اک مبہم سے اشارے پر
یوں چلّا کے بہا دوں گا اپنی ہستی کو دھارے پر

آہ! یہیں ہیں، آہ یہیں! بے باکانہ مرنے والے۔

۵-۱-۱۹۳۵ء

(میراجی)

بے تکلف عریانی' بے حجاب جنسیت

بے تکلف عریانی ' بے حجاب جنسیت '
زندگی کے ساتھی ہوں' زندگی بنے راحت!
پہلے ' جھوٹے اور نربل بندھن ٹوٹ ہی جائیں'
سچے اور نئے ' بیباک لمحے جیون میں آئیں!
پہلے جو بہانے تھے بزدلی کی باتوں کے '
اب وہ سب فسانے ہوں بیتی' بھولی راتوں کے!
بدلا وقت ' دل بدلے' بدلی ساری دنیا ہی '
ہاں' بدل ہی جائیں گے' عہدِ نو میں ہیں ہم بھی!
ماضی کے جذبے کیسے زینت ہوں مستقبل کی ؟
دل میں اپنے جذبے ہیں' ہم ہیں رونق محفل کی!

۱۹۳۵ء

(بیاضِ میراجی)

پہلی عورت

تم نے مجھے قوّت دے دی ہے
تم نے مجھے ہمّت دے دی ہے اس دُنیا میں جینے کی۔
اس لمحے سے پہلے میری زیست سفیدی تھی، بے داغ۔
تم ہو پہلا نشاں، تم زینت میرے دل کے نگینے کی۔
تم نے کم کی ہے، ہاں تم نے، خونیں اذیّت سینے کی۔
تم نے مجھے دے دی ہے طبیعت پریم کی مے کے پینے کی
اس لمحے سے ہے آغاز
ہر لمحے میں نیا اِک راز جانوں گا

دنیا کالی کالی، اندھیری، میرے لئے تھی اِک پاتال۔
اب دیکھوں گا، اب دیکھوں گا رنگ برنگا حُسن کا باغ۔
اب دوڑیں گے اِک وسعت میں بے بس اور کم زور خیال

اب ہو گی میری پرواز!
اور میں انوکھے وحشی ساز سُن لوں گا

تم نے دیا ہے جوشِ جنوں اور تم نے دکھائی وہ بستی،
حاصلِ عمر ہے جو دنیا میں، جس میں حاصل ہے مستی،
مستی، جس کے ہونے ہی سے ہستی ہے کارِ ہستی!
تم ہو، تم ہو، ہاں ہاں تم ہو، تم ہو میرے رستے کا چراغ!

تم نے دکھائے چاند ستارے، تم نے دکھایا ہے آکاس،
تم نے دکھائے منظر پیارے، تم نے موہن، مست لباس،
تم نے مجھے دے دی ہے ترقی،
تم نے صلاحیت دی مجھکو اس دنیا میں جینے کی!
تم نے مجھے ہمت دے دی ہے پریم کی مے کے پینے کی!

۲۵-۱-۱۹۳۵ء

(ریاض میراجی)

ممانعت

لرزاں، رقصاں چیزوں کی — سیمابی فطرت کا ناچ — دیکھو گے ؟
رات کے سُونے لمحوں کی — اک فانی راحت کا ناچ — دیکھو گے ؟
لیکن سُن لو، جنسی ناگ — زہری ہے !
اور میٹھی باتوں کا راگ — تلخی ہے !
آخر کو پچھتاؤ گے ——،
رو رو کر سو جاؤ گے !

مست، منوہر، متوالا، — میٹھا، من کو بھاتا گیت — گاؤ گے ؟
بے بس، ننھی یادوں سے — ہر شئے جی سے بھلاتا گیت — گاؤ گے ؟
لیکن سمجھو! ایسی بات — غلطی ہے !
سُندر، سُکھ سیجوں کی رات — دُکھ کی ہے !

خاک نہ اس میں پاؤ گے،
رو رو کر سو جاؤ گے!

درد، اذیت ساتھی ہیں
ایسی راتیں لاتی ہیں
دکھ دے کر سکھ پاؤ گے،
اور جی میں شرماؤ گے!

ایسے پہلے لمحوں میں
آنسو! ایسے گیتوں میں

عورت سے، جو پیتم ہے!
راحت کا ظالم غم ہے!

۲۵-۱-۱۹۳۵ء

(بیاضِ میراجی)

شجرِ ممنوعہ کی ترغیب

آرزو، احساس جب شدت پہ ہوں
اک اشارہ چاہیئے،
تجھ سے ملنے کے لئے!
ایک لفظ!
"آؤ"
"آؤ"
ایک لفظ!
جس کے جادو سے مری بن جائے تُو!

اک اشارے کی ضرورت ہے مرے دِل کو، مگر
آسماں پر ہیں ستارے بے حساب!
یہ ــــ مرے دل کا رباب ــــ
ایک لفظِ مختصر کا نغمۂ جادو اثر
چھیڑ سکتا ہی نہیں!
کون سا اس آسماں سے میں ستارہ توڑ کر

تیرے کانوں کی لَے زینت بناؤں!

بارہا موقعے ملے
آہ! لیکن بے بسی
مجھکو کچھ کرنے نہیں دیتی کبھی،
اپنے دل پر ہو نہیں سکتا مجھے کچھ اعتبار!
کیوں نہیں اک نقطہ (بے معنی سہی)
تجھ سے میں کہتا کبھی؟
آ ـــــ من و تُو کا تقاضا چھوڑ کر
ایک ہو جائیں، کہ پھر
تجھ سے کچھ کہنے کی اس دل کو ضرورت ہی نہ ہو!

اِتّصال

ابتدائی گیت ہے اُس اشتہا کا جس سے یہ دنیائے دُوں،
آج باقی ہے! ـــــ بہ ایں حُسنِ رواں!
پیشتر اس کے کہ ہم ظاہر کریں
تیرے اور میرے خیال
آ ـــــ کہ ہو کر سرنگوں،
آج ـــــ
ہم اُس قدرتِ عاقل کو دیں اپنا خراج!

۲۷-۱-۱۹۳۵ء

(ریاضِ میراجی)

ایک کلی اور اُس کے مالی

جب آئی سرمست جوانی جیون تھا پُر کیف کہانی'
نیکی اور بدی کے جذبے دونوں میرے دل میں جاگے
دونوں جوشیلے، متوالے ناداں دل کو لبھانے والے'
لیکن بات ہے سب نے مانی سُندر، میٹھی' پاپ کی بانی۔
ان دونوں اَن مِٹ جذبوں نے اُلجھن کے سو بندھن ڈالے'
بھول گئی نیکی کی بستی دل پہ چھائی پاپ کی مستی۔

جب اُجیالی راتیں آئیں موہن، میٹھی باتیں آئیں'
چندا آئے، آئے تارے آئے منظر پیارے پیارے'
چھُپتے اور شرماتے لمحے آئے، مستی لاتے لمحے'
آئے دل پہ چھاتے جذبے اور مدہوش بناتے جذبے'
آہ! اچانک چمکی بجلی میں سُونے آنگن میں پہنچی

سب نظروں سے بچتے بچاتے　　چلتے چلتے، رُکتے جاتے
پاؤں کے زیور کھول کے ہیں نے　　ہاتھوں میں ہی تھامے ہوئے تھے
پھر وہ آئے، پریتم آئے　　گاتے ہوئے، متبسم آئے۔
اُن پنہاں لمحوں کی راحت　　اُن رقصاں گیتوں کی راحت
چھائی، چھائی میرے دل پر　　میں پہنچی اپنی منزل پر۔
دو انمول اور بھولی روحیں　　دو انجان، اچھوتی روحیں
اک بلوان اور ایک سجیلی　　اک بیباک اور اک شرمیلی
ان مستی والے لمحوں میں　　ایک ہوئیں میٹھے گیتوں میں
کام گھٹائیں ہر سو چھائیں　　پریم کی وحشی موجیں آئیں
اک طوفاں آیا جھنجلاتا　　ہر شئے پل میں دور بہاتا۔
اُن کومل، بے بس لمحوں کا　　ساتھی وقت یہ منہ سے بولا؛
دو روحوں پر گھیرا ڈالا　　یہ طوفان ہے اندھا، کالا!
طاقت جیسے بگولے کی ہو　　زور ہیں آئے جھولے کی ہو؛
ہم تنکے تھے، ہم تھے ڈالی　　پریم کلی اور اس کا مالی!
رس کی بھیگی مستی چھائی　　ہوش گیا، مدہوشی آئی۔
کام کا سندر مندر اپنا　　پریم کا گہرا ساگر اپنا،
اک میٹھا احساس مرا تھا　　اور پریتم کا پاس مرا تھا۔
پریتم کی پیاری سرگوشی　　آنکھ جھپکتے ہیں لے ڈوبی
آنندوں کا جھرمٹ آیا　　لاج کا بیری گھونگٹ اترا۔

سانسوں نے طوفان سے سیکھا — تند اور تیز انوکھا نغمہ۔
پریم کی مدھ نے ڈالے گھیرے، — اس نے میرے بال بکھیرے۔
میٹھا، سیتل گیت سُنایا! — دل کو اپنے دل سے لگایا۔
گالوں پر اک سُرخی چھائی، — اور ہونٹوں سے پیاس بجھائی،
تلخ اور تیز انوکھا جذبہ — اُس کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔
دل میرا لہرا کر بولا! — "تیرا میرا پریم ہے سچّا۔"

سُست اور چنچل انگوٹی کھوئی — مستی آنکھوں میں آ سوئی۔
ختم ہوا میٹھا افسانہ — پریم کی متوالی حرکت کا،
اور آنکھوں کے پیغاموں کا — پیتم نے میٹھے ناموں کا
یار مری آنکھوں کو دکھایا — اور مجھے سرمست بنایا
قول انوکھے، میٹھے میٹھے، — دونوں کے ہونٹوں پر ناچے۔
اور چمکے آکاش پہ تارے، — چندا ہو گئے اور اُجیالے!
اُس نے پھسلاتے بولوں میں — دل کو گرماتے بولوں میں
میرے روپ کے نغمے گائے — نغمے دل میں جوش کو لائے۔
زور انوکھا مستی کا تھا، — پران کا دان انہیں دے ڈالا،
خوشیوں کی پوری مدہوشی — میرے کومل دل پر چھائی۔
رات کٹی ایسے سپنوں میں، — سُکھ کے متوالے گیتوں میں،

اور جب صبح کی دیوی آئی، — چونک کے اپنی سیج پہ جاگی،

کرنوں کا اک جال انوکھا سورج کی گرمی سے چھایا۔
لیکن میرا پہلو سُونا، اور میں اکیلی، چپکی، تنہا۔
بیتے سال کئی تب جانی نرناری کے پھیر کی بانی۔
میں نے لاکھوں داؤ کھیلے، درد کے تیر بھی دل پر جھیلے،
لیکن لوگوں نے سمجھایا کب ہے جگ میں سکھ صدیوں کا؟
اب ہے کام میرا کیا بولوں؟ بھید کو بھید رکھوں کیوں کھولوں؟

پھول بنیں جب کلیاں کھل کر بن جائیں بازار کے جوہر۔
کوئی نہ پرکھے اس جوہر کو دیکھے، ٹھہرے، چل دے گھر کو۔
جیون ایسے دھیرے دھیرے ہلکی چال سے چلتا جائے۔
ہم تکتے ہیں، ہم ہیں ڈالی پریم کلی اور اس کے مالی!

۲۹-۱-۱۹۳۵ء

(ریاضِ میراجی)

خوابوں کا جھولا

پہلے پُرانی رسمیں کر کے — تعبیروں کو بس میں کر کے
گیت اُٹھا میری شادی کا — اور دنیا کی آبادی کا۔

پھر سیریں سُونے جنگل کی — پریم کے متوالے منڈل کی۔
سیدھے سادے بھولے بھالے — کھیل انوکھے نادانوں کے،
اور پھر پریم کتھا کی باتیں، — بادل اور برکھا کی باتیں۔
پریوں کی انمول کہانی، — رنگ برنگی اور سہانی،
نرم، اچھوتے تیرے جذبے، — تند اور وحشی میرے جذبے!
لرزاں رقصاں ڈرتے نغمے — گرتے اور ابھرتے نغمے!
پریم کی اچھی اچھی باتیں — رُکتی، جھجکتی، میٹھی باتیں،
گیت رسیلے مدھ متوالے — اور مدہوش بنانے والے۔
جھلمل جھلمل کرتے، چھپتے، — اور دل کو گرمانے والے۔
دو ناداں روحوں کی نیکی — اور جنسی لمحوں کی نیکی۔
یکجائی بھی، اور یک رنگی، — دو ذہنوں کی ہم آہنگی،
موسیقی بھی، خوشبوئیں بھی، — نرم، لچکتی سی سیجیں بھی،
اور کچھ لمحے تیری باتیں، — پھر کچھ لمحے میری باتیں۔

تیری باتیں زہرہ، سُنبل! میری باتیں نغمہ، بلبل،

رنگیں ساری باتیں کر کے دل کو تازگیوں سے بھر کے

سیجوں کی میٹھی تیاری، اور ہلکے سپنوں کی سواری۔

کام کی باتیں، رات کی باتیں ایک انوکھی بات کی باتیں۔

لمبے، ڈھیلے ڈھالے دامن، موہن سنگاروں کا جوبن۔

تیرا پیتم بن کر کہنا!۔

(میرا مدھ مستی میں بہنا!)

"دل کی گرمی کے، خلوت کے، اے ساتھی میری چاہت کے!

دل کی ننھی سی خوشیوں میں، اچھی اچھی اُمیدوں میں،

میری روح کے ذرّہ اُجالے، میرے انگ سے انگ لگا لے!"

میرا پریمی بن کر کہنا!

(تیرا تھرکتے، سنتے رہنا!)

"تو ہے میرے دل کی رانی! میرے ذہن کی پاک نشانی!

"دُور ہوئے دُکھ درد، اندھیرے" کچھ بھی نہیں اب تیرا میرا۔

"تیرا جسم مری دولت ہے!" میرا جسم تری دولت ہے!

"پاک ہوئے ہیں، نیک ہوئے ہیں! اب ہم دونوں ایک ہوئے ہیں۔

"لمبے ڈھیلے ڈھالے دامن" دور ہوئے جسموں کے بندھن،

"آؤ جگ کو جی سے بھلائیں! ور ایشور کی اُستت گائیں۔

یہ کیا؟ یہ کیا؟ یہ سب سپنا!

بھولا! بھولا! میں۔ دُکھ۔ بپتا

۴-۲-۱۹۳۵ء

تحریک

تمہاری تمنا کا ہے میرے دل میں بسیرا،
اسی آگ میں جل رہا ہوں۔
اگر آؤ
رسموں کا اور لاج کا جھلملاتا سا گھونگٹ اٹھاؤ،
تو دیکھو گی، جانو گی پل میں
تمہارے لباسوں کے، زلفوں کے اور جسم کی خلوتوں کے ہی نشے میں
سرشار رہنا، مرے دل کی گہرائی کا بھید ہوگا۔

تمہاری، ان آنکھوں کا کاجل،
تمہاری نگاہوں کی مستی
یہی کہہ رہی ہے:
میرے بانکے پریمی! انوکھے کنھیّا! رسیلے بہاری!
مری یہ تمنا ہے آغوش میں آ بھی جاؤں تمہاری۔
مگر کب تمہاری محبت کی رنگیں سواری،
مرے آنچلوں کے تمنا سے بے تاب در پر،
جھجک اور دوری کے رستے کو پیچھے ہٹا کر،

بتاؤ کہ ٹھہرے گی اگر؟

مگر میں جو یُوں سُن رہا ہوں،
تمہاری اِن آنکھوں کے کاجل، تمہاری نگاہوں کی مستی کی باتیں،
اگر چپ رہا تو مقاصد کی منزل
مجھے کب ملے گی؟!
اگر میں نے موقع کے لمحوں میں جرأت کو دل سے بُھلایا،
یونہی زندگی بھر مری روح سوکھی تمنّا کے آتشکدے میں جلے گی۔

تو لو، اب ذرا تم بھی محتاط رہنا،
کہ آتا ہے دیوانہ جوشِ جنوں سا میں
محبت کے نغمے سناتا!
جھجک اور شرم و حیا کے جو ہیں ساز اُن سب کے تاروں کو جھنجلا کے پل میں
روپہلی، سنہری عجب بے خودی میں
یونہی ناچتا ناچتا، گاتا گاتا۔

بنوں گا تمہاری گھٹاؤں کا، زلفوں کا مہماں،
تمہارے خیالوں کی خلوت کے گہرے سکوں کو مٹا کر
میں اب جسم کے ایسے تاروں کو چھیڑوں گا جن سے
فضا میں پریشان و آوارہ ہوں گے وہ نغمے
چھپے ہیں بہت دور جو دسترس سے۔ ______

۱-۲-۱۹۳۵ء
(رسالہ ہمایوں)

اے چیتے

نرم رَو ! اے گرم خون والے !

شکار

تیرا، جنگل میں نہیں آیا ابھی !

انتظار،

ایک لمحے انتظار،

آئے گا،

اس کا حکم مرگ اس کو لائے گا،

اور تیرا کام یوں بن جائے گا !

دیکھ، سونی جھاڑیوں میں تو سنبھل کر چل، کہیں

سُن کے چوکنا نہ ہو جائے، ترا بے بس شکار !

(میں ہوں تیرا غم گسار !)

ناگنی!
بنسری
کیوں نہیں اب تک بجی؟
بیچ کر بازار میں حُسن و محبّت کی بہار،
تیری عُمرِ مختصر کو ہے قرار!
انتظار،
ایک لمحے انتظار!
آئے گا،
جنس کا جذبہ اُسے یاں لائے گا،
اور تیرا کام یوں بن جائے گا۔
دیکھنا!
موسیٰ زیبا نشیں، دل کش سنگار،
تیرے جسمِ پُر خطر کے ساتھ ہوں،
ورنہ احمق دل شکستہ جائے گا،
بے خودی کا لطف اُسے خاک آئے گا؟
(میں ہوں تیرا غم گسار!)

•

اے اکیلے! اور تنہائی کے دلدادہ!
تری
عمرِ بے لذت کٹی!

آج تک

تو نے دیکھے ہی نہیں عیش و نشاط!
آئے گی،
آج تیری عمر میں بھی آئے گی سپنوں کی رات!
اور قسمت کا گلہ ہو گی تجھے بھولی سی بات!
دیکھ، چشمِ تر کو خواب آگیں نہ کر،
ورنہ لمحہ عیش کا کھو جائے گا۔
اور تُو اس قصرِ خلوت میں یونہی گھبرائے گا!
(میں ہوں تیرا غمگسار!)

۷-۲-۱۹۳۵ء

(ریاضِ میراجی)

جوانی کے گھاؤ

لال سی ندی، لال سی ندی،
ہلکی، بہتی، گرمی والی خاموشی سی؛
سویا سوتا جاگا پھوٹا،
رِستا رِستا گھر سے نکلا،
بہتا بہتا وسعت بنتا،
اور تصور پر چھا جاتا!

روئی جیسے سوکھے کپڑے
چاند کے ایسے صاف چمکتے،
کس نے ان کے بھید بتلائے؟
سب نے دیکھی لیکن دل ہی
رات کی ہر اک بات چھپائی!

میٹھی باتیں، نرم نگاہیں،
اور وفا کے گہرے بندھن،
اور جیون کی اٹل محتاجی
سب نے جدائی کی تلخی بھی شیریں کردی!

لیکن جنت کا پھل کھا کر،
زخموں کی بیکار اذیت
قدرت نے عورت کی قسمت میں کیوں لکھی؟

(ریاض میراجی)

چیستان

کسی ہوئی تھی کمان،
چھوڑ دیا میں نے بان
چھوٹ گئی جب کلی
ٹوٹ گیا اُس کا مان۔
شرم لاج اُٹھ گئی
لے کے، دے کے الگ ڈان

تھم گئے ندی سے نین،
آیا پھر سے من میں چین
دل سے بوجھ اُتر گیا
کہہ کے اُس کے میٹھے بین۔
تارے ماند ہو گئے
یونہی بیتی ساری رین

کالی گھٹا، کالے کیس
دیکھے، دیکھا نیا دیس
رس کی بھری اندھی پیت
کرکے بیٹھی اور بھیس
اُس کی پوجا میں نے کی
جو مجھے لڑائے سیس

۱۹۳۵ء

(ریاضِ میراجی)

اے ریاکارو

اندازِ نظر کی الجھن کو تم شرم و حیا کیوں کہتے ہو؟
جنسی چاہت کی برکت کو ملعونِ خدا کیوں کہتے ہو؟
فعلوں کے سننے میں ہنستے ہو جب آشائیں اکساتی ہیں،
اور بن جاتے ہو تنگ نظر لفظوں کی جو بخشش آتی ہیں۔
حیوان ترقّی کرکے ہی انسان بنا ہے، سوچو تو!
یزدان تنزّل کی حالت میں انساں ہے کیوں سمجھے ہو؟
ذہنی رفعت پر بھولے ہو، ذہنی رفعت اک دھوکا ہے
ہے جسم کی ہر اک رگ میں خوں، خوں میں حرکت، یہ دھندا ہے!
اک دامِ جہالت پھیلا ہے، کیوں اس میں گھرے ہو؟ اب نکلو!
جب وقت کی حد پوری ہوگی تب وقت نہ ہوگا، اب سمجھو!
تہذیب و تمدن کے جھوٹے رنگوں پہ نہ جاؤ، مت بھولو،
نقصان بہانے میں لاکھوں پوشیدہ ہیں، اتنا جانو!
دو رنگی چھوڑ دو رنگی، یک رنگ، اصولوں پر چل کر؛
یہ دنیا جنّت بن جائے گی سچی باتوں میں ڈھل کر!

۱-۴-۱۹۳۵ء
ریاض میراجی

مدھوری بانی

آؤ، اپنے باغی، وحشی تخیل کی
دھندلے، اندھے نغموں میں
سُن لو کہانی راتوں کی۔
خلوت میں پھیلی تھی ہلکی ہلکی خوشبو صندل کی،
چنچل، رقصاں جھونکوں میں،
بہتی تھی ـــــ بہتی جاتی تھی ندی میٹھی باتوں کی!
شرم، جھجک سے کھوئے ستارے وسعت کے
سازِ دل میں تار ہلے تھے رغبت کے،
خاموشی تھی، باتیں تھیں، پھر خاموشی تھی، پھر باتیں،
ننھے ننھے، میٹھے میٹھے لفظوں کی دل کو سہلاتی برساتیں!
شیریں رنگ تھا بستر کا!

آہ! اچانک سویا نغمہ اُٹھا، بھڑکتا، جھنجلاتا!
اُونچی تیکھی، دل میں چبھتی، پار ہوتی جاتی تانیں؛
سازِ دل کے قابو سے باہر نکلی جاتی تانیں،
وقت مصوّر تھا ــــ اِک پل میں رنگ ہی بدلا منظر کا؛
جیسے سینہ چیرے لاوا اُونچے، ضدی پربت کا،
(اُس کے دل پر نشّہ چھائے حرکت کا)
اور دامن کی وادی کا نقشہ بدلے،
میں نے دیکھا کلیاں پھُوں بنیں ویسے!

۱۹-۵-۱۹۳۵ء

(بیاضِ میراجی)

اکیلی رات کی واردات

کیمیائی پیامبر آئے،
خون کی لہر لہر جاگ اٹھی!
جاگ اٹھا نفس کا ہر ایک خیال،
سوئی تھی زندگی، ہوئی بیدار!

آرزو تھی نہ اب سحر آئے،
تم ہو، میں ہوں، یونہی تمنا کی
شب کو تسکیں کریں شباب و جمال!
اور حاصل ہو زندگی کی بہار!

لیکن افسوس! عیش کی راتیں،
خواب کی ہیں، خیال کی باتیں!

تم نہ آئیں، نہ میں ہوا مسعود:
تم نہ آئیں کبھی مری معبود!
کس کا تھا پھر زیاں؟ میرا! ــــ اور سُود؟
وہ تو اک خواب تھا پریشاں سا!
وہ تھا بس اک غزال حیراں سا!
رُکتا رُکتا سا اور خراماں سا!
تیرہ و تار جنگلوں کی فضا،
اور غم کی مہیب، کالی گھٹا،
بس یہی تھے میرے مقدر میں،
اور میں گُم، خموش بستر میں!

۱۱-۶-۱۹۳۵ء

(بیاضِ میراجی)

افتاد

اتنی سی تسلی کافی ہے جیون میں مجھے، کیسے سمجھوں؟
ہاں کیسے ذرا سی بات سے ہر لمحے اپنا دل بہلاؤں؟
یہ بات ذرا سی، تم نے مجکو ہنس کر دیکھا، شرما کر
آنچل سے اپنے مُنہ کو چُھپایا، پہلو بدلا اٹھلا کر۔
میرے تو ارادے تھے اونچے، میں تم کو اپنا بناؤں گا،
ہر ایک رُکاوٹ دُور کروں گا، راہ میں بیٹھ نہ جاؤں گا
لیکن قسمت کی باتیں ہیں نا اُمیدی اب ساتھی ہے
اور لمحہ بہ لمحہ کالی گھٹا سی دل پر چھائی جاتی ہے۔
وہ ہمت جو آغازِ سفر میں میرے دل کا ستارہ تھی،
اب آخر دم پر ہے، ڈوبا، کشتی ڈوبی، کشتی ڈوبی۔
اب اس دنیا کے ساگر کی ہر موج نگل جائے گی مجھے،
اور گمنامی کی دیوی اپنی ساڑھی پہنائے گی مجھے۔

۵-۶-۱۹۳۵ء

(بیاضِ میراجی)

دُور کرو پیراہن کے بندھن کو

دُور کرو پیراہن کے بندھن کو اپنے جسموں سے
دُوری حاصل کرلو بندی خانے کے ان لمحوں سے
جن میں فطرت کو قیدی کر رکھا ہے تہذیبوں نے
جن میں کلیوں کو کھلنے سے روکا ہے انسانوں نے۔
فطرت کا مذہب کیا ہے؟ آزادی ہی آزادی ہے،
اور اگر اس مذہب کو مانے گا نہ دل ــــ بربادی ہے۔
بربادی ہے دل کی آزاد آرزوؤں کے جھرمٹ کی،
بربادی ہے جذبوں کے میٹھے رس والے پنگھٹ کی۔
حُسن چھپا کر کیوں رکھتے ہو؟ حُسن نگاہوں میں لاؤ،
خالق فاخر ہے تخلیق کا، اس کے پیرو بن جاؤ۔
دُور کرو پیراہن کے بندھن کو اپنے جسموں سے!
اک وحشی رفتار کو حرکت میں لے آؤ جذبوں سے!
دوری حاصل کرلو بندی خانے کے ان لمحوں سے
مرد ہو، عورت سے مل جاؤ، عورت ہو تو مردوں سے۔

۲۴-۱۰-۱۹۳۵ء
(بیاضِ میراجی)

مَیں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں،
ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں!

تخیل کا بڑا ساگر، تصوّر کے حسیں جھونکے
لئے آتے ہیں بارش میں تمنائیں عبادت کی،
مگر پوری نہیں ہوتی تمنا دِل کی چاہت کی،!

کسی عورت کا پیراہن، کسی خلوت کی خوشبوئیں،
کسی اک لفظِ بے معنی کی میٹھی میٹھی سرگوشی،
یہی چیزیں مرے غم گیں خیالوں پر ہمیشہ چھائی رہتی ہیں۔

عبادت کا طریقہ ——— حرکتیں ہیں، تشنہ و مبہم،
کبھی روحِ صنم بیدار خوابِ مرگ مہمل سے نہیں

کسی اندر سبھا کی لاکھ پریاں آ کے بہلائیں،

لُبھاتے ناچ ناچیں، ور رسیلے راگ بھی گائیں،
مگر یہ مردہ دل عادی ہے بس غمگیں خیالوں کا!
گھٹا آتی نہیں خوشیوں کی بارش لا نہیں سکتی؛
مری روحِ حزیں محکوم ہے اپنے تاثر کی۔

ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں؟
میں جنسی کھیل کو کیوں اِک تنِ آسانی سمجھتا ہوں؟

کبھی انساں کی عمرِ مختصر پر غور کرتا ہوں،
کبھی فانی تمناؤں کی جھیلوں میں یونہی کھویا سا پھرتا ہوں؛

۱۴-۱-۱۹۳۵ء

(ریاض میراجی)

رسیلے جرائم کی خوشبو

رسیلے جرائم کی خوشبو
مرے ذہن میں آرہی ہے!
رسیلے جرائم کی خوشبو
مجھے حدِّ احساس سے دُور لے جارہی ہے!

جوانی کا خوں ہے
بہاریں ہے موسم زمیں پر!
پسند آج مجھکو جنوں ہے!

نگاہوں میں ہے میری نشّے کی اُلجھن
کہ چھایا ہے ترغیب کا پیرہن آج ہر اک حسیں پر؟
رسیلے جرائم کی خوشبو مجھے آج للچا رہی ہے!

قوانینِ اخلاق کے سارے بندھن شکستہ نظر آ رہے ہیں؛
حسین اور ممنوع جھرمٹ مرے دل کو پھسلا رہے ہیں؛
یہ ملبوسِ ریشم کے اور اِن کی لرزش،
یہ غازہ، یہ انجن؛
نسائی فسوں کی ہر اک موہنی آج کرتی ہے سازش،
مرے دل کو بہکا رہی ہے!

مرے ذہن میں آ رہی ہے
رسیلے جرائم کی خوشبو!

۱۰-۱-۱۹۳۶ء

(ریاض عمرانی)

مُسافروں کی تلاش

"اور اُسے مسافروں کی تلاش رہتی ہے جو اُس کی خواہشاتِ نفسانی اور ضروریاتِ جسمانی کو پورا کر سکیں" ——— "ہمزاد"

"بستی بستی پھر کر آئے، آؤ، بیٹھو، سستالو،
چھاؤں گھنیری اور میں چیری، دم بھر دل کو بہلالو۔
دُور دُور کی باتیں دیکھیں، چاندنی راتیں — اُجیالی،
اور گھٹاؤں والی راتیں، کالی — کاجل سی کالی۔
اُن راتوں کا حال سُنالو، دُکھ سُکھ سارے کہہ ڈالو،
آؤ دم بھر بیٹھو، آؤ، سستالو، دل بہلالو!"

"بستی بستی پھرنے والا، میں سیلانی، آوارہ،
یہ جگ ہے اک نیلا منڈل، میں اس میں اک سیّارہ،
منزل کوئی نہیں ہے میری، تو منزل ہے — ہر کوئی،
میرے دل کے لاکھوں بکھرے موتی ہیں، میں ہرجائی؛

تیرا میرا کام یہی ہے، دُکھ سُکھ سارے کہہ ڈالیں،
اپنا اپنا جی بہلالیں، اک منزل پر سستالیں۔"

"تم ہو بھنورے، پھرنے والے، میں پھلواری قائم ہوں،
دو لمحے جیون ہے تمہارا، لیکن میں تو دائم ہوں۔
کیسے بہانے؟ آؤ، چھوڑو، بُجھو سب سچا جُھوٹا!
دیکھو! سُکھ کا سو صدیوں سے سویا سوتا بھی پُھوٹا!
دُور ہی دُور کھڑے رہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں،
تنہا جذبوں میں بہنے سے کام نہیں چلتے جگ میں!"

"جنم جنم کی پیت کی باتیں کچے تاگے، ٹوٹ گئے،
دو دن میں اُجیالی راتیں، سُکھ جاگے، دُکھ چُھوٹ گئے!
مجھ سے پہلے آئے ہوں گے سو بھنورے، رس لُوٹ گئے،
اب کیسا وہ روپ خزانہ، چور آئے، بس لُوٹ گئے!
پیمانے کی تلچھٹ پینی میری قسمت میں آئی،
مجکو بھی کیا پروا اس کی، میں سیلانی، ہرجائی!"

سنجاری

دور دھیں کھیتوں میں بھتیں، لیکن تھا اُن کا اک سایا،
مایا ہے، سب کچھ مایا ہے، جگ میں ہر شے ہے مایا!

۷-۲-۱۹۳۶ء

(بیاضِ میراجی)

بالاخانہ

سو رہی ہے بیسوا،
سلوٹیں بستر پہ ہیں؛
پیرہن میں بے شمار
سلوٹیں سمٹی ہوئی، سوئی ہوئی،
بوئے بوسیدہ کا مبہم امتزاج
جس کا دھندلا سا تصور بھی ہے اتنا ناگوار
سر جھٹک کر اُس سے ملتا ہے گریز۔

اک طرف بکھرے ہوئے ہیں فرش پر
چند ساز —
اور کمرے کی فضا

جس میں آسودہ ہیں، پنہاں ہیں صدائیں مختلف
اک سکوتِ آہنی کا سنگدل اظہار ہے۔

دُور نیلا آسماں
چاند اور تارے لیئے
اور ٹکڑے ابر کے،
اک دریچے سے نظر آتا ہے غم گیں، پُرفغاں۔

رونق آرا نیند میں بے ہوش ہے
اس کے نفسِ لاشعوری میں اُلجھتے ہیں خیال:
"آیئے گا بندہ پرور! ــــــ سیٹھ جی!
"آپ کل آئے نہیں ؟
"چند زیور اور لباس"
"اب مجھے آرام کرنا چاہیئے۔
"آیئے گا بندہ پرور! ــــــ سیٹھ جی!
"اور رنگ ہیں اور حنا"
"اور ہستی کی پریشانی کے رنگ
"آیئے گا بندہ پرور! ــــــ سیٹھ جی!
"ظاہری باتیں تمام۔
"اب جوانی کی بہار، اب ــــــ لیجئے، لگانے کو ہوں، مٹنے کو ہے"

"چند زیور، اور لباس، اور . . . . کیا کہا ؟ ۔ اک وقت تھا، ہاں
وقت تھا،

"آہ ! ــــــ لیکن اب مجھے آرام کرنا چاہیئے،
"زندگی اور بے بسی،
"آیئے گا بندہ پرور ــــــ سیٹھ جی !"

دور نیلا آسماں
چاند اور تارے لئے،
اُس کا دھندلا سا تصور بھی ہے مجکو ناگوار۔

۵-۲-۱۹۳۶ء

ــــــــــــــــــــ (بیاضِ میراجی)

حادثہ

اک فرشتہ پھول برساتا ہُوا،
صحنِ گلشن میں ہوئی اس کی نمود،
لااُبالی لمحۂ جوشِ شباب!
اس حقیقت کو کبھی تو جان سکتی ہی نہ تھی،
اُس فرشتے کے حسیں ملبوس میں شیطان تھا۔

ایک لمحے کے لئے، بس ایک لمحے کے لئے،
تیرے دل پر چھا گئی اک وحشیانہ بے خودی!

اور پھر دل سے مرے رخصت ہوا جوشِ جنوں،
خشک پتوں پر تھا اُفتادہ ترا!
نرم و نازک، سرد جسمِ سیمگوں!

۱۹۳۷ء

(میراجی)

طائرِ شب

وقت بتاؤں؟ ـــــ رات کا پنچھی کھوں رہا تھا اپنے پروں کو، ہونے کو تھا دور اندھیرا،
ور منظر بھی ـــــ سیج پہ پریمی اور پریتم کی چھایا سب سے اچھی رات کا من موہن انمول سویرا

نیند عبادت سے اچھی ہے، تم اچھی ان دونوں سے،
آؤ سوئیں، جگ کو بھولیں، ساغر کی تلچھٹ چکھیں،
پریت کی مستی میں کھو جائیں، اور خیالوں میں ڈوبیں۔
چند سہانے لمحے میری عمر میں اور بڑھا دو تم،
آنے والی صبح کا منظر میرے دل سے بھلا دو تم۔
تم چادر کی سفیدی پر ہو ایک نشان طراوت کا۔
اس بستر کی ہر اک سلوٹ، میرے دل میں لاتی ہے
جذبہ جوشِ بہجت کا۔
میرے دل کو دور کہیں لے جاتی ہے۔
ہر شاعر کہتا آیا ہے مایا نے تمہیں بہکایا ہے

چاہت ہے ملنا روحوں کا۔
چاہت ہے کھلنا کلیوں کا۔
دو گیتوں کا گھل مل جانا' آکاش کا سندیسہ آنا۔
آج مگر اس رات کے پیارے لمحوں میں اس بھید کو میں نے پایا ہے'
ہر شاعر نے لفظوں کا جال بچھایا ہے'
چاہت ہے تشنہ لبی' ہاں ہاں' چاہت ہے مُلاوا جسموں کا۔
مسجد مندر والے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں'
اپنے جیون کی ناؤ کو طوفانوں میں کھیتے ہیں'
مجھکو نہیں پروا کوئی مذہب کے اصولِ سنگیں کی'
مجھکو ضرورت ہے بس اپنے کیفِ لطیف و شیریں کی۔

نیند عبادت سے اچھی ہے آؤ سوئیں اتم اچھی ان دونوں سے۔

(بیاضِ میراجی)

جنسی عکس خیالوں کا

جنسی عکس خیالوں کا
چاندرات میں ڈالوں گا
اُن آنکھوں کی جھیلوں میں!

جنسی خلوت جسموں کی
مرد عورت کی قسموں کی
دیکھوں گا، دکھلاؤں گا!

جذبہ دل میں پوشیدہ
رکھوں کب تک؟ بوسیدہ
ہو جائے گا یوں جذبہ!

توڑوں بندھن رسموں کا
چھوڑوں جیون رسموں کا
جیون ہو آزادی کا!

اعضا پر نظروں کے تیر
چھیڑیں نغموں کی زنجیر
پیدا ہو میٹھی جھنکار!

ہاں، یُوں موتی ساگر میں
گہرے، دھندلے مندر میں
نیندوں میں کھو جائے گا!

آزادی قدرت کا کام
آزادی چاہت کا نام
آزادی سے پلٹوں گا!

(بیاض میراجی)

تشبیہیں

جتنے لمبے تیرے بال
اتنے لمبے میرے بال
پھر کیوں ہے یہ آپس کی
ہر دم بڑھتی ناچاقی؟

جیسے تیرے سینے پہ
ریشوں کے دو گچھے ہیں،
ویسے گچھے میرے بھی
دو ہیں، دو ہیں، ہاں دو ہیں!

جیسی نرم گلابی سی
ہے تیری مرغابی سی،
ویسا میرا طوطا ہے
جو آدم کا پوتا ہے!

(ریاض میرجی)

ایک عورت اور ایک تجربہ

تیکھے نقش، غزالیں آنکھیں، گہرے اللچاتے سے گال۔
ہونٹ کہ پتلی پتلی پھانکیں رس والے میٹھے پھل کی۔
اُن پھانکوں کا ہر اک ذرہ میٹھا جیسے ہو شہتوت۔
نرم، کبوتر جیسا سینہ، صاف، کنول سی کومل کھال۔
بھاؤ انوکھے سب دنیا سے بات نرالی چنچل کی۔
جسم گداز اور صحت والا، نرم، ملائم اور مضبوط۔
چال لچکتی بید کی ٹہنی، بہتی بہاتی موجوں سی،
نازک، ہر ریشے ریشے کی حرکت شاہی فوجوں سی۔
باتیں کرتے، ہنستے ہنساتے، سُست نشیلا سا انداز،
جادو کرتے، سب کو لبھاتے، عورت کے انجانے راز،

آہ! اُبھارے اور اُکسائے دل کے سوئے جذبوں کو،
سرد خیالوں کو گرمائے اور بھڑکائے شعلوں کو۔
جیسے فضا میں ہوائیں رقصاں ویسی ذہن کی حالت ہو،
لیکن جب لوٹ آئے سکوں پھر دل کو گہری ندامت ہو۔
"کیا، کیسے، کیوں؟" سب بہہ جائیں شدت اور روانی میں
اک لمحے کی کمزوری سے عمر کٹے نادانی میں۔

(بیاض میراجی)

حیدر آباد جانے پر

اتر کے باسی آئے ہیں اُن کا راگ پُرانا ہے
نئے دیس کی دُھن سے جس کے جادو کو گرمانا ہے
اوروں کے دل کی سنتا ہے، اپنے دل کی سنانا ہے
دل کی دنیا نرالی ہے، وہاں صبح نہیں کوئی شام نہیں
دل والے مل جائیں تو پھر اور کسی سے کام نہیں

اتر کے باسی آئے ہیں سیر و سفر کا بہانہ ہے
بڑھتے پھیلتے جیون کے رنگوں سے دل کو لبھانا ہے
بکھری کڑیاں کچھ بھی نہیں ہیں مل جائیں تو فسانہ ہے
کیسے مسافر سانس کہانی کس نے جانی بوجھی ہے
بوجھ سکے تو بوجھے کوئی ہمیں پہیلی سوجھی ہے

بات سمجھنا آپس کی کوئی ہنسی نہیں کوئی کھیل نہیں
ایسے بول بھی ہوتے ہیں دل سے جن کا کچھ میل نہیں
ہونی مورکھ کہتی ہے انہونے دکھ تو جھیل نہیں

چاہے رنگ بھکاری کا ہے چاہے راہ دھنی کی ہے
آنکھ ملے اور ہاتھ بڑھیں تو جانو ریت بنی کی ہے

پل پل دوری دور جو بیتیں کیسے پھر کیا بات ہوئی
دن پھر کیسے دن کہلائے رات بھی کیسی رات ہوئی
پل سے پل مل جائے تو وہیں جیت ہوئی وہیں مات ہوئی

دو باتیں دو بول چاہ کے وقت کو امر بناتے ہیں
پل سے پل مل جاتے ہیں جب نئے مسافر آتے ہیں

(نیا دور کراچی)

ایک خاموش عورت سے

عشرت انگیز دہن ہے کہ خمِ دورِ جہاں
تازگی وقت کے گذران سے بڑھ کر اس کی

خامشی پیرہنِ چست کی مانند عیاں
ایک اِک لہر بنی عکسِ سمندر اس کی

دیکھ کر اس کو خیالِ دُرِ مقصود آیا،
آبِ آہنگِ رواں جلوہ کناں ہو جیسے

خلشِ دستِ تغافل کا یہ گہرا سایہ
موجِ مے پھول کے دامن میں نہاں ہو جیسے

جُنبشِ لب سے میرے سامنے آجائے گا،
دیکھو خاموش رہو مجھکو ابھی تاب نہیں

ایک اک لفظ میرے دِل میں سما جائے گا
یہ ابھی غُنچۂ گرجوششِ خوناب نہیں

اس خمِ دورِ زماں پر جو شفق پھولی ہے
اس کو تم ساکنِ محرابِ زماں رہنے دو،
میرے افسردہ تصور میں ہے اک اور ہی شے
میں جہاں پہنچا ہوں، تم مجھکو وہاں رہنے دو۔

(نیا دور، کراچی)

ایک تضاد

کوہ سے زرّیں اذیت کے گذر جانے کے بعد
سرخ نغمہ شام کو اک پل میں مر جانے کے بعد
ہاں، پس از فریاد و قلبِ دہر کی لرزش کے بعد
دن کی نم آود، زرد و لالہ گوں کاوش کے بعد
تیرگی کے داغ دل سے کس طرح دھوؤں گا میں
جاگتے ہی جاگتے پھر صبح تک روؤں گا میں
ہاں وہی میں دن کو جس کی آنکھ تھی اور آفتاب
ہاں وہی میں جس نے دیکھا دہر لبریز حیات
ذہن انسانی مرا کہتا ہے کھا کر پیچ و تاب
دیکھ لے: حسنِ مناظر کو نہیں حاصل ثبات
قلب مے خانہ کی ہائے ہو کا عادی ہے مرا
کچھ تعلق ہی نہیں مجکو سکونِ سنگ سے
مجکو خوش آتی نہیں ہے امن کی شب گوں فضا
روح کو تسکیں ملے گی ایک پیہم جنگ سے

(نیا دور کراچی)

جنگل میں اتوارؔ

پھیلے پھیلے بکھرے بکھرے لیٹے لیٹے جنگل ہیں
گھیرے گھیرے ٹھہرے ٹھہرے سوئے سوئے سائے ہیں
رِستے رِستے بہتے بہتے چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں
چُپکے چُپکے بھورے بھورے سوئے سوئے رستے ہیں
آدھے آدھے پورے پورے تیکھے تیکھے کانٹے ہیں
تپتے تپتے سہمے سہمے دُبکے دُبکے ذرّے ہیں
چلتے چلتے رُکتے رُکتے تکتے تکتے کیڑے ہیں
اونچے اونچے چھدرے چھدرے ٹھنے ہیں
نیلے نیلے پیلے پیلے لمبے لمبے طوطے ہیں
اُڑتے اُڑتے گاتے گاتے ننھے ننھے پنچھی ہیں
جاتی جاتی ہٹتی ہٹتی کٹتی کٹتی ندّی ہے

ؔ یہ نظم میرا جی اور یوسف ظفر نے مل کر لکھی تھی (مرتب)

ننھے ننھے پیارے پیارے نیارے نیارے پودے ہیں
پتلی پتلی چھوٹی چھوٹی لمبی لمبی شاخیں ہیں
ایسے ایسے ویسے ویسے کیسے کیسے پتّے ہیں
سوکھے سوکھے پھیکے پھیکے دُبلے دُبلے ڈنٹھل ہیں
بکسے بکسے نکھرے نکھرے مہکے مہکے غنچے ہیں
بھینی بھینی میٹھی میٹھی اُڑتی اُڑتی خوشبو ہے

لکھتی لکھتی گھستی گھستی تھکتی تھکتی پنسل ہے
سنتی سنتی ہنستی ہنستی گرتی گرتی محفل ہے

سہ "اس نظم میں" مرۃ

بیٹی

تیرے سینے کے سمن زار کی بہجت کا نشاں
اب مجھے ملتا ہی نہیں
اب تو اک جھیل پہ نکھرے ہوئے دو تازہ کنول مجھ کو نظر آتے ہیں
چشمۂ آبِ بقا جانے کہاں جا کے چھپا
جانے کس اجنبی انجان کا اک لمحہ بنا

رشکِ ہر دورِ زماں
میں نے دیکھا تھا تجھے گود میں لیٹے ہوئے کھوئے کھوئے
میں نے دیکھا تھا تبسم کبھی گریہ کبھی بے معنی صداؤں کا خروش
تجھے ہیجان سے آلودہ کیا کرتا تھا
گرد و پیش اور سبھی باتیں ہیں تجھے اس کی تو سُدھ بُدھ ہی نہ تھی
تو بہت دور تھی اور دو جہاں تھا تجھ سے
اس جہاں کا تو نشاں اب مجھے ملتا ہی نہیں
ایک ہی بات کی آگاہی ہر اک بات سے آگاہ کرے

ایک ہی بات کہے دیکھ ترے چاروں طرف
کیسی بے معنی صداؤں کا خروش
تجھے ہیجان سے آلودہ کیا چاہتا ہے
تو یہ اب جان گئی
دیکھو دیکھو تو ارے کون ہے وہ نقشِ غضب
کوئی گاتے ہوئے اک جھونکے کی مانند گزر جاتا ہے
کوئی سائے کی طرح پیچھے چلا آتا ہے
تو یہ سب جان گئی
تو نے یہ دیکھا کہ جب جبیں پہ بکھرے ہوئے دو تازہ کنول کھل جائیں
پاؤں میں روندی ہوئی خاک کا اک تودہ نظر آتی ہے ہر چیز ہمیں
گرد و پیش، اور سبھی باتیں ہیں تجھے اس کی تو سدھ بدھ ہی نہ تھی

(شعر و حکمت)

نظم

آج دیکھا کسی ٹہنی پہ کوئی پھول نہیں
آج دیکھا یونہی ہر رنگ بدل جاتا ہے
آج دیکھا کہ پسینے کی ڈھلکتی بوندیں
سرِ ابرو پہ جب آجاتی ہیں
دل یہ کہتا ہے کہ اب آنکھ کے پردے پہ یہ آنسو ہی نہ بن جائیں کہیں
اور پھر گہرے سمندر کا خیال آتا ہے
جس کی تہہ سیپ کو سینے سے لگائے ہوئے موتی کو چھپائے ہوئے غرّاتی ہے
سطح پر ناؤ میں بیٹھے ہوئے جو تیرتا ہے
اس کی نادانی پہ جھلّاتی ہیں
اور ساحل سے جو دیکھے وہ یہی کہتا ہے
لہریں کیوں اٹھتی ہیں، طوفان کے آثار نظر آتے ہیں

،وروہی جانتا ہے لہروں کے طوفان کی بات

جس نے دیکھا ہو کہ ٹہنی پہ کوئی پھول نہیں

یک مرجھائی ہوئی سوکھی ہوئی پتی ایسی نہیں کوئی جو یہ کہہ دے ہم سے

بیتی راتوں کی یہاں چھاؤں ہے، دم لے تو یہیں

ہیں وہ گونج لرزتی ہوئی آئے گی نظر

صل میں جو تھی بکھرتا ہوا پھول

اب تو ٹہنی پہ کوئی پھول نہیں

اب تو ٹہنی ہے لچکتی بھی نہیں جھونکے کے بل کھاتی نہیں

(شعر و حکمت)

تکئے کا غلاف

یہاں سر تھا یہاں بکھرے ہوئے گیسو

پریشاں سانپ جو مندر کی بنیادوں سے نکلے تھے
ہوا کے نرم جھونکے ان کو لہراتے ہی جاتے تھے

میں ان کو اپنے ہاتھوں کے اشاروں سے سمٹنے کو تو کہتا تھا
مگر وہ بل پہ بل کھاتے ہی جاتے تھے

وہ ضدی تھے
میں کہتا تھا اگر تم ایک لمحے کے لئے بیٹھے رہو چپکے
تو میں ان سرخ گالوں سے کہوں، پیاسا
ہر اک پیاسا ہمیشہ ایک ہی منزل پہ جاتا ہے
میں پیاسا ہوں
گھنے جنگل میں مرے ایک مندر، باؤلی بھی پاس ہی ہوگی

(شعر و حکمت)

لال قلعہ

یہ طفلِ سنگیں جو سو رہا ہے
جو ہاتھ گہوارے کے ا میں تھے وہ مٹ چکے ہیں
میں جاگتا ہوں میں دیکھتا ہوں
میں سوچتا ہوں کہ ایک ہی طفلِ خشمگیں کو
یہاں جھلاتی رہی ہے دنیا

(شعر و حکمت)

نظم

ہنگامہ ختم ہو گیا لیکن سکوں نہیں ہے
اس سے تو یاد ہو کا وہ ہنگامہ خوب تھا
پیہم ہماہمی کی وہ مستانہ لغزشیں
اُلجھے ہوئے تصوّر کا بیدہ کے لئے
اندھے نشے کی گونج بنی جا رہی تھی، ہاں
ہنگامہ خوب تھا!
لیکن مری اُبلتی ہوئی زندگی نہ تھی
تاریک رات، راستہ ویران اک طرف
اک شعلہ تھا لپکتا ہوا، ایک میکدہ،
دہلیز سے گزرتے ہی اُلجھی ہوئی حیات
باتوں کا اک ہیولیٰ تھی، کچھ قہقہے بھی تھے
بیباک تیر جیسے کماں سے نکل پڑے
تھرا کے تیرتا ہی چلا جائے دُور تک

(شعر و حکمت)

قہقہہ

قہقہہ؟ کس نے کیا ہے یہ جرم
قہقہہ؟ اس کی سزا ہے یہ جرم

کون ہے اس کو پکڑ کر لاؤ
اس کی صورت تو ہمیں دکھلاؤ

کبھی گزرا نہ گماں کیا مطلب
قہقہہ اور یہاں کیا مطلب؟

ایسا کوئی بھی نہ تھا کون ہے یہ
اس کو دیکھیں تو ذرا کون ہے یہ

کیا ہوا مجھ کو بتا کیوں خوش ہے
ایسی کیا بات ہے جو یوں خوش ہے

غم کی بستی میں ہماری کوئی
اس طرح قہقہہ گونجا نہ کبھی

اٹھتی رہتی ہیں مگر صبح و مسا
چیر کر سینوں کو آہیں اس جا

اشک آنکھوں میں جھلکتے ہیں سدا
درد کے تارے چمکتے ہیں سدا

قہقہے لے گیا یاں سے کوئی
نطق بھی اب تو نہیں ہر جائی

غم کی تصویریں ہیں انسان نہیں
متحرک ہیں مگر جان نہیں

مضحکہ غم کا اڑایا کیوں ہے
قہقہہ تو نے لگایا کیوں ہے

کچھ ترا رازِ طرب تو ہوگا
آخرش کوئی سبب تو ہوگا

یوں خیالات میں مدہوش ہے کیوں
بولتا کیوں نہیں خاموش ہے کیوں

اب لگا قہقہہ میں بھی دیکھوں
حلق سے تیری زباں کھینچ نہ لوں

ٹکٹکی کیسی لگائے ہے کھڑا
کس لئے سر کو جھکائے ہے کھڑا

جیسے کچھ بات سمجھتا ہی نہیں
اتنا بگڑا کایا ، الجھتا ہی نہیں

اس کی خاموشی کو اب میں سمجھا
عکس ہے یہ مری گویائی کا

گرچہ اس کا کوئی غماز نہیں
بے خودی اس کی مگر راز نہیں

کھل گیا قہقہے کیوں مارتا ہے
اب جو یہ قہقہے یوں مارتا ہے

ہوش کے حال میں شاید اس کو
یہ میسر نہ خوشی آئی ہو

قہقہے حصے کے اپنے ہم نے
ہوش کے حال میں سب صرف کیے

اپنا اب حصۂ غم ہے باقی
ہو چکا سیس اہم ہے باقی

چھوڑ دو غم کا ستایا ہے کوئی
راستہ بھول کے آیا ہے کوئی

اب وہی ہم ہیں ہمارا غم ہے
وہی آہیں وہی چشم نم ہے

دام بیداد سے طائر چھوٹا
ٹھہرو ٹھہرو تو مگر سننا ذرا

پھر وہی قہقہہ دیوانے کا
چیخ اک جس میں لے کر گونجی

چھا گیا درد فضا پر کیسا
وقت گزرا ہوا پھر یاد آیا

(شعر و حکمت)

متفرقات

اے دوست کبھی لاہور نہ آنا

اے دوست کبھی لاہور نہ آ
اے دوست کبھی لاہور نہ آ

سائیکل پہ اگر تو بیٹھے گا — اور لیمپ نہ آگے رکھے گا
گر دن بھی ہو، وردی والا — ہر موڑ پہ تجھ کو روکے گا
اور بولے گا چالان لکھا
اے دوست کبھی لاہور نہ آ

گر متبسم ہو تو ایک آنہ — ہو جائے گا تجھ کو جرمانہ
گر کھل کے ہنسے تو دو آنے — تفریح بھی نہیں بس میں اپنے
یاں سینما پر ہے ٹیکس لگا
اے دوست کبھی لاہور نہ آ

لاہوری ڈھول کو دور سے سن — کانوں کو اس کی بھائے صدا
اور شاید میں غلطی پر ہوں — اور گھر کی مرغی دال آسا
جو کچھ ہے یہی میں کہتا ہوں
اے دوست کبھی لاہور نہ آ

(شعر و حکمت)

اے دل

ہر شکل حسیں کا دیوانہ ہر شکل میں دھوکا کھائیگا
یہ حسن پرستی کا لپکا اے دل تجھے راس نہ آئے گا

جس صورت کا متوالا ہے جس پھول کا چاہنے والا ہے
وہ پھول تو کمھلا جائے گا پھر ہاتھ ترے کیا آئے گا

ان ماہ رخوں سے پریت نہ کر اس پریت کو کالا ناگ سمجھ
بہتر ہے کہ جان بچا ورنہ یہ ناگ تجھے ڈس جائیگا

ہے پریت کا تجھ کو شوق اگر تو حسن دوام پہ شیدا ہو
کیا فائدہ اس پر مرنے کا اے دل جو سراسر دھوکا ہو

(شعر و حکمت)

دیپالکا

میں آوازوں پہ اپنی جان دے دوں گا
کبھی مجھ کو سمجھاتی ہیں کہ آنکھیں دھوکا کھاتی ہیں
کبھی مجھ کو سناتی ہیں کسی پچھلے جنم کی داستاں جس میں
کبھی میری کبھی تیری کہانی یوں ابھرتی ہے
فضا میں جس طرح آواز لہراتی ہوئی جائے
ہوا پر تیرتے پنچھی کی صورت اس طرح رزاں
کہ جیسے میں کبھی اپنی کہانی رات یا دن کو سناؤں تو مرا دل
تری آنکھوں کے کالے ڈر سے ایسے تھرتھرائے
کہ جیسے تیرا دامن کانپتی لہروں میں کہتا ہے
میں آوازوں پہ اپنی جان دے دوں گا
مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ آوازوں پہ اپنی جان دے دینا مصیبت ہے
انہیں سنتے ہوئے میں دیکھتا ہوں ایسی آہیں جن کے بھرنے سے
کئی چلتے ہوئے رستے میں ٹھہرے اور کئی ٹھہرے ہوئے آگے چلے لیکن
کسی کی منزلِ مقصود آنکھوں میں نہ آئی اور اچانک
نہ جانا میں نے سنجابی ہی سنجابی
جدھر دیکھو نظر آتے ہیں ان کو

(شعر و حکمت)

سہرا[1]

سب حمد و ثنا ہے اُس کے لئے جس نے یہ باغ لگایا ہے
نظروں سے چھپا ہے آپ مگر جلوہ ہر سمت دکھایا ہے
سبحان کہوں، رحمان کہوں، کہنے کو کہوں سو نام اُس کے
خلاقِ جہاں ہے نام ایسا اس وقت جو دل کو بھایا ہے
یہ سورج چاند ستارے سارے نجوم سب ہیں مستی میں
انسان ہی نے اس دھرتی پر اک نقشِ دوام بنایا ہے
میں آپ کے سامنے آج اس نقشِ دوام کا سہرا پڑھتا ہوں
اے اہلِ بزم مبارک ہو اکرام کا سہرا پڑھتا ہوں
چل نکلے تو طبع کی جولانی پھر قابو میں کب رہتی ہے
یوں دل سے بات نکلتی ہے جیسے کوئی ندی بہتی ہے
دل میں تو جھجک ہے، ذہن مگر کہتا ہے کہ کہہ دے بات کھری
ہو بات اگر سچی تو اُسے دنیا چُپ چاپ ہی سہتی ہے
اللہ کا ہے فرمان یہی، ابّا سے بھی ہے پیمان یہی
مجبور ہوں اپنی عادت سے، یہ عقل مجھے اب کہتی ہے

---

[1] محمد اکرام اللہ شفیق کی شادی پر یہ سہرا، ۱۴ ستمبر ۱۹۴۴ء کو خود میرا جی نے پڑھا۔

میں عقل کی بات کو مان کے آج اک کام کا سہرا پڑھتا ہوں
اور اس پہ ہوں خوش اپنے بھائی اکرام کا سہرا پڑھتا ہوں

عربی کا تقدس مان لیا، خطبے کی زبان کو بدل ڈالو
اب اور زمانہ آیا ہے، اب جسم اور جاں کو بدل ڈالو

یہ ایک اشارہ کافی ہے، گر ہمت اس پہ عمل کی ہے
تو آؤ اٹھو، بڑھ چڑھ کے چلو اور پہلے جہاں کو بدل ڈالو

ماضی کے نشے سے چونک اٹھو، بیتی باتیں دل سے بھولو
دنیا کے چلن پہ غور کرو اور ہندوستاں کو بدل ڈالو

رسموں کو چھوڑ کے ایک نئے پیغام کا سہرا پڑھتا ہوں
میں سب کو مبارک کہتا ہوں اکرام کا سہرا پڑھتا ہوں

(رشحِ حکمت)

تہنیتِ عیدؔ

ہر ایک لب پہ جو یہ نامِ عید آیا ہے
ہر اک کے واسطے پیغامِ عید آیا ہے
پلٹ کے پھرسے جو ہنگامِ عید آیا ہے
حیاتِ نو کی یہ لے کر نوید آیا ہے

ہمک رہی تھی جو دل میں اسی بشارت کو
جھجک رہی تھی جو اب تک ہر ایسی راحت کو
ہر اک دھڑکتی پھڑکتی ہوئی مسرت کو
پکارتا ہُوا ہَل مِن مزید آیا ہے

دعائے خیر سے چھلکا ہے دل کا پیمانہ
چمک اٹھے نئی صبحوں سے ان کا کاشانہ
جہاں میں پھولیں پھلیں اختر اور سلطانہ
نئے افق سے یہ روزِ سعید آیا ہے

(شعر و حکمت)

ؔ میرا جی نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عید کے موقع پر یہ نظم لکھ کر اختر الایمان کو پیش کی۔

ایک نظم[ے]

افق پہ اختر و سلطانہ کے بفضلِ خدا
ستارہ آج نمودار ہو گیا پہلا
ابھی تو ننھی سی ہے یہ کرن مگر اک روز
مثالِ ماہ چمک اُٹھے گی یہی جہلا
اگر ہے دعویٰ سخن کی شناوری کا تجھے
تو مار غوطہ ذرا شعر ایک دو کہہ لا
میاں اب آج سے تم طے کرو یہ کارِ بد
اب اس کو گود میں لے اور باغ میں ٹہلا
کہ اللہ آمیں کی بچی ہے نام ہے شہلا

ایمان کی قسم

(شعر و حکمت)

ے یہ نظم اختر الایمان کی پہلی بچی شہلا کی پیدائش پر لکھی گئی

مُبارکبادیاں[1]

ہوگئی دشمن کی بربادی   گاؤ مبارکبادی

ہند دیس کے رہنے والے

بڑے بہادر بڑے جیالے

سورماؤں نے چارکھونٹ میں پھرسے دھاک بٹھادی

دشمن سمجھا شیر دھاڑا

آنکھ جھپکتے اس کو پچھاڑا

دیس دیس میں ہم نے کردی   آزادی کی منادی

آزادی ہے ریت ہماری

آخر ہوگئی جیت ہماری

ظلم وستم کا نام مٹایا   واہ میرے اتحادی

(شعروحکمت)

---

[1] غالباً یہ گیت ریڈیو کے لئے دورانِ جنگ لکھا گیا تھا۔

ادھورا گیت

..... ہنگامۂ لذت کا سماں چھایا ہوا تھا یکدم

رادھا بولی مجھے تم اپنا سہارا دو گے

عمر بھر کے لئے کیا اپنا سہارا دو گے

سُن کے یہ شیام چلے بن میں کہیں کھو ہی گئے

رادھا مبہوت تھی جیسے چل بسی

کسی ساحر نے بنا ڈالا ہو سنگیں مورت

(شعر و حکمت)

ہزلیات

ہزل

جتنی برف نظر آتی ہے ہم کو کنچن جنگا میں
اتنا ہی دنگا ہوتا ہوگا شاید دربھنگا میں

آپ مرے تو جگ پرلو اک ڈوبنے والا کہتا تھا
اپنے لئے تو فرق نہیں چاہے جمنا میں چاہے گنگا میں

کچھ تو ایک خلیج ہے اور گنگا سردار کی زینت ہے
کچھ میں لیکن بات نہیں جو بات ہے ان کے کنگھا میں

انگے کا تو قافیہ میرے بس میں نہیں کیوں؟ یہ بھی سنو
انگے کو گر قافیہ باندھا کہنا پڑے گا انگا میں

حضرت مہمل اک دن ننگ دھڑنگ ملنگ سے کہنے لگے
یہ تو کہو کچھ لطف بھی آتا ہے اس ننگ دھڑنگا میں

(شعر و حکمت)

غزل

جینا جینا کہتے ہو، کچھ لطف نہیں ہے جینے میں
سانس بھی اب تو رک رک کر چلتا ہے اپنے سینے میں

ہم تو تمہیں دانا سمجھے تھے بھید کی بات بتا ہی دی
اس دن کو ہم کہتے تھے کیا فائدہ ایسے پینے میں

بڑھے جو چاہ تو بڑھتی جائے گھٹے تو گھٹتی جاتی ہے
دل میں چاہ کی بات ہے ایسی جیسے چاند مہینے میں

کوٹھا اٹاری منزل بھاری حوصلے جی کے نکلیں گے
سامنا ان سے اچانک ہو جائے جو کسی دن زینے میں

جب جی چاہا جس کو دیکھا دل نے کہا یہ حاصل ہے
کیسے کیسے میرے رکھے ہیں یادوں کے دفینے میں

میرا دل تو میرا دل ہے سب کا دل کیوں بہنے لگا
جام جم کا ہر اک جلوہ ہے میرے دل کے نگینے میں

ہم تو اپنی آنکھ کے رو دگی دشمن دشمن کی جانے
چاہت کی کیفیت ہے بات نہیں وہ کینے میں

اوروں کے آئینے میں تو اپنی صورت دیکھے گا
ہر اک صورت جھوم اٹھے گی جب تیرے آئینے میں

میراجی نے بات کہی جو گیانی کھوج لگائیں گے
کہنے والے کی آنکھوں میں سننے والے کے سینے میں

(شعر و حکمت)

ہزل

اے حضرتِ آوارہ ————

ہم سوچتے ہیں کیسے ہو آپ سے چھٹکارا

جو انس ہوا دل کو یہ بھید سمجھاتا ہے

پہلے بھی کبھی شاید دیکھا تھا یہ نظارا

باتوں کی یہ گھاتیں ہیں جیتیں ہیں نہ ماتیں ہیں

دل پل میں اڑاتی ہے جیسے کوئی مہ پارا

اور ہم کو نہیں یارا

کچھ اس کا نہیں چارا

یوں آپ کی کیفیت احساس دلاتی ہے

جیسے کوئی جھونکا ہو جیسے کوئی سیارا

یونانی دواؤں سے انگریزی دواؤں سے
کر لاکھ جتن ہارے تقدیر سے کیا چارا
اب ہومیوپیتھی سے اُمید رہائی ہے
پھر کوئی نہیں چارا
بے روک فضاؤں میں جیسے کوئی سیارہ
آوارہ ہواؤں میں
یہ کالبد خاکی ناری ہے نہ نوری ہے
یہ اصل ہے یا دھوکا
صورت کو اگر دیکھیے معلوم یہ ہوتا ہے
مرکر ..... ہٹلر زندہ ہوا دوبارا

(شعر و حکمت)

ہزل

پیسوں کا انتظام ہوا یا نہیں ہوا
ہم سے کہو کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا

پوچھا جو اس نے کام بھی کس کا نہیں ہوا
ہم جھٹ سے بول اٹھے کہ ہمارا نہیں ہوا

مستی میں جا پڑا جو قدم پائیں باغ میں
بولے نہیں نہیں کبھی ایسا نہیں ہوا

گاڑی میں جُت کے خوب چلاتا دولتیاں
شیدا تمہارا، شکر ہے گھوڑا نہیں ہوا

ہونے کو جو بھی ہونا تھا وہ ہو چکا مگر
وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ گویا نہیں ہوا

بوسہ تو ہم نے لے لیا باقی ہے خیریت
ایسا تو آج ہو گیا ویسا نہیں ہوا

ان لڑکیوں کے ساتھ ہی ہم جاتے ورے
لیکن بغل میں آج ہی بستہ نہیں ہوا

لنڈھور اب تو ایک غزل در غزل چلے
کہتے ہیں وہ روان ابھی دریا نہیں ہوا

شیطاں نے ان کے کان میں پھونکا نہیں ہوا
پھر بھی سمجھ رہے ہیں کہ ہم سا نہیں ہوا

ان سے کہا کہ مانو، اجی مانو، مان جاؤ
انجام کچھ بھی مانو کی رٹ کا نہیں ہوا

کیا قافیے جماتے ہیں لنڈھور گھٹ سے سٹ
یاں ایک بھی پہنچ کے راہ سے بھٹکا نہیں ہوا

؂ بریں میراجی کا تخلص

چل پھر اسی روش پہ یہ انعام ہے ترا — اک راہ پر خیال تو اٹکا نہیں ہوا

دیکھا نہیں، ہوا ہے کہ جانا نہیں ہوا — اوروں کا کیا وہ ہوگا جو اپنا نہیں ہوا

کہتے ہیں لوگ اگلے زمانے کی بات ہے — غالب گئے تو تجھ پہ تماشا نہیں ہوا

یہ جا کے کوئی کہہ دے محمد حسین۱؎ سے — مہدی علی تو بن گیا بھینسا نہیں ہوا

مہدی بنا تو جان بچی لاکھوں پا گیا — یہ شکر ہے کہ عید کا دُنبا نہیں ہوا

جی بھر کے سب نے پی بھی لی بہرہ بھی خوش رہا — جب حسنِ اتفاق سے چڈا نہیں ہوا

سب لکھنے والے یاد رکھیں قول اشک۲؎ کا — وہ بات کیا کہ جس میں ڈراما نہیں ہوا

محمود کی سناتے ہیں محمود۳؎ کی سنو — کیا جو بھی منہ سے نکلا لطیفہ نہیں ہوا

پینے کی چیز ہو کہ وہ کھانے کی چیز ہو — چڈے کے آگے کس کا صفایا نہیں ہوا

بس کر تماشا دیکھ زمانے کا میراجی — انسان ابھی مشین کا پرزا نہیں ہوا

کب تک کھلونے شعر کے بنتے ہی جائیں گے
مانا کمہار شعر کا تجھ سا نہیں ہوا

(شعر و حکمت)

۱؎ آل انڈیا ریڈیو دہلی کے ملازم، میراجی کے دوست ۲؎ اوپندر ناتھ اشک ۳؎ محمود نظامی

ہزل

جب میٹھی باتیں کرتے ہو جی چاہتا ہے میٹھی پی لوں
جب کڑوی باتیں کرتے ہو جی چاہتا ہے کڑوی پی لوں

پینا پینا جینا جینا یہ دونوں باتیں باطل ہیں
پھر کیوں جی لوں کیسے جی لوں پھر کیوں پی لوں کیسے پی لوں

جب جام و سبو خالی ہوں یہ سوچتا ہوں کس کی پی لوں
جب جام و سبو میں ہو بھری جی چاہتا ہے سب کی پی لوں

میرا تو جام اب خالی ہے اور مینا ایک سوالی ہے
اس کی بچا لوں اس کی بچا لوں تم خود ہی کہو کس کی پی لوں

جب طاق پہ طاق بھرے ہوں سب میں سوچتا ہوں اے میرے رب
اب جن میں پیوں یا رم پی لوں برانڈی پی لوں وہسکی پی لوں

زندہ تو میرے حق میں ہیں مُردوں کی خبر لیتا ہوں
اسٹالن نے تو اجازت دی اب بول ٹراٹسکی پی لوں

پینے میں پرانا پاپی ہوں ہر ریت مری ہر رنگ مرا
رس کی جو ملے رس کی پی لوں بس کی جو ملے بس کی پی لوں

ہر لوز سے میرے دل کی کرن ہر ایک دھندلکا ہے انجمن
چاہے بکھرے ستاروں کی پی لوں اڑتے بادل کی پی لوں

اس انجمن میں اب تک مجھ کو ہمت نہ ہوئی مہلت نہ ملی
اک عمر کی سنگت کی پی لوں اک پل کے درشن کی پی لوں

سائیڈر کے دائیں پہلو میں شیمپن بھی ہے موجود یہاں
چمکیلی آنکھوں کی پی لوں یا دہکتے گالوں کی پی لوں

جیتے جیتے پیتے پیتے یہ بات سمجھ میں آئی ہے
جتنا جینا ہے جی ہی لیا اب پی لوں جتنی بھی پی لوں

کافی سے زیادہ کھایا تھا اور کھا کر کافی بھی پی تھی
لیکن وہ مجھے ناکافی تھی اب صافی ہی کافی پی لوں

سندھ اور پنجاب تو ہو آیا اس سے پہلے سرحد بھی گیا
اب یو پی سے ہوتے ہوئے دورے کے لئے میں سی پی لوں

جب پینا ہی جینا ہے مجھے جینے مرنے کی فکر نہیں
پینے میں کسی سے کم ہی نہیں جیسی بھی ہے ویسی پی لوں

ہر روز تو تنہا آتا تھا آج آئے ہیں وہ ساتھ مرے
ان کی آمد ہی کافی ہے تجھ سے کیسے ساقی! پی لوں

سہ آتشے سے کچھ کم کا کبھی عادی نہ ہوا لیکن امشب

تم آپ پلانے بیٹھے ہو جیسی بھی کہو ویسی پی لوں

سنگار کی جب تک جرأت نہ ہو کچھ حسن ترا بھی نکھرتا نہیں

پھر مجھ سے یہ اصرار ہے کیوں روکھی ہی سہی روکھی پی لوں

ہر پینے والے کو آخر کچھ اتنا ہوش تو لازم ہے

جب پینے بیٹھے یہ سوچے آدھی رکھ لوں آدھی پی لوں

(شعر و حکمت)

گیت

ایک کا گیت، جو سب کا ہے

چندر کانت سے من میں آئے شانتی،
کملا میری، بملا میری اور میری ہے کانتی،
پر میں جانوں،
اور یہ سمجھوں
چندر کانت سے من میں آئے شانتی،

شیاما میری —— جس کے لمبے بال، من پنچھی کو جال
رادھا میری —— جس کی موہن چال، من کو کرے نڈھال،

ہاں ہاں، پر دیّا میری ناچے سندر ناچ،
سودھا میری گائے گانے جیسے دہکی آنچ،
آشا میری، اوما میری اور میری ہے کانتی،
پر میں جانوں
اور یہ سمجھوں
چندر کانت سے من میں آئے شانتی،
کملا ضدی، آشا چھوٹی،
بملا بھدی، اوما موٹی،

ہاں ہاں ہاں پر ودیّا دبلی بھی جیسے ہو اِک بانس،
ہاں، اور سودھا؟ ۔۔۔ سودھا پتلی جیسے من کی پھانس
چندر کانت کو وہ کب پہنچیں؟ ۔۔۔ شیاما، رادھا، کانتی

چندر کانت ہے سب سے پیاری،
چندر کانت ہے سب سے اچھی،
میں تو جانوں
چندر کانت بھی ہے اتنا تو جانتی،
چندر کانت سے من میں آئے شانتی،

اب میں سوچوں چندر کہوں یا کانتا!
چُپ چُپ، چپ ـــــ وہ دیکھو آئی چندر کانت ـــــ اور شانتا
لیکن سُن لو، میں ہوں اتنا جانتا،
یہ بھی مانے، وہ بھی مانے سب دنیا ہے مانتی
چندر کانت سے من میں آئے شانتی

(میراجی کے گیت)

۲

آج بسنت سہائے سکھی ری موہے آج بسنت سہائے

آج پیا گھر لوٹ کے آئے سکھ کا سندیسہ بھی لائے

جنم جنم کے قول نبھائے

من سنگیت سنائے سکھی ری موہے آج بسنت سہائے

۲

اب تک رو رو رین گنوائی دن میں بھی سکھ کی سانس نہ آئی

بول تھکی میں رام دہائی

پل پل چین چھن جائے سکھی ری موہے آج بسنت سہائے

۳

بادل نے گھونگٹ کو ہٹایا چاند نے اپنا روپ دکھایا

پریم اُجالا پھیل کے چھایا

دُور ہوئے ہیں سائے سکھی ری موہے آج بسنت سہائے

۴

بھول گئی جو دل پہ بیتی ہے　　پریم نے کان میں بات کہی ہے،
کس کے جی کی جی میں رہی ہے
اس کو جانیں پر لائے سکھی ری موہے آج بسنت سہائے

۵

بند دوار اب کھل جائیں گے　　دل کے داغ بھی دھل جائیں گے
رنگ پُرانے گھل جائیں گے
رنگ نئے اب چھائے سکھی ری موہے آج بسنت سہائے

(میرا جی کے گیت)

۳

اب جانا ہے اب جانا، اب جانا زمانے کو
اب چھوڑ دیا میں نے چاہت کے ترانے کو

سپنوں کے سہارے پر چاہا کہ رہوں تجھ سے
سکھ سیج کے سپنے میں یہ بھول ہوئی مجھ سے
سچائی سمجھ بیٹھا جینے کے بہانے کو،

جینا ہی مرا کیا ہے جینے کا بہانہ ہے
ہر سانس کے پہلو میں اشکوں کا خزانہ ہے
ہنستا ہوں تو ہنستا ہوں غیروں کے دکھانے کو

سب عمر مری یونہی گذرے گی تو پھر کیا ہے
غم بڑھ کے نہ آئے گا اس غم سے جو دیکھا ہے
کافی ہے یہی دل کا ہر درد مٹانے کو،

جُوں تُوں میں چلاؤں گا ٹوٹی ہوئی کشتی کو،
اور چاہے زمانے کا ہر تیر ہی زہری ہو
چپ چاپ سہوں گا میں ہر ایک نشانے کو
اب جان لیا میں نے "اب جانا زمانے کو!"

(میرا جی کے گیت)

۴

اب جس ڈھب آن پڑی سُکھ جان

دُکھ بھی سکھ ہے، کوئی جو بولے　　سُن لے، اکیلا بیٹھ کے رو لے

چاہے سنبھلے، چاہے ڈولے

دل کو دے یہ گیان

جس ڈھب آن پڑی سُکھ جان

پہلا دھندلکا دور ہوا ہے　　جھنجھٹ کل کا دُور ہوا ہے

آنسو ڈھلکا، دُور ہوا ہے

دو پل کا مہمان

جس ڈھب آن پڑی سکھ جان!

تیری کٹیا میں ــــــ نادانی　　چھیڑ کے دُکھ کی رام کہانی

تجھ سے بھی تھی یہ بانی

میٹھے دُکھ کے دھیان

اب وہ بات نہیں ہے پہلی　　　پریم نے جو کہنی تھی کہہ لی

تُو نے بھی سب جی پر سہہ لی

اب تو ٹوٹی ہے تان

جس ڈھب آن پڑی سُکھ جان

دھولے، مدھ کی گنگا گہری　　　رنگ کٹی ہیں، بات اکھری

ایک ہیں سارے میٹھا، زہری

رس کو امرت جان

جس ڈُھب آن پڑی سُکھ جان

جی میں سوچا ایسے بتائیں　　　دل نے دیکھا کیسے بتائیں

بیت رہی ہیں جیسے بیتائیں

اب ہے اسی میں آن

جس ڈھب آن پڑی سُکھ جان

(میرا جی کے گیت)

۵

اِک بستی جانی پہچانی، یہ دُھن تو ہے بہت پُرانی

دل میں ہے دھیان ہمارے

نیلے منڈل کے تارے

اور چندر جوت کے دھارے

سب گائیں میٹھی بانی

اِک بستی جانی پہچانی، یہ دُھن تو ہے بہت پُرانی

دل کو ہے رس کا بندھن

اِس اُجلی رات کا جوبن،

آکاش کا اونچا آنگن

ظاہر میں ہے لاثانی

اِک بستی جانی پہچانی، یہ دُھن تو ہے بہت پُرانی

تُو آئی میں بھی آیا،

دونوں نے قول نبھایا،

لیکن ہر بات ہے مایا،

جگ کی ہر بات ہے فانی

سب فانی، فانی — فانی — یہ دُھن بھی ہے بہت پُرانی

(میراجی کے گیت)

۶

اندھی دنیا آدھی، سادھو، اندھی دنیا آدھی
سوچ سمجھ کر جان لے مورکھ۔ بیٹھ لگا کے سمادھی
ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھے کسی کا چھایا گھور اندھیرا
گپت بھون میں بیٹھے روئیں مل کر سب اپرادھی
پوری بات سنی نہ کسی نے، دل کی دل سے دُوری
گیان گیت کی تان منوہر کیا پوری کیا آدھی
دھرتی چاند ستاروں سمان سبھی انجان پڑوسی
اپنے پرائے اور جگت کے، ہم نے بھی چپ سادھی

(میرا جی کے گیت)

ے

یسا تو دیکھا نہ تھا جیسا دل بے چین ہے آج

گھاؤ نیند سے چونک اُٹھا ہے   آنکھ جھپکتے درد بڑھا ہے
کالی گھٹا سے اُن آنکھوں کا   رِستا کاجل یاد آیا ہے

درد کی فوجیں جیت رہی ہیں
کیسی گھڑیاں بیت رہی ہیں

ایسا تو دیکھا نہ تھا جیسا دل بے چین ہے آج

بستی تھی وہ روپ نگر کی   خوشبو چھائی ہوئی تھی اگر کی
اب سُونا سنسان سماں ہے   برکھا لگی ہے چشم تر کی

آنسو تھک کر چُور ہوئے ہیں
راجا رانی دور ہوئے ہیں

بیری من یہ سوچ رہا ہے اب یہ کس کا راج

ہم تو جو بیتے وہ سہ لیں　　　دل کی باتیں دل ہی سے کہہ لیں
من سے جو دھارا پھوٹی ہے　　　تنکا بن کر اُس میں بہہ لیں
ایک ہی بات ہے جی کی بپتا
یاد نہ آئے پریم کا بندھن
کانوں میں یہ بول نہ گونجیں: تم ہو مرے سرتاج
ہونی کے ہیں بان نرالے　　　دیکھے رنگ ہر آن نرالے
جی کے روگ کی شان انوکھی　　　پریم کے ہیں سامان نرالے
آس یہ جاگی ہے اب من میں
لوٹ آئیں گے وہ آنگن میں
اندیشے آئیں تو آئیں، وہم کا کیا علاج

(میراجی کے گیت)

۸

بات نئی، بات نئی،

اب تو ہے ہر بات نئی،

رات گئی، رات گئی،

کالی کالی رات گئی،

رات نئی اب آئے گی

چندر مان کو لائے گی

نور کی ندی بہہ نکلے گی ایسا رنگ جمائے گی

دل میں دکھ کے بندھن تھے جو اب وہ ٹوٹ ہی جائیں گے،

لوٹ کے دھیان نہ آئیں گے

دکھ والے،

سکھ والے

دھیان مری پیاسی آنکھوں کو میٹھے رنگ دکھائیں گے،

آس بندھی، آس بندھی،
آس بندھی ہے من کی جیسے پتیم سے سنجوگ ہوا،
دُور برہ کا روگ ہوا،
دُور ہوئی، دُور ہوئی،
دُور ہوئی ہے من کی چنتا پھلواری میں پھول کھلے
برہن اب پتیم سے ملے،
آ ہی گئیں، آ ہی گئیں،
آ ہی گئیں اب سُکھ کی گھڑیاں، پل میں تارے آئیں گے
سونے گگن میں اپنی اگن سے جیون جوت جگائیں گے،
رات نئی، رات نئی،
رات نئی اب آئے گی
چندرماں کو لائے گی
نُور کی ندی بہہ نکلے گی ایسا رنگ جمائے گی،

(میراجی کے گیت)

۹

بھرلے امرت پیالا پیارے پل میں جگ اُجیالا

اس میں چھپا ہے دُکھ کا دارو

لہر لہر میں سُکھ کا جادو

اس پیالے امرت میٹھا، سوچ مٹانے والا

پیارے

بھرلے امرت پیالا

۲

اس پیالے میں ایسی دلہن ہے

چنچل، سُندر، من موہن ہے

ہاتھ بڑھا کر بس میں کرلے کیا چوکھی چالا'

۳

پینے والے پیتے جائیں

جینے والے جیتے جائیں

پی کر، جی کر جیون بیتے، ٹوٹے دکھ کا بھالا'

۴

آن کی آن جہان ہے سارا
اُن کی آن ہے بہتی دھارا
آن کی آن اتار گلے سے گیان دھیان کی مالا

۵

اب تک جگ میں آئے ہزاروں
اپنی بولی لائے ہزاروں
ہم سے میٹھی بانی سُن لے، بھر لے امرت پیالا

۶

سارا جگ گمسان کارن ہے
تُو کیوں اپنی دُھن میں مگن ہے
تُو بھی ہاتھ بڑھا کر آگے بن جا پینے والا
پیارے
بھر لے امرت پیالا!

(میرا جی کے گیت)

۱۰

بھیج بھیج سندیسے اپنے مجھے ستانے والے

جب تیرا سندیسہ آئے، برہ اگن بھڑکائے

ساگر نینوں کا سوکھے من کا سوتا بہہ جائے

بیتے سکھ سب یاد آ جائیں دل چٹکی میں مسلیں

بے بس من کچھ کر نہ سکے اور تڑپ تڑپ رہ جائے

دل کو سکھ دینے والے، دل کو تڑپانے والے

بھیج بھیج سندیسے اپنے مجھے ستانے والے

۲

ملنے میں مجبوری ہے پر سندیسے تو آئیں،

برہ اگن بھڑکائیں، من کو تیرا نام جپائیں،

تیرا نام جپائیں، من کو کیسا سکھ پہنچائیں،

آشا ایک ہے اب سندیسے آئیں، آئیں، آئیں،

یاد تری جو سوئی ہوئی تھی اس کو جگانے والے

بھیج بھیج سندیسے اپنے مجھے ستانے والے!

(میراجی کے گیت)

۱۱

برکھا کے لاکھوں ہی تیر دل پر کس کو سہوں میں
چاروں اور چھُوٹے ہریالی
چھائی گگن پہ گھٹا متوالی
چھاجوں برسے نیر دل کی کس سے کہوں میں
رہ رہ آئیں پَوَن جھکولے
ڈولے، ڈولے، نیا ڈولے
ٹھنڈے کانپے سریر، اب تو چپ نہ رہوں میں
بادل بن گئے پریم ہنڈولے
دُکھ کا بندھن کوئی نہ کھولے
آجا ڈرن بیرا دُکھڑا تم سے کہوں میں

(میرا جی کے گیت)

۱۲

بیت چلی ہے، بیت چلی ہے، بیت چلی ہے رات

اُودھو

بیت چلی ہے رات

اب تک آئی نہیں ہے رادھے، سوچ کی ہے یہ بات

اُودھو

بیت چلی ہے رات

رستے میں سو ڈر کی باتیں، بیری زہری ناگ

کوئی نہ جانے چھپ کر بیٹھا کون سگائے گھات

اودھو

بیت چلی ہے رات

شرمیلی، نربل سی ناری سہم سہم نہ جائے

بھگون اُس کو راہ بتائے، تھام کے لائے ہات

اودھو

بیت چلی ہے رات

میں بھی اکیلا' وہ بھی اکیلی' دُور ہیں دونوں ــــ دُور
رات کا اندھیارا ہے گہرا کالی' اندھی رات

اُودھو

سوچ کی یہ ہے بات

شرمیلی، نربل سی ناری وہ آئی ، وہ آئی!
اچھا کہہ دے رستے میں تُو ڈرے نہیں گھبرائی؟
تیرے من میں کون سی شکتی تجھ کو یہاں تک لائی؟
وِدّیاپتی یہ بات سجھائیں ، پریم کی شکتی ، بھائی.
پریم کی شکتی لائی یہاں تک' پریم کی ہے کیا بات

اودھو

پریم کی ہے کیا بات

(اخذ و ترجمہ وِدّیاپتی)

(میراجی کے گیت)

۱۳

پانڈو[1] رنگ کا نام

سمرن کر لے —— سدا رہے یہی کام،

پانڈو رنگ کا نام

اگنی میں بھڑکیں انگارے
دیپے جھلمل جھلمل کر کے

من میں تیرے —— نت چمکے یہی نام،

پانڈو رنگ کا نام

پھلواری میں کلیاں چٹکیں،
دیسے تیرے تن اور من میں

کھلتا جائے —— پُشپا رو پی نام،

پانڈو رنگ کا نام

ہمیں دِٹھو[2] با آج بلائیں
ہم اُن کے چرنوں میں جائیں

---

[1] [2] مہاراشٹر میں بھگوان کرشن کے یہ دو نام ہیں۔ م

آئے اچانک گھڑی سہانی   ساگر اور دریا کا پانی
اہنکار کو دونوں چھوڑیں   مل کر گائیں میٹھی بانی

ہم ایسے ہیں جیسے دریا
اور وہ ہے ساگر امرت کا'

دیر سے ساگر ہمیں بلائے   جب ساگر دریا کو پائے
دریا پھر کیسے لوٹ آئے   تُکّا یہی اک بات بتلائے

بھول نہ جائے ـــــ دے گا مکتی نام'
پانڈورنگ کا نام

(اخذ و ترجمہ تکارام)

(میرا جی کے گیت)

۱۴

پریمی بدلے بھیس نئے

جب

پریت دکھلائے دیس نئے

مورکھ من پر جادو کرکے   پریت سنائے راگ نئے

پریت دکھلائے دیس نئے

پہلی باتیں جی سے بھلائے، بھولے ہر اک بات

پھیکا دن بیتے جگ میں رس والی آئے رات

پریمی بدلے بھیس نئے

جب

پریت دکھلائے دیس نئے

ساون کی متوالی رُت میں

جیسے آنکھ جھپکتے پل میں

بادل آئیں　　برکھا لائیں　　آگ لگائیں

دیپ پریت کے میٹھے رس میں سُر بدلے جیون کا راگ

دھیمی دھیمی دُھن کی لہریں اک پل میں بن جائیں آگ

مورکھ من پر جادو کر کے پریت سنائے راگ نئے

پریت دکھائے دیس نئے

پریمی بدلے بھیس نئے

جب

پریت دکھائے دیس نئے

(میراجی کے گیت)

۱۵

مُکھتال

پریمی چپ چاپ رہے — تارے بولیں
اب دل کی کون کہے — تارے بولیں
کیوں جی کی جی میں رہے — تارے بولیں
دل ڈولے ، ناؤ بہے — تارے بولیں

دوگانا

ا ـــــ اب کھولو بندھن، بولو بات رسیلی، منہ سے بولو،

اب بات بنی، اب رات اپنی
اب گاؤ گیت سناؤ، گھونگھٹ کھولو،

اب بولو بات رسیلی، بندھن کھولو، منہ سے بولو،
آکاش نے سیج بچھائی — تاروں نے جوت جگائی
اب گھڑی سہانی آئی — دل کو دھولو، منہ سے بات رسیلی بولو،

اب پاس ہیں، دور نہیں ہیں — تم ساتھ ہو، ہم بھی یہیں ہیں

اب بندھن کوئی نہیں ہیں — امرت گھولو منہ سے بات رسیلی بولو!

۲ــــــ ہم بولیں ــــــ بولیں، بات رسیلی بولیں، جیسی بولو ویسی بولیں

تم اور نہیں، ہم اور نہیں، پھر کیسے بندھن کھولیں کیسے بات رسیلی بولیں

تم جیسے رہو، تم جو بھی کہو ہے بات ہماری اپنی،

اب پاس ہوئے، اب دور نہیں، ہے رات ہماری اپنی،

جیسی بولو ویسی بولیں،

ہم بولیں بولیں، بات رسیلی بولیں جیسی بولو ویسی بولیں،

تم اور نہیں، ہم اور نہیں، پھر کیسے بندھن کھولیں کیسے بات رسیلی بولیں؟

جیسی بولو ویسی بولیں،

۱ــــ اب کھولو بندھن، بولو بات رسیلی، منہ سے بولو،

بہتی جائے جیون ندی، آؤ تن من دھولو، منہ سے بات رسیلی بولو

(میراجی کے گیت)

۱۶

پھر آنکھوں میں آئی　　مورت　　یاد پُرانی لائی ہے
دل میں آگ لگائی　　اس نے　　بھولی کہانی سُنی ہے

گھونگٹ کا پردا ڈالا ہے
منوہر من موہن بالا ہے
آنکھ کے تیر نے توڑا بندھن
گھونگٹ میں اب اُجیالا ہے

کیوں آنچل سے چھپائی　　سورت　　بھید کی بات سمجھائی ہے
بھولی کہانی سُنائی　　دل کو　　یاد پرانی رُلائی ہے

اتنی دُور سے پاس آئی ہے
دکھیا من میں آس آئی ہے
دیکھتا ہوں روٹھے جیون کی
ہر شے مجھ کو راس آئی ہے

کیسی جوت جگائی — دل میں — میٹھی آگ لگائی ہے
پھر آنکھوں میں آئی — مورت — یاد پُرانی لائی ہے

رنگ نیا ہے، تان نئی ہے
رس کی اچھوتی شان نئی ہے
پھُوٹ بہی پھر روپ کی دھارا
یہ دھارا ہر آن نئی ہے،

کون کہے ہرجائی — اس کو — جھُوٹی کہانی سنائی ہے
پھر آنکھوں میں آئی — مورت — یاد پرانی لائی ہے

(میراجی کے گیت)

۱۷

پی لے میت، پی لے میت

اپنی ہاری بازی جیت، پی لے میت، پی لے میت

پریم کی ہار ــــ جی سے بسار

دو بوندوں میں سُنائی دے گی نرالی، میٹھی جھنکار

موہن بول، میٹھا گیت

پی لے میت، پی لے میت

۲

بھول یہ بات اب دن رات

کھیل وہ کھیل کہ جس میں ہو گا نیا شکاری، نرالی گھات،

کیا ہے جیت، کیا ہے پیت

پی لے میت، پی لے میت

۳

آن کی آن ، سارا جہاں

اپنے روگ جی سے بھلا دے ، دکھائی دے گی انوکھی شان

ایک نئی مستی کی ریت

پی لے میت! پی لے میت

۴

دکھ کو بھول ، دیکھ یہ پھول

ہم بھی جھول رہے ہیں ، آجا ـــــ تو بھی مدھ کا جھولا جھول

جس نے پی لی اسی کی جیت

پی لے میت! پی لے میت!

(میراجی کے گیت)

۱۸

"تنہا، سب سے دُور اکیلی

دُکھیا دل لے کر ہے بیٹھی

رادھا........

بات نہیں سنتی وہ کسی کی

اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی

رادھا..........

سُوریہ کے گھونگٹ بادل کالے

ہر دم بس اُن کو ہی دیکھے

رادھا.......

میں ہوں پجارن جوگیا پہلے

"بھوگ نہیں ہے" بس یہ بولے

رادھا.......

لو وہ اُس نے جُوڑا کھولا   کاندھوں پر گیسو لٹکائے

جب کالے بالوں کو دیکھا　　دل میں دھیان کسی کا لائے
اب دیکھے آکاش کو رادھا　　اور اُس نے بازو پھیلائے
کالی گھٹاؤں سے کچھ بولی
لیکن کس کی سمجھ میں آئے
کس نے سُنی ہے بات ادھوری　　ایک پہیلی کون بجھائے؟
مور کی گردن نیلی کالی　　دیر تلک وہ دیکھتی جائے
آؤ اس کا بھید بتائیں
آؤ پہیلی ہم ہی بجھائیں
ہم نے ان باتوں سے جانا　　دھیان لئے ہے شیام سُندر کا
رادھا . . . .

(چنڈی داس سے ماخوذ)

(میراجی کے گیت)

۱۹

جب آنے والے آئیں گے

تب سب بندھن کھل جائینگے

اب جھلمل جھلمل تارے ہیں   سب پیتم کے ہرکارے ہیں

یہ اپنا جی بہلائیں گے

آنے والے آجائیں گے

اب جگمگ جگمگ چندا ہے   سپنوں کا گورکھ دھندا ہے

سپنوں میں ہم کھو جائیں گے

اور آنے والے آئیں گے

دن بیتا شام بھی بیت گئی   اور رات بھی بازی جیت گئی

کچھ دیر میں تارے جائیں گے

آنے والے کب آئیں گے؟

جب آس کا گیت ہی ماند ہوا   تب دل بھی ڈھلتا چاند ہوا

اب یونہی جی بہلائیں گے

کبھی آنے والے آئیں گے

(میرا جی کے گیت)

۳۰

جب جیتیں بھی ہیں ماتیں

پھر کیسی سُکھ کی باتیں ہیں، جب جیتیں بھی ہیں ماتیں

جب آئی گھٹا، جب چھائی گھٹا

جب چاند چھپا، جب نور مٹا

پھر کالی کالی راتیں ہیں، اور جیتیں بھی ہیں ماتیں

اپنی

کیسی سُکھ کی باتیں ہیں

جب جیتیں بھی ہیں ماتیں

۲

جب رنگ نہیں، جب رس بھی نہیں

جب روگ پہ اپنا بس بھی نہیں

کیوں راگ میں رنگ کی باتیں ہیں، جب جیتیں بھی ہیں ماتیں

۳

جب باتیں تھیں تب راتیں تھیں

جن برکھا کے برساتیں تھیں

دل کہتا تھا یہ ریتیں ہیں یہ جیتیں بھی ہیں ماتیں

۴

اب پہلی پرانی ریت نہیں

اب پیت نہیں وہ گیت نہیں

اب دل کی دل سے باتیں ہیں ، کیوں جیتیں بھی ہیں ماتیں

اپنی

سونی سونی راتیں ہیں

کیوں جیتیں بھی ہیں ماتیں

(میراجی کے گیت)

۲۱

جس کے دل میں دُکھ کا بسیرا اس کو ایک ہی سانجھ سویرا،
دونوں ایک ہیں سانجھ سویرا، نُور اندھیرا دونوں ایک
سُکھ ہے سپنا   دکھ ہے اپنا
گھر میں بیٹھ کے مالا جپنا
پوجا کو مندر کا پھیرا، سانجھ سویرا دونوں ایک
دونوں ایک ہیں سانجھ سویرا، نور اندھیرا دونوں ایک
رات کو رونا   دل کو دھونا
روتے روتے تن من کھونا
دونوں ایک ہیں تیرا میرا نور اندھیرا دونوں ایک
دونوں ایک ہیں نور اندھیرا، سانجھ سویرا دونوں ایک
کس نے رہائی   ان سے پائی
دُکھ سکھ دونوں ہیں ہرجائی
ایک سے بڑھ کر ایک کا گھیرا، سانجھ سویرا دونوں ایک
دونوں ایک ہیں ــــ سانجھ سویرا، نور اندھیرا دونوں ایک
کیسا اندھیرا،   کیسا سویرا؟
چاہے پھیرا چاہے بسیرا،
اپنی نظر میں پل کا ڈیرا، سانجھ سویرا دونوں ایک
دونوں ایک ہیں سانجھ سویرا، نور اندھیرا دونوں ایک

(میرا بائی کے گیت)

۲۲

جمناتٹ سے آئی تان

میں گھر بیٹھی سکھ میں ڈوبی

دکھ سندیسہ لائی تان

جیسے تیر کو چھوڑے کمان جمناتٹ سے آئی تان

۲

رات اندھیری اور سنسان

بنسی گونجی چبھتی چبھتی

جمناتٹ سے آئی تان

دکھ سندیسہ لائی تان

۳

کوئی نہیں جو راہ بتائے کوئی نہیں جو دیدے گیان

میت جا پہنچوں اُن چرنوں میں لے کر پھولوں کا بلیدان

پھول چڑھاؤں بھینٹ چرن کی منہ سے بولوں ہے بھگوان

آج ہوا سنجوگ پریم کا، پریم بنسی کی میٹھی تان،

جمناتٹ سے آئی تان

پریم سندیسہ لائی تان

(میرا جی کے گیت)

۲۳

جے سیتل جے سیتلا ـــــ

تیرے درشن ہیں دُکھ بھنجن　　سُکھ ہے تیری دیا کے کارن

جے سیتل جے سیتلا ـــــ

تیرے درشن کو ہم آئے　　دل میں پھول بھینٹ کے لائے

جے سیتل جے سیتلا ـــــ

رہ نہ جائے آس ادھوری　　آشا کر دے جی کی پوری

ہم ہیں جو بھی داس تمہارے　　داس کی بھکشا جان ضروری

جے سیتل جے سیتلا ـــــ

تیرے دوار آئیں نرناری　　پل میں جائے بپتا ساری

ان چرنن پر آنکھ لگی ہے　　سُن لے سُن لے بنتی ہماری

جے سیتل جے سیتلا ـــــ

(میراجی کے گیت)

۲۴

۱

جیون ایک مداری پیارے کھول رکھی ہے پٹاری
کبھی تو دُکھ کا ناگ نکالے پل میں اُسے چھپا لے
کبھی ہنسائے کبھی رلائے بین بجا کر سب کو رجھالے
اس کی ریت الوکھی، نیاری، جیون ایک مداری

۲

کبھی نراشا کبھی ہے آشا پل پل نیا تماشا
کبھی کہے ہر کام بنے گا جگ میں تیرا نام بنے گا
بنے دیا لو بتیا چپاری، جیون ایک مداری

۳

جب چاہے دے جائے دھوکا اس کو کس نے روکا
تو بھی بیٹھ کے دیکھ تماشا کبھی نراشا کبھی ہے آشا
پت جھڑ میں بھی کھلی پھلواری، جیون ایک مداری

۴

آئے ہنسی مٹ جائیں آنسو اس میں ایسا جادو
بندر ناچے قلندر ناچے سب کے من کا مندر ناچے
جھوم کے ناچے ہر سنساری، جیون ایک مداری

(میراجی کے گیت)

۲۵

جیون رَن بھُومی کے سمان

آن کے ساتھ جہان ،   جیون رَن بھومی کے سمان
گھر جو اجاڑے وہی لٹیرا   دیکھ سکے کب تیرا میرا!
ہاتھ پڑی ہر شے لے بھاگے   موہ نے جس کے دل کو گھیرا!
موہ نے جس کے دل کو گھیرا
اُس کو بیری جان
جیون رَن بھومی کے سمان

۲

جی دہلاتی آندھی آئی   سارے جگت میں چھڑی لڑائی
پورب پچھم اندھیاری ہے   کون ہے بھائی ، کون قصائی
کون ہے بھائی ، کون قصائی
اس کی کیا پہچان
جیون رَن بھُومی کے سمان

۳

دیکھ دیکھ کر پاؤں بڑھانا　　آگے پیچھے دیکھتے جانا
جہاں بھی دیکھو مچی دھاندلی　　دیکھ نہ ہرگز دھوکا کھانا

دیکھ نہ ہرگز دھوکا کھانا
تو ہے ابھی نادان
جیون رَن بھُومی کے سمان

۴

جاگ گھٹا پورب سے آئی　　ہو نہ کہیں جگ میں رسوائی
بڑھے دیس کے سارے سورما　　سب کو دیں دشمن سے رہائی

سب کو دیں دشمن سے رہائی
اس میں ہے اب آن
جیون رَن بھُومی کے سمان

(میراجی کے گیت)

۲۶

دوگانا ـــــ مکھتال کے ساتھ

عورت۔ چاند سُنائے پریم کہانی ـــــ آؤ، آؤ، آؤ

عورتیں۔ (مکھتال) آؤ، آؤ، آؤ،

عورت۔ تارے گائیں میٹھی بانی ـــــ آؤ، آؤ، آؤ

عورتیں۔ (مکھتال) آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ روپ کی مایا آنی جانی ـــــ آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ (مکھتال) آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ کہتی ہے پانی کی روانی ـــــ آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ آؤ، آؤ، آؤ

عورت۔ ڈال ہوائے جھوم کے بولے میٹھے بول سناؤ،
پتی پتی بندھن کھولے دل کا بھید بتاؤ،

عورت، مرد۔ جیون مایا جگ ہے فانی ـــ آؤ، آؤ، آؤ،

عورتیں اور مرد۔ (مکھتال) آؤ، آؤ، آؤ

عورت مرد۔ آج گیا کل نئی کہانی ـــــ آؤ، آؤ، آؤ،

عورتیں، مرد۔ (مکھتال) آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ بہتی جائے جیون دھارا آؤ تن من دھو لو
آنکھ سے دُور ہوا اندھیارا اب تو بندھن کھولو

عورت۔مرد۔ آئی ہے سرمست جوانی ــــــــ آؤ، آؤ، آؤ

عورتیں۔مرد۔ (مکمتاں) آؤ، آؤ، آؤ

عورت۔مرد۔ نئی اُمنگیں، نئی کہانی ــــــــ آؤ، آؤ، آؤ

عورتیں۔مرد۔ (مکمتاں) آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ بہتی جائے جیون نیا روپ مسافر، پریم کھویا
دُور ہی دُور نہ ڈوبے نیا دل کو دل سے لگاؤ
میٹھے بول سناؤ

عورت۔ آیا ہے من بھاتا زمانہ یہ مینا ہے، یہ پیمانہ
کل تو سب ہوگا افسانہ آج ہی پیو پلاؤ
جگ کو مست بناؤ

مرد۔ چاند سنائے پریم کہانی ــــــــ آؤ، آؤ، آؤ

مرد۔ (مکمتاں) آؤ، آؤ، آؤ

عورت۔ تارے گائیں میٹھی بانی ــــــــ آؤ، آؤ، آؤ

عورتیں۔ (مکمتاں) آؤ، آؤ، آؤ

(میراجی کے گیت)

۲۷

چنچل، ہنس مکھ ناری، پل میں، دکھ کی یاد بھلادی ساری
تیکھی چتون، گہرا کاجل
کومل آنچل، اڑتا بادل
انگ انگ لہراتی ڈاری ــــــ چنچل ہنس مکھ ناری
جیوتی ماتھے کے آنگن کی
گیسو پر چھائیں ناگن کی
پلکے آشا بس کی ماری، ــــــ چنچل ہنس مکھ ناری
بات کا رس برکھا ساون کی
روپ کے گیت میں تان جیون کی
استھائی، انترہ سنچاری، ــــــ چنچل ہنس مکھ ناری
اندر سبھا کی بہتی دھارا
گیت بھی پیارا، ناچ بھی پیارا

پل پل چھن چھن شوبھا نیاری   چنچل ہنس مکھ ناری

کلیاں چٹکیں، بھنورے آئیں

چوس چوس کے رس اُڑ جائیں

کھلی رہے سندر پھلواری   چنچل ہنس مکھ ناری

بھید کی بات سجھائی تو نے

ایک پہیلی بجھائی تو نے

جو سُن لے بنجائے پجاری   چنچل ہنس مکھ ناری

(میرا جی کے گیت)

۲۸

دھندلے پڑ گئے خواب ہمارے، دھندلے پڑ گئے خواب

دل پہ تھکن کی گھٹا چھائی ہے، اب یہ نہیں ہے تاب

ہمارے

دھندلے پڑ گئے خواب

بیتا سماں اب جی سے بھلائیں روٹھ گیا وہ روپ

ہلکی ہلکی چھاؤں تھی اور ہلکی ہلکی دھوپ

اب تو تھکن کی گھٹا چھائی ہے اسکے ہے اب سر لب

ہمارے

دھندلے پڑ گئے خواب

دھندلے پڑ گئے خواب سہانے — بھولے نادانی کے بہانے
بولو، بوجھے کون پہیلی — بھید کا بندھن کوئی نہ جانے
رُک گئے، ٹھہر گئے بنا ہے سیندی اب چنچل سیماب
ہمارے
دھندلے پڑ گئے خواب
بیتی دھارا سوکھ گئی ہے — رات نئی ہے، بات نئی ہے
تان ٹوٹی ہے، گیت مٹا ہے، ساکن ہے مضراب
ہمارے
دھندلے پڑ گئے خواب
جنسی رات میں کس نے بجائی — رام دہائی! رام دہائی!
راکھ میں چنگاری کیوں سُلگی اس کی نہیں ہے تاب
ہمارے
دھندلے پڑ گئے خواب

(میرا جی کے گیت)

———

۲۹

دل میں کیسی پکار ؟
کس کا ہے پیار، دل میں کیسی پکار ؟

ان آنکھوں میں آنسو کیسے ؟
آہیں کیسی، کیوں بیزار ؟
دل میں کیسی پکار ؟

اپنے دُکھ کو بھول کے جی رے!
باہر دیکھو چھائی بہار،
دل میں کیسی پکار ؟

چھم چھم چھم چھم ناچ رہی ہے
موہن دھرتی کر کے سنگار،
دل میں کیسی پکار ؟

اِس جیون کا ایک کنارا
اس کے آگے آر نہ پار'
دل میں کیسی پکار؟

سب کے دل کا گیت سہارا
گیت سے ہو گی نیا پار'
دل میں کیسی پکار؟

جگ میں پل کا ساتھ ہے سارا
پل کی جیت ہے پل کی ہار'
دل میں کیسی پکار؟

(میرا جی کے گیت)

۳۰

دو دن کی تھی پریم کہانی ـــــــ مست زمانہ، مست جوانی
آنکھ کھلی تو سب کچھ فانی
دو دن پریم کہانی
اب تو
آنسو بھاگ ہمارے
اب تو سُونے دوار ہیں سارے

۲

پیتم اپنے پاس نہیں ہے ـــــــ پھر ملنے کی آس نہیں ہے
اب تو جیون راس نہیں ہے
پیتم پاس نہیں ہے
اب تو
سُونے دوار ہیں سارے
اب تو آنسو بھاگ ہمارے

۳

پیتم تھے جب اپنے بس میں ـــــ ڈوبے تھے ہم پریم کے رس میں

پریم کے وعدے، پیار کی قسمیں

اب نہیں اپنے بس میں

اب تو

جیون بازی ہارے

اب تو آنسو بھاگ ہمارے

۴

ٹوٹی پریت کی آس اب ساری ـــــ کیسا پریم کا روگ ہے کاری

دن اندھیارا، رات اندھیاری

ٹوٹی آس ہماری

اب تو

سونے دوار ہیں سارے

اب تو آنسو بھاگ ہمارے

(میرا جی کے گیت)

۳۱

رات پھر سے جاگ اُٹھی،
میٹھی اذیت چاہت کی، رات پھر سے جاگ اُٹھی

پل پل آنسو بہاتے بیتا آنکھوں میں رات کٹی،
دھندلی نگاہوں نے چاند تو دیکھا چھائی رہی بدلی،
دُور ہیں سکھیاں، دُور پیا ہیں، میں ہوں اکیلی بالی،
دھیان کی لہروں کے جھولے میں جی بھر کر جھُولی،

آیا سویرا، دن بیتا، لو! پھر سے شفق پھُولی،
نیلے رنگ میں لال بھی اُبھرا دونوں میں جنگ چھڑی،
پھر سے نہ جھنجلا کر اُٹھ بیٹھیں موجیں من ساگر کی،
پھر سے کنارے ڈوب نہ جائیں، پھر نہ اُمڈ آئے ندی،
رات آئی چھایا اندھیارا، سوئی شام مٹی،
نیند آئے گی دُکھ بھولیں گے، نیند ہری دردی،
بات نہیں اب ڈر کی، کوئی، بات نہیں ڈر کی،

۳۲

رات کا رنگ اداس
دن کا یہ دستور،
کوئی نہیں ہے پاس
کوئی نہیں ہے دُور،
بول نہ شام کی بات اُس سے اچھی رات
رات گئے پہ دن
دِن کو راہ اداس
آنکھ سے اوجھل نُور
دل میں کیسی آس!
دل دکھیا، مجبور
ہر دھڑکن ساکن
دھندلی شام ہی آئے ہر سُو پھیلیں سائے
کالی رات کو لائیں
یہ باتیں تو جائیں
کوئی نہیں ہے آس
کوئی نہیں ہے پاس
کوئی نہیں ہے دُور
آنکھ سے اوجھل نُور

(میرا جی کے گیت)

۳۳

رات نے مارا بھالا، دل میں
رات کا جادو کالا ـــــــ ڈسنے والا،

تن بیاکل، من بیاکل، دونوں کا تیر کسی نے نکالا،
یہی پکارے ہالا،
رات کا جادو کالا،

دل میں دُکھ کی لہریں ایسے
اندھیارے میں جیسے جوالا،
رات نے مارا بھالا، دل میں
رات کا جادو کالا،

پَوَن جھکولے
کھا کر ڈولے

دل کی نیّا، دل ہے مورکھ بھولا بھالا،
رات کا جادو کالا، ـــــــ ڈسنے والا

تارے ٹوٹیں، آنسو پھوٹیں
ساگر کب ہے تھمنے والا؟
نیّا ڈولے، دل یہ بولے
کھولے بندھن کون نرالا؟
رات کا جادو کالا

اب تارے جلتے انگارے
اب تو چاند ہے بس کا پیالا،
رات نے مارا بھالا دل میں
رات کا جادو کالا،

سکھ سمے دھیان کیسے اب آئیں
نیناں بیری
جپتے جائیں انسوّن مالا،
رات کا جادو کالا ـــــــ ڈسنے والا

(میراجی کے گیت)

۳۴

راہ تکے من ہارے نہیں
اب کوئی کہیں ہے کوئی کہیں
کیوں راہ تکے من ہارے نہیں!

جب اُن سے آمنا سامنا تھا تب چنچل دل کو تھامنا تھا
کیوں پریم کے بھید اُجالے نہیں
اب راہ تکے من ہارے نہیں

جب ٹیس اٹھی تو ڈول اُٹھا دل بے بس ہو کر بول اُٹھا
جو پیارے ہیں اُن کو پیارے نہیں
ہم راہ تکے من ہارے نہیں

اندھیارا سب کچھ لوٹ گیا من موہن جھولا ٹوٹ گیا
اب پہلے دھیان سہارے نہیں
ہیں راہ تکے من ہارے نہیں

دُکھ کی نہ کسی سے بات کہی — جو دل پہ پڑی چپ چاپ سہی

پر کام تو پھر بھی سنوارے نہیں

اب راہ تکے من ہارے نہیں

کیوں منزل دُور دکھائی دے — جب میٹھی تان سنائی دے

جو تمہارے نہیں وہ ہمارے نہیں

اب راہ تکے من ہارے نہیں

(میراجی کے گیت)

۳۵

کب جوگ سے گا تیرا   اسی سوچ نے ڈالا ڈیرا
کب جوگ مٹے گا تیرا، اُجالا آئے، اندھیرا بھاگے، جاگے سویا پنچھی
پھر وہی ڈال ڈال پر پھیرا
کب جوگ مٹے گا تیرا   اسی سوچ نے ڈالا ڈیرا
اِس بن باس پیاس سے مٹے گی پورا دھیان لٹیرا،
تو نے آکر چھاؤنی چھائی   بھول نے آخر آگ لگائی،
کام کا سورج پھٹک سے نکلا آیا گیان سویرا،
پھر سوچ نے ڈالا ڈیرا
جوگ مایا کا جال نیا ہے   آئے نہ ہاتھ جو وقت گیا ہے
اب پچھتاوا جان کو کھائے جیون خالی میرا
کب جوگ مٹے گا تیرا   اسی سوچ نے ڈالا ڈیرا

ڈال ڈال پر جھومے پنچھی، تو دیکھے، ترسائے،
بیتا سماں اب نیند میں کھویا، تڑپے، ہاتھ نہ آئے،
کب جلائے جی سے دھوکا
تجھ کو روکا
کس نے؟ بول کہ پھندا ٹوٹا،
جیون چھوٹا
جال سے مایا کے اب مکتی پائی
آنکھوں میں آئی
راہ نئی، وہ بات گئی،
اب کوئی نہ تیرا میرا   اسی سوچ نے ڈالا ڈیرا

(میراجی کے گیت)

۳۶

کس نے لیا شیام نام؟
مجھ کو یہ بتا سکھی! کان سے سُنا اسے دل میں جا بسا گئے

روح پریشان ہوتی
میں یہ نہیں جانتی
کتنی مٹھاس اس میں ہے کیسے زبان سے ہٹے
بول بول ہر گھڑی
ہو گئی ہوں باؤلی

مجھ کو یہ بتا سکھی!
کس نے لیا شیام نام؟

اے سکھی بتا مجھے
کیسے ملوں گی اُسے؟

نام ہی سے یہ تو   موہنی سی کر گیا

جسم اس نے جب چھوا   کہہ سکی کہ ہو گا کیا؟

جس جگہ ہے اس کا گھر   اس جگہ کنواریاں

اس کا روپ دیکھ کر   ضبط کر سکیں کہاں!

سوچ ہے یہی مجھے

بھول جاؤں میں اسے

بھول کیسے جاؤں میں؟   کس طرح بھلاؤں میں؟

کہہ سکی میں کیا کروں

اس کی کیا دوا کروں؟

گھر سے بات توڑ کر   شرم لاج چھوڑ کر

جس کو دیکھو اس کو ہی   دُھن ہے اُس کی چاہ کی

بول بول میں تھکی

مجھ کو یہ بتا سکی!

کس نے لیا شیام نام؟

(ماخوذ و ترجمہ چیتنی داس)

(میرا جی کے گیت)

۳۷

کون کہے جانی بات تمہاری کون کہے ــــ مانی بات
جیسا دن ہے ویسی رات،
دُھلے دُھلائے، سجے سجائے سب کے پھول اور پات،
دل کا دردی کوئی نہ دیکھا رین بھئی پر بھات
انہونی کا پل بھی نہیں ہے ہونی کے دن رات،
اپنی ایک ڈگر لے دے دھرے ہات پہ ہات

(میرا جی کے گیت)

۳۸

کوئی کہے میں سُندر نار

رین اندھیری، رین اُجیالی بادلوں والی، تاروں والی

سُونی سیج پر جاگے پیار

کوئی کہے میں سُندر نار

پہلے ڈول رہا تھا مالی اب ہرائی جھوم کے ڈالی

اب پھلواری لائی بہار

کوئی کہے میں سُندر نار

جگمگ جگمگ رین جیالی کالے کالے بادلوں والی

کس سے کون کہے دن چار!

کوئی کہے میں سُندر نار

جُھولے جھومر چاند کی پیالی   ماتھے مانگ سہاگ کی لالی

دیکھ کے سوجھے آر نہ پار

کوئی کہے میں سُندر نار!

ڈُل ریت تو دیکھی نہ بھالی   ان مِٹ مُورت کس نے ڈھالی!

جیسے آئے جائے بہار

کوئی کہے میں سُندر نار!

(میرا جی کے گیت)

۳۹

کوئی نہ جانے، کوئی نہ جانے میرے دل کا حال
جینا ہے جنجال مجھے، اب جینا ہے جنجال

سانولی، سُندر، مست منوہر، تیکھے ترچھے نین،
چال رسیلی، دل گرماتی اور گھٹا سے بال،

راگ رنگ کا جھولا جھولے سُکھیا سب سنسار
میرا دل ہے دُکھ سے بوجھل دُور ہے دُکھ کی ڈھال

میٹھے میٹھے، من کو بھاتے سب دنیا کے گیت
لیکن میرا جیون راگ انوکھا، بے سُر تال،

دل کی بات نہ ہوگی پوری، بندھن لاکھ ہزار
کب چھوٹوں گا، کب ٹوٹیں گے یہ مایا کے جال

(میراجی کے گیت)

۴۰

لاکھ سمجھاؤ ایک نہ مانے، دل ہے ایسا باؤلا

ہنسی ہنسی میں رونا جانے   آنکھیں کھول کے سونا جانے
نٹ کھٹ بھاؤ دکھائے انوکھے   جیسے مداری کرے بہانے

لاکھ سمجھاؤ ایک نہ مانے، دل ہے ایسا باؤلا

جو چاہے وہ روگ لگالے   رستہ چلتے درد بڑھالے
آنکھ کو الٹی راہ بتائے   بھلا کہو تو بھلا نہ جانے

لاکھ سمجھاؤ اک نہ مانے، دل ہے ایسا باؤلا

پل میں اونچا محل بنائے   داسیاں آئیں، رانی آئے
ڈھائے پل میں بنا بنایا   موتی رولے، کنکر چھانے

لاکھ سمجھاؤ ایک نہ مانے، دل ہے ایسا باؤلا

ابھی ہے راجا، ابھی بھکاری   ابھی ہے سادھو، ابھی سنساری
اس چنچل کا بھید نہ پایا   کرے وہی جی میں جو ٹھانے

لاکھ سمجھاؤ ایک نہ مانے، دل ہے ایسا باؤلا

(میراجی کے گیت)

۴۱

مٹی محل بنایا تو نے مانی محل بنایا
ہاتھ میں پیالہ اُٹھایا تو نے، مانی محل بنایا

مانا تیرے محل میں آئی اندر سبھا کی جائی
مست منوہر، مدھ متوالی میٹھی تان سنائی
ایک گھڑی کو سنگ لگائی، ایک گھڑی کو بھائی
رات گئے پر جادو ٹوٹا بھور تو سونی آئی

بھور نے تیر چلایا — تو نے مانی محل بنایا
کام کوئی بھی نہ آیا تو نے مانی محل بنایا

راجا بن کے سیج پہ بیٹھا، داسی رانی کو لائی
رانی نے پہلے لاج کی مایا سو رنگوں میں دکھائی
لاج مٹی جب برکھا چھائی، گھڑی انوکھی آئی
آنکھ کھلی تو دل نے دیکھا رانی ہے ہرجائی

چلتا پھرتا سپنا، تو نے ماٹی محل بنایا
پل کو روپ دکھایا تو نے ماٹی محل بنایا

رات گئے پر آنکھ نے دیکھا سورج میں اندھیارا
رات گئے پر دل نے جانا رات کا جادو سارا
سکھ کا نور چھپا آنکھوں سے — بیتی رات کا تارا
دل کا بوجھ ہوا کب ہلکا، دل اب بھی دکھیارا

دل نے دوش لگایا — تو نے ماٹی محل بنایا
ہاتھ میں پیالا اٹھایا تو نے، ماٹی محل بنایا

(میرا جی کے گیت)

۴۲

منڈل میں ہیں لاکھوں تارے — دھیان کی موج میں ایک ہیں سارے

دُکھ کے دن سکھ ساتھ کی راتیں
دُور کا دھیان اور پاس کی باتیں

کیسا ہے یہ تانا بانا!
کیسی ہیں یہ جیتیں ماتیں!

کوئی جیتے، کوئی ہارے — دھیان کی موج میں ایک ہیں سارے

پہلے دل کہتا تھا مچل کر
رنگ لائیں گے ہم بھی اُبل کر

دیکھ لی اب جیون کی بازی
سوچ رہا ہے ہاتھوں کو مل کر

ڈوبی ناؤ کو کون ابھارے   دھیان کی موج میں ایک ہیں سارے

پیچھے پڑی ہے راہ اکیلی

منزل آئی ، بوجھی پہیلی

گیان گیت کی تان رسیلی

جیسے ناری نئی نویلی

گُن اوگُن سب جی سے بسارے   دھیان کی موج میں ایک ہیں سارے

ایک سے دوسرا پائے اُجالا

اندھیارا بھی لائے اجالا

آنکھ موند کر دیکھ لے مورکھ

رات کے ساتھ میں آئے اجالا

سب ہیں سپنے نیارے نیارے   دھیان کی موج میں ایک ہیں سارے

(میراجی کے گیت)

۴۳

من کی کوڑیاں کھولو کہ رس کی بوندیں پڑیں

کھولو کوڑیاں بالم! رس کی بوندیں پڑیں

ساون آیا، بادل چھایا   گرجا چمکا مینہ برسایا

بوندیں نہیں اب دھاریں ہاں، رس کی دھاریں بنیں

کھولو کوڑیاں من کی، رس کی بوندیں پڑیں

رین اندھیری چمکے بجلی   گھر سے باہر بھیگوں اکیلی

کھولو کوڑیاں ساجن! ساری بھیگ گئی

من کی کوڑیاں کھولو کہ رس کی بوندیں پڑیں

من میں ہو تم، من میں رکھنا   دُور نہیں تم، دُور نہ رہنا

کھولو کوڑیاں بالم، تم سے ہار گئی

بوندیں پڑیں جب رس کی، تن من وار گئی

من کی کوڑیاں کھولو کہ رس کی بوندیں پڑیں مہاراج رس کی بوندیں پڑیں

(میراجی کے گیت)

۴۴

میں انگ انگ سہلاؤں

بھول کے جگ کو جاؤں، میں انگ انگ سہلاؤں

ندی کے اِس پار کی شوبھا دُور دُور کی باتیں
پھیکے پھیکے مُرجھائے دن، سونی، اکیلی راتیں
جھول رہا ہے لاج کا پردا اس کو آج اُٹھاؤں

۲

رنگ محل کے ستون رسیلے، چکنے، گورے گورے
پریم کا پنچھی پار نہ پہنچے، کھلئے پون ہچکورے
آج تو لاکھ جتن سے اس کو موہن روپ دکھاؤں

۳

ایک ہی انگ مرے من بھلئے، ایک ہی انگ لبھائے
ایک ہی انگ کی جگ مگ جیوتی من میں آگ لگائے
امرت کے سوتے پر پہنچوں آج تو آگ بجھاؤں

۴

دُور ہے سُکھ کی سندر بستی، دُور ہے رس کی مستی،

دُور دُور یوں رہ کر سوچو، ہستی کب ہے ہستی!

دُور کو پاس بناؤں آج تو ہنگ سے انگ لگاؤں

رس کا ساگر کھول رہا ہے جھوم کے برکھا لاؤں

میں انگ انگ سہلاؤں،

(میراجی کے گیت)

۴۵

پرارتھنا

میں ہوں بھکاری
اور تو ہے داتا

اب دیکھ لوں گا، اب جان لوں گا
یہ دھیان میرا سچا کہ جھوٹا

ہاتھوں کو اپنے میں نے بڑھایا
جو تیرے جی میں آئے وہ کرنا

یہ کام میرا ــــــ لوں نام تیرا
یہ کام تیرا ــــــ لگو ساتھ رکھنا

گیانی کے من میں
آئے اُجالا
اُلجھن مٹے پھر تیرا نہ میرا!

(ماخوذ ترجمہ تکارام)

ــــــــــــــــــــ

(میرا جی کے گیت)

۴۶

نرم، رسیلی، گرم، گداز
آشاؤں کا اچھوتا ساز
میٹھا میٹھا پیارا گیت
پہلے پہل تھی پریت

آنکھ کھلنے پر اور ہی رنگ
ایسی الجھن ایسی جنگ
جس میں جی کی ہار ہے جیت
دکھی دکھی پریت

دکھ سکھ دونوں کو جان لیا
جیون کو پہچان لیا
اب ہے گیان دھیان سے پریت
اب ہے اور ہی گیت

(میراجی کے گیت)

۴۷

نئی ترنگ بھلائے بیتی بات جگائے امنگ نئی
گئی بات کی یاد نہ آئے، رات گئی وہ بات گئی
نئی اُمنگ میں بات نئی ہے، بات نئی تڑپائے
نئے رنگ کو لائے، پریمی نیا راگ سُن پائے

نئی رات میں نیا چاند ہو نئے ستارے آئیں
سکھ کی سیج سجائیں
نئے چاند میں نیا روپ ہو لہریں جھوم کے آئیں
ساگر سے مل جائیں
گئی رات کی یاد نہ آئے، رات گئی وہ بات گئی
نئی ترنگ بھلائے بیتی بات، جگائے امنگ نئی

۲

سبھی کہیں من مانی کہانی، بات نہیں پہچانی کبھی
کبھی بھُول کر دھیان جو آتا، جان ہی لیتے ان سبھی
مانا پریت کی ریت پُرانی، ریت نئی پھر ملائے
نئے رنگ کو لائے، پریمی نیا راگ سُن پائے

کیسے سنگی، کیسے ساتھی، کیسے پیتم سیّاں
سب ہے بھول بھلیاں
رنگ میں جوت نئی جاگے گی ابھرے گی نئی لگے بتیاں
یہیں کہیں اب گئیاں
گئی رات کی بات ہی کیا ہے، رات گئی وہ بات گئی
نئی ترنگ بھلائے پہلی پیت جگائے امنگ نئی

۳

رہی نہ اپنی جی کی جی میں، اور کی، اور کہی،
سہی تو سہہ کر بھول گئی اک سکھ کی یاد رہی
سکھ کی یاد بھلائے دل سے سارا دکھ مٹ جائے
نیا راگ سن پائے پریمی، نیا رنگ بھر جائے
گیت کی جیت رہے گی جگ میں گیت اجیت سہارا
گیت ہی من کا پیارا
نیا ٹھاٹھ ہے، نئی تان ہے بول نیا جے کارا
سکھ ہی سکھ ہے ہمارا
سہی تو سہہ کر بھول گئی اک سکھ کی یاد رہی
رہی نہ اپنی جی کی جی میں، اور کی اور کہی!

(میراجی کے گیت)

۴۸

نئے رنگ میں نئے ڈھنگ سے آؤ، نت نئے رنگ میں آؤ
نت نئی سگندھ کو لاؤ
نت گیتوں میں گھل جاؤ
نت نئے رنگ میں آؤ، نت نئے ڈھنگ سے آؤ

نت نئی پون میں لہراؤ، نت دل کا سکھ بن جاؤ
نت نئے رنگ میں آؤ، نت نئے ڈھنگ سے

سکھ سے بوجھل میرے نین
آؤ بن کر ان کا چین
آنکھوں میں بس جاؤ، نت نئے رنگ میں آؤ

تم دیا روپ

تم شانتی دھوپ

تم دل کے سکھ میں، دل کے دکھ میں

دونوں بھیس بھرلاؤ، نت نئے رنگ میں آؤ

جیون کے ہر کام میں آؤ

آخری پل کے دام میں آؤ

گھونگٹ پٹ کو گراؤ اور جوبن روپ دکھاؤ

نت نئے رنگ میں، نئے ڈھنگ سے، نئے رنگ میں آؤ

(ماخوذ ترجمہ ٹیگور)

(میراجی کے گیت)

۴۹

یُوں جینا منظور نہیں ہے

اور مرنا منظور نہیں ہے

داتا! ـــــ آشا ہے یہ میری

جگمگ کر اُٹھے یہ کالی کالی ناگن جیسی رات اندھیری

اور اگر یوں ہونا کٹھن ہے

یوں ہونے میں کوئی بندھن ہے

جائے اندھیرا

آئے سویرا

خوشیوں کے جھُولے میں ڈگ مگ ڈول اُٹھے یہ جیون میرا

اچھی باتیں آئیں، آئیں،

سکھ کی پریاں گیت سنائیں

پوری ہو جائیں ـــــ یہ دعائیں

اک لمحے میں اور ہی دُنیا اپنا موہن رنگ جمائے!
تان رسیلی مدھ متوالی
دکھ کے زہری رس سے خالی
ہر دے میں گونج اُٹھے داتا۔۔۔۔۔ بس اتنی آشا ہے میری
جگ مگ ہو جائے اک پل میں ناگن جیسی رات اندھیری
اب مرنا منظور نہیں ہے
یوں جینا!

(میرا جی کے گیت)

۵۰

یہ تو ننھی دلہن ہے ہماری اس کو چھینے گا ہم سے بھلا کون رے

باغ کی ننھی کلیوں کی رانی اس کا راجا بنے کون اِک پھول رے

باغ میں چٹکے کتنے ہی غنچے

پھول پر ناچیں شبنم کی بوندیں

ایسی آواز کس نے نکالی   اس کی آواز میٹھا سا اک راگ ہے،

کتنی کومل ہے کلیوں کی پتّی

کیسا ہے نرم ریشم کا گچھّا

اس کے نازک بدن کی سی نرمی اس کو پائے نہ جگ میں کبھی کوئی بھی،

جگ میں کتنی بہاریں بھی آئیں

اور کتنے ہی ساون بھی آئے

اس کے دل کی محبت سہانی، اس کو سینچا نہ امرت کبھی کوئی بھی

اب تو ہر ایک سکھ کی گھڑی ہے

جو بھی سکھ ہے وہ اس کی سکھی ہے

سکھ بھون میں یہ سکھ کی ہے رانی اس کو چھینے گا ہم سے بھلا کون اب

یہ تو ننھی دلہن ہے ہماری۔

(میرا جی کے گیت)

۵۱

ایک ہی نام پکارے مورکھ جگ میں لاکھ سہارے
گھوم رہے ہیں ستارے سارے سندر پیارے پیارے
ان کے بھید نہ جانے کوئی ان کے بھید ہیں نیارے
ایک ہی رنگ ہے ان میں تمہارا باقی رنگ ہمارے
ان سے جس نے مُکتی پائی اس کے وارے نیارے
گھوم رہے ہیں ستارے
رات نے کیسا جال بچھایا، پنچھی ڈر کے مارے
چھُپتے ہیں بیچارے
چاند چھپا ہے رات اندھیری ساری دھرتی دکھ نے گھیری
اندھیارے کے گپت بھون سے دیپ یہ کس نے اُبھارے
گھوم رہے ہیں ستارے

آنکھ نے دیکھے دل نے سمجھے ان کے سارے اشارے
کوئی جیون بازی جیتے کوئی نربل ہارے
کون گرم گت ٹارے
گھوم رہے ہیں ستارے
چنچل آشا کرے من مانی ایسے بڑھتی جائے کہانی
ہاتھ بڑھائے پل میں پائے جیون کے رس سارے
گھوم رہے ہیں ستارے
لہریں مل کر کھائیں جھکولے دیکھ دیکھ کر دل بھی ڈولے
نیا آپی پار لگے گی من تو شیام پکارے
گھوم رہے ہیں ستارے

(گیت ہی گیت)

۵۲

پھول پھول کا رنگ جُدا ہے اتنی بات مت بھول مورکھ

سجی ہوئی ہے سب پُھلواری ـــــ نئی دُولہن ہے،

کیاری کیاری سُندر، پیاری

جھوم رہی ہے ڈاری ڈاری

ہر ڈاری کی امنگ الگ ہے

پتی پتی، انیلی، نیاری

روم روم اور انگ انگ کی بات ہے ساری

دھیان سُجھائے آنکھ کو، انگ سے انگ جُدا ہے،

اتنی بات مت بھول مورکھ

پھول پھول کا رنگ جدا ہے

(۲)

کہتے جائیں سبھی من مانی ـــــ سُنے نہ کوئی
سب کی کہانی آنی جانی
جیون ندی، بہتا پانی
لہر لہر کا رنگ الگ ہے
آنکھ دکھلائے ایک روانی
بات بات کا ساتھ ہے پل کا، بدلتی بانی
گیت گیت میں بول بول کا سنگ جُدا ہے
اتنی بات مت بھول مورکھ
پھول پھول کا رنگ جُدا ہے!

(گیت ہی گیت)

۵۳

جیون آس کا دھوکا گیانی

ہر شے جگ میں آنی جانی　　　امر آس کی اٹل کہانی

کب سے کتھا یہ چھڑی ہوئی ہے اب تک کس نے ٹوکا گیانی جیون آس کا دھوکا

دھارا ساگر میں مل جائے　　　سورج دھارا کو کلپائے

بادل بن کر پھر سے ابھرے　　　اونچے پربت سے ٹکرائے

من کی آس بدلتی دھارا اس کو کس نے روکا گیانی جیون آس کا دھوکا

آنکھیں دیکھیں محل سہانا　　　ہنسنا رونا کھونا پانا

اس کے سامنے ایک فسانہ

لہر لہر کا بھید اچھوتا　　　کبھی بھید ہے کبھی بہانا

پل پل سیر نئی ہے اس میں بیٹھو کھول جھروکا گیانی جیون آس کا دھوکا

(گیت ہی گیت)

۵۴

داتا دے دے گیان

ہمارا

من مورکھ ، نادان !

جیون کام کی بہتی دھارا　　جیون دھیان کا روپ ہے نیارا

اس کی کیا پہچان

ہم کو

من مورکھ، نادان !

(۲)

جیون کی گنگا ہے گہری　　رنگ کئی ہیں بات اکہری

دیکھ کے دل حیران

ہمارا

داتا دے دے گیان

(۳)

جب بھی مدھر بین کوئی بولے بے بس دل سُنتے ہی ڈولے

بھید کا کس کو گیان

ہمارا

من مورکھ ، نادان !

(۴)

کہے مسافر رستہ بھولا کام پکارے سُکھ کا جھولا

پل کے پل مہمان

ہمارا

من مورکھ ، نادان !

ناچ گیت اک رات کے ساتھی سب ہیں سُکھ کی بات کے ساتھی

سنگت کے سامان

ہمارا

من مورکھ ، نادان !

(۶)

پریم وچار دھیان کے دھوکے　　اصل میں ایک ہیں گن دونوں کے

یہ رس کے سنتان

ہمارا

من مورکھ ، نادان !

(۷)

گیان دھیان کی راہ نہ سوجھے　　ایک پہیلی — کیسے بوجھے

بوجھ بوجھ ہلکان

ہمارا

من مورکھ ، نادان !

(گیت ہی گیت)

۵۵

دامن کھائے جھکولے

موہن

بندھن کوئی نہ کھولے

صاف سہانا دامن تیرا ۔ دُکھیا دل کا بندھن میرا

لہریں، ساگر، ڈوبی ناؤ ۔ آؤ آؤ، اب تو بچاؤ

اب تو پار لگاؤ موہن

کھائے جھکولے دامن موہن

توڑ دو بندھن

جگ میں گیانی ۔ بولے یہ بانی ۔ دُنیا فانی

دُنیا فانی موہن، اپنی بیتی جائے جوانی موہن

بندھن کوئی نہ کھولے

موہن

دامن کھائے جھکولے

(۲)

پل میں ایسا پل میں ویسا، دل کا حال ہے کیسا موہن

تو کیوں جانے کیوں پہچانے

تیری رات سہانی موہن

جیون میٹھی کہانی موہن

سانس سانس امرت کا سوتا، تیرا کنول لافانی موہن

کیوں مُرجھائے

میری دُنیا فانی موہن، تجھ تک بات نہ جائے

آس کا بادل

کیسا چنچل

ایک ہی پل کو آئے، ڈولے، پھر چھپ جائے

بندھن کوئی نہ کھولے

موہن

دامن کھائے جھکولے

(۳)

آشا اکیلی

بوجھے پہیلی

پھر بھی انت نہ پائے موہن

کیسے منزل آئے موہن

رستہ سُونا

اور دُکھ دونا

راہی ڈولے بیٹھے، رولے

بندھن کوئی نہ کھولے

موہن

دامن کھائے جھکولے

(گیت ہی گیت)

۵۶

دل دامن کا متوالا ہے،

آنچل کی بات نہ ہم سے کہو، دل دامن کا متوالا ہے
اب گھر کا اندھیرا دُور ہوا، اب چاروں اُور اُجالا ہے
دل دامن کا متوالا ہے،
ہم پیچھے، کوئی آگے آگئے، سب کی سوئی قسمت جاگے
اب اپنے گلے میں پوجا کی موہن مدماتی مالا ہے
دل دامن کا متوالا ہے،
کوئی رسک جھک کر پاؤں دھرے اور دل کو اپنے بس میں کرے
جب پھانس چُبھے تو سانس کہے یہ کانٹا کسی نے نکالا ہے
دل دامن کا متوالا ہے
جس آنکھ کو پاؤں کی دھول ملی مُرجھائی کلی آشا کی کھلی

گُن گیان اسی کے جس نے روپ کو ایسے رنگ میں ڈھالا ہے
دل دامن کا متوالا ہے
کیا اندر سبھا سے آئی ہے ساگر کے سبھاؤ لائی ہے
ہر لہر انوکھا جادو ہے ، ہر لہر کا روپ نرالا ہے
دل دامن کا متوالا ہے
جلوہ ہے بدلتے موسم کا ، بدلی چھائی ، سورج چمکا
پل پل چھن چھن میں رنگ کئی ، ہر رنگ منوہر بھالا ہے
دل دامن کا متوالا ہے

(گیت ہی گیت)

٥٧

دل میں جس کی دُھن ہے سمائی، اس کو جانے کون

بولو،

اُس کو جانے کون؟

جگ بیتی کی لہر نہیں یہ، پھر پہچانے کون؟

بولو،

پھر پہچانے کون؟

دھیان کا یہ سنسار ہے نیارا

چاند، ستارے، سُورج ——— سارے

انجانے، اَن دیکھے نیارے

سُنی سُنائی، اُڑتا پنچھی ——— اس کو مانے کون

بولو،

اس کو جانے کون؟

(۲)

دُور، اکیلی بہتی دھارا
بہتی جائے، کون بتائے
کن رستوں سے بہتی جائے
بے دردی دُنیا کو بتائے اس کے ٹھکانے کون
بولو
اس کو جانے کون؟

(۳)

جنگل میں ہے سُونی کُٹیا
تنکا تنکا جل کے رہے گا
آگ لگی ہے کون کہے گا
اس کُٹیا تک چل کر پہنچے آگ بجھائے کون
بولو
اس کو جانے کون؟

(۴)

اب تو ہے ہر سانس بہانہ
نئی کہانی ، آنی جانی
نئی بنے ہر آن پُرانی
جیون ایک ہے اس میں بنائے لتنے بہانے کون
بولو
اس کو جانے کون؟

(۵)

دُھول میں کنچن پائے بھکاری
جھوٹ کی پیاری لیلا ساری
چلو اٹھو کر لو تیاری
یوں بیٹھے سُلجھاتا جائے تانے بانے کون
بولو،
اس کو جانے کون؟

(رنگیشدی گیت)

۵۸

گُنی گُنی ہر سانس پکارے، گُنی نظر نہیں آئے ہم کو
گُنی وہ جس کا ہر گُن پیارا
بن کر امرت رس کی دھارا
یوں مارے چمکارا
جیسے کالی گھٹا میں چھپ کر پلک پلک بجلی لہرائے
گُنی نظر نہیں آئے ہم کو،

(۲)

جگ میں گُنی رستے کا تارا
کہے مسافر گُنی سہارا
بھولا رستہ سارا،
اس کُہرے کو کون مٹائے گُنی یہ آکر بھید بتائے
گُنی نظر نہیں آئے، ہم کو،

(۳)

کس نے دیکھا، کس نے اُبھارا
کون ہے بیری کون ہے پیارا
من کا کھیل ہے سارا،
اس دھوکے سے کون نکالے، ایسے جال سے کون چھڑائے
گُنی نظر نہیں آئے، ہم کو،

(گیت ہی گیت)

۵۹

کتنی دُور ہو، کتنی دُور،
کتنی دُور ہو مجھ سے کہہ دو کتنی دُور،
میں آؤں گا، میں پہنچوں گا، چاہے تم ہو جتنی دُور،

دُور بہت ہی دُور ستارے
پھر بھی موہن، پھر بھی پیارے
تم بھی موہن، تم بھی پیارے چاہے تم ہو جتنی دور،
کتنی دُور ہو، کتنی دُور؟

دُور بہت ہے چاند کا پیالا
اُجیالے کے امرت والا

پھر بھی دُور ہی دُور سے کرتا ہے یہ آنکھوں کو پُر نور
تم بھی ہو اِس دل کی ٹھنڈک چاہے تم ہو جتنی دُور
کتنی دُور ہو، کتنی دُور؟

دُور بہت پربت سے ساگر
دُور، آکاش سے دھرتی دُور
پربت ساگر دھرتی اور آکاش ـــــ یہ سب تو ہیں مجبور
تم تو نہیں ہو اتنی دُور

دُور پجاری سے ہے مندر
دُور، دکھی سے دیوی دُور
دُور ہے منزل اور مسافر، چلتے چلتے تھک کر چُور
پھر بھی تیرے دیس پہنچوں گا چاہے تم ہو جتنی دُور
کتنی دُور ہو، کتنی دُور؟

(گیت ہی گیت)

۶۰

کوئی آئے، کوئی جائے، گیانی مایا بھید بتائے
پھول کھلے، پھلواری مہکے
ڈال ڈال پر پنچھی چہکے
جیون بھید بتائے، گیانی مایا بھید بتائے

(۲)

نیلا منڈل نور کی دھارا
دور ہی دور ہے اس کا تارا
بادل اُسے چھپائے، گیانی مایا بھید بتائے

(۳)

سورج آئے لائے اُجالا
دن ڈوبے پر شام کی جوالا
شام گئے رات آئے، گیانی مایا بھید بتائے

(۴)

کون اٹل ہے! جیون چنچل
آنکھوں کا دھوکا ہیں جل تھل
مورکھ دھوکے کھائے ، گیانی مایا بھید بتائے

(۵)

منزل دیکھ کے بھولے پنچھی
چنچل قسمت ہے نرموہی
بھول کے راہ نہ پائے ، گیانی مایا بھید بتائے

(۶)

مکتی مارگ کے ہوں جب درشن
پل میں ٹوٹیں بیری بندھن
لوٹ کے سانس نہ آئے ، گیانی مایا بھید بتائے

(گیت ہی گیت)

۶۱

تم دُور ہی دُور سے دیکھو ہمیں
ہم دُور ہی دُور سے دیکھیں تمہیں
یونہی ناؤ بہے، ندی بھی بڑھے، بڑھتے بڑھتے ساگر سے ملے

(۲)

آئے نہ کنارا پاس کبھی
ہو پوری نہ دل کی آس کبھی
کوئی آہ بھرے، کوئی چپ ہی رہے، جیسے پھلواری میں جوں پھول کھلے
تم دُور ہی دُور سے دیکھو ہمیں
ہم دُور ہی دُور سے دیکھیں تمہیں

(۳)

سچ بات یہ ہے ہمیں پریت نہیں
جہاں ہار نہیں، وہاں جیت نہیں
اب جو بھی سُنے چاہے تو ہنسے، چاہے تو کہے، کیا بات کہی :

(۴)

آکاش پہ تم اک تارا ہو
چاہے اور کا چاہے ہمارا ہو
یہ بات پہیلی بن بوجھی جب بوجھ چکے تو مات کہی !

(۵)

جب ایسی زربل کا منا ہو
سنجوگ سے کیسے سامنا ہو
جو دُکھ آئے سہتا جائے، پریمی کا دوش یہ اپنا ہے

(۶)

ہم ایسا جھولا جھُولتے ہیں
جو بیت چکے تُسے بھولتے ہیں
یہ گیان یہ دھیان ہے رکھوالا ہر بات یہاں کی سپنا ہے

(گیت ہی گیت)

۶۲

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

کیا تم سپنوں کی مایا ہو   یا اس جیون کی چھایا ہو

یونہی جال میں مت اُلجھاؤ ہمیں

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

دھرتی پر پھیلا جنگل ہو   آکاش کا چنچل بادل ہو

یہ پہیلی آج بُجھاؤ ہمیں

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

کیا پہلے کبھی سنجوگ ہوا   یا آج ہی دل کو روگ ہوا

بولو بھی۔ نہ اب ترساؤ ہمیں

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

کبھی آپ ہی آگ لگاتی ہو   کبھی آپ ہی اس کو بُجھاتی ہو

کیسی ریت ہے آؤ سُجھاؤ ہمیں

تم کون ہو یہ تو بتاؤ ہمیں

(گیت ہی گیت)

٦٣

جب آتے ہوئے روکا نہ تمہیں پھر جاتے ہوئے کیوں روکیں گے
جب جھونکا ہوا کا آتا ہے
پتّی پتّی کو ہلاتا ہے
اور جب پھلواری جھوم اٹھے جیسے آتا ہے جاتا ہے
جب آتے ہوئے روکا نہ تمہیں پھر جاتے ہوئے کیوں روکیں گے

(۲)

جب رات جگت پر چھاتی ہے
تاروں کی سبھا جماتی ہے
سب آنکھ مچولی کھیلتے ہیں، جب آئے سویرا جاتی ہے
جب آتے ہوئے روکا نہ تمہیں پھر جاتے ہوئے کیوں روکیں گے

(۳)

آئی رُت کوئی نہ روک سکا
جاتی رُت کوئی نہ روک سکا
جگ میں دن کا دُکھ دل کا سُکھ لاتی رُت کوئی نہ روک سکا
جب آتے ہوئے روکا نہ تمہیں پھر جاتے ہوئے کیوں روکیں گے

(۴)

یہ آنا جانا بہانہ ہے
اور پل کا ملنا فسانہ ہے
جو آنے پئے، پی کر چل دے، جیون ایسا مے خانہ ہے
جب آتے ہوئے روکا نہ تمہیں پھر جاتے ہوئے کیوں روکیں گے

(گیت ہی گیت)

٦٤

چلو اب یہ پل کا ساتھ سہی   اک رات کی چنچل بات سہی
امرت کی برکھا دھوکا ہے   تو ساون کی برسات سہی
ہاں، اب یہ موہ کی گھات سہی
تری جیت سہی مری مات سہی

(۲)

ترے ہاتھ سے ہاتھ جو مل نہ سکا   آشا کا کنول جو کھل نہ سکا
یہی دھیان تسلی دیتا ہے   کیا ذکر جو پربت ہل نہ سکا
چلو اب یہ اپنا ہات سہی
تری جیت سہی مری مات سہی

(۳)

ساگر میں خود کو ڈبو نہ سکی   جی بھر کر آشا رو نہ سکی

یہ سنگت بھی دُوری ہی رہی ۔ جو بات کہی وہ ہو نہ سکی
جو بات سُنی وہی بات سہی
تری جیت سہی مری مات سہی

(۴)

کوئی کہہ دے پریم پُجاری سے ۔ اس کیاری سے اس کیاری سے
ہر رنگ لُبھاتا ہے دل کو ۔ مطلب ہے ہمیں پُھلواری سے
جب پھول نہیں تو پات سہی
تری جیت سہی مری مات سہی

(۵)

اب جگ کی ریت کو مان یہ ۔ اس بھید کو ہم نے جان لیا
جب جُھوٹ کا جادو دل پہ ہوا ۔ تب جیون کو پہچان لیا
دن رات نہیں، اک رات سہی
تری جیت سہی مری مات سہی

(گیت ہی گیت)

۶۵

دو دھاری تلوار ، ہمارے دل پہ لگی ہے ،

جیون نیا بہتی جائے سوجھے آر نہ پار
کون کہے یہ پریم پجاری کب تک ڈیکھے ہار
گیانی بول گئے یہ بانی جیون کے دن چار
راہ میں پریکی ڈول کے بولے بگڑے کاج سنوار

ہمارے دل پہ لگی ہے دو دھاری تلوار

پہلے ایک ہی مورت من مندر کی کے سنگار
ہم سے بولی رُت ہے سُہانی کیسی سوچ بچار
دُنیا بدلی دل بھی بدلا آئی نئی بہار
نئے روپ میں جوت پرانی بولے کرلو پیار

ہمارے دل پہ لگی ہے دو دھاری تلوار

سوچ کہے یہ ساگر گہرا اس کی تھاہ نہ پائی

دھیان کہے جو سانس گئی وہ لوٹ کے پھر نہیں آئی

پریم کی باتیں بھول بھلیاں کس نے راہ بتائی؟

پہلی موت ہو کے اُجاگر بولی یہ کیا آدھار؟

ہمارے دل پہ لگی ہے دو دھاری تلوار

چلتے چلتے تھکا مسافر کیسے آگے جائے

آگے بڑھا تو چھایا دھندلکا رستہ کیونکر پائے

دل پیاسا ہے دھوکا کھائے دکھ کی پیاس بجھائے

نینن بن کر رو نے یہ بانی بگڑے کاج سنوار

ہمارے دل پہ لگی ہے دو دھاری تلوار

(گیت ہی گیت)

۶۶

دُور جو ہے وہ رہے اکیلا پاس بُلائے کون ؟

دل کا درد مٹائے کون

سدا رہے جس گھر میں اندھیرا اس میں جائے کون ؟

سُکھ کی تان لگائے کون

راہ میں تھک کر بیٹھا راہی   لے ڈوبی آنکھوں کی سیاہی

ماتھے پہ لکھی ہے تباہی اس کو بچائے کون ؟

آگے راہ سُجھائے کون

سُر ملنے پر جنم گیت کا   ڈھب ہے انوکھا جگ میں پیت کا

ساگر گہرا، اس کی ریت کا بھید بتائے کون

نیّا پار لگائے کون؟

لاج کا پردا جھوٹی مایا   اس کا بھید کسی نے نہ پایا

گھر گھر چلتا پھرتا سایا ، اس کو مٹائے کون
ایسا دھوکا کھائے کون؟

مورکھ جو بھی کرے من مانی   سب جگ سنتا جائے کہانی
سب کی ہانی آنی جانی پھر سمجھائے کون ؟
اس کو راہ بتائے کون

اُڑتا بادل دُور کا درشن   جھلکے تارا ، چمکے آنگن
جب تک کھلنے پائے نہ بندھن دھیر بندھائے کون
تب تک جی بہلائے کون؟

(گیت ہی گیت)

۶۷

دیوی پاس نہ آئے دل میں درشن جوت جگائے

دور سے دُکھی سُکھ پائے جان جان کر دھوکے کھائے

آنکھ کا یہ جال بچھائے

دل میں

درشن جوت جگائے

(۲)

بنے دھنی اک پل میں بھکاری درشن کی لیلا ہے نیاری

کون یہ بھید سمجھائے

دل میں

درشن جوت جگائے

(۳)

ندی بہتی جائے اکیلی دُور سے بوجھے کون پہیلی

جو بوجھے مٹ جائے

دل میں

درشن جوت جگائے

(۴)

جھلمل تارا راہ دکھائے   بھُولا مسافر راہ پہ آئے

منزل سامنے پائے

دل میں

درشن جوت جگائے

(۵)

درشن جیوتی میں ہے پل کا   پل جائے تو چھائے دُھندلکا

برکھا روپ دکھائے

دل میں

درشن جوت جگائے

(۶)

سب کے سب ہیں دھیان جھکولے   دل کے بندھن کوئی نہ کھولے

کوئی آئے نہ جائے

دل میں

درشن جوت جگائے

(گیت ہی گیت)

۶۸

مُورکھ من کو کون سمجھائے ، کون اب دھیر بندھائے
کیسے بات بنے جب بگڑی بات نہ کوئی بنائے
ٹیس اٹھے تو آنکھیں مُندیں
لگے جھڑی برس آئیں بُوندیں
رِستے رِستے جیون امرت یونہی بہتا جائے
جس دُنیا میں تیرا میرا
اس میں جدھر دیکھو ہے اندھیرا
اپنے کون ہیں کون پرائے اس کا بھید نہ پائے
ڈوبے ہوؤں کو کس نے اُبھارا
دُور ہی دُور سے جھلکے تارا
سُونی راہ پہ چلے مسافر منزل پاس نہ آئے

دل یہ پکارے آئے اُجالا
کوئی نہیں ہے سُننے والا
اٹا پڑا ہے دُھول سے رستہ کیسے پاؤں بڑھائے
دُکھ میں دے اب کون سہارا
دردی کا تو کھوج ہے نیارا
رو رو کر دُھندلی ہیں آنکھیں پریمی کھوج نہ پائے
کس سے کہے اب کیسی دُنیا
بیدردی ہے ایسی دُنیا
کوئی دیکھ کے پھیر لے آنکھیں کوئی ہنستا جائے
مٹی ہے آشا جیون رس کی
بات نہیں ہے اپنے بس کی
جو اُلجھائے جیون ڈوری اب تو وہی سُلجھائے!

(گیت ہی گیت)

۶۹

میں کیسے کہوں کوئی بات اُن سے، کیسے کہوں کوئی بات،
سورج چھپے تو مٹے اُجالا
چھائے بادل کالا کالا
ساون کی رُت لے کر آئے من موہن برسات
پھر بھی کیسے کہوں کوئی بات

(۲)

بیتی کس نے سُنی بےبس کی
دُور ہے دل سے دُنیا رس کی
پل پل چھن چھن من کے بَیری بیٹھے لگائے گھات
اُن سے کیسے کہوں کوئی بات

(۳)

چاہے ہاری چاہے جیتی
جی سے بُھلا دو جو بھی بیتی
دل یہ بولے اس بازی میں اب تو نہ کھاؤ مات
اُن سے کیسے کہوں کوئی بات

(۴)

پل میں مٹ جاتی ہے دُوری

جگ میں سانس کی ہے مجبوری

یہ ڈوری جب ٹوٹ گئی تو پھر ہے سدا کا ساتھ

اب تو کیسے کہوں کوئی بات

(۵)

کس کا آنا کس کا جانا

دھیان کا ہے یہ تانا بانا

چاند چھپا تارے بھی سوئے بیتے گی یونہی رات

اُن سے کیسے کہوں کوئی بات

(۶)

ایک کرن نے روپ نکھارا

ڈوبتے کو ہے یہی سہارا

چھائے گی اب سُکھ کی برکھا آنے گی پربھات

اُن سے کہدوں دل کی بات

(میت پی میت)

۷۰

آج کھلی من کی پھلواری، سُندر، پیاری پیاری
راج بھون اب رنگ محل ہے
یا برندا بن کا جنگل ہے
جس میں رانی بنی رادھکا اور راجہ ہے شیام بہاری
آج کھلی من کی پھلواری

(۲)

رَل مِل سکھیاں ناچیں گائیں
سُکھ سنگت میں دھوم مچائیں
پھلواری سے چُن چُن لائیں پھول سے سیج سجائیں ساری
آج کھلی من کی پھلو ری

(۳)

جھن من جھن من جھن جھنکاریں
تم جیتو بازی ہم ہاریں
پریم کی بازی سب سے نرالی کس نے جیتی کس نے ہاری
آج کھلی من کی پھلواری

(گیت ہی گیت)

۱۷

آئی اوشا
لائی اوشا
نور کے موتی، جیون جیوتی لائی ہے،
رات کٹی ہے روتے روتے
پھولوں اور کلیوں کو بھگوتے
سوئی دھرتی کا مُنہ دھوتے
ہنستے ہنساتے
پھول کھلاتے
سب کو جگاتے
سورج کا رتھ لائی ہے
آئی اوشا
لائی اوشا
نور کے موتی، جیون جیوتی لائی ہے،

(۲)

گیا اندھیرا
نیا سویرا
جگ پر چھائے، نیا رُوپ بھر مائے،
ڈال ڈال پر پنچھی بولے
سب نے گھر کے دوارے کھولے
روپ کے رس کو پی کر ڈولے
چھوڑ آرام کو
چلے کام کو
نگر گام کو
پل میں جگاتی آئی ہے
آئی اوشا
لائی اوشا
نور کے موتی، جیون جیوتی لائی ہے

(۳)

نیا رنگ ہے
نیا ڈھنگ ہے

نئی صدائیں، نئی پکاریں آئیں،
دن آیا ہے رات نہیں اب
رات کی کوئی بات نہیں اب
چاند کٹورا سات نہیں اب
نازوں کھیلی
نئی نویلی
آئی اکیلی
جیون جیوتی لائی ہے
لائی اوشا
آئی اوشا
آئی اوشا، آئی اوشا آئی ہے،

(گیت ہی گیت)

۷۲

اب سکھ کی تان سنائی دی
اک دُنیا نئی دکھائی دی
اب سکھ نے بدلا بھیس نیا　　اب دیکھیں گے ہم دیس نیا
جب دل نے رام دُہائی دی
اک دُنیا نئی دکھائی دی

(۲)

اس دیس میں سب انجانے ہیں　　اپنے بھی یہاں بیگانے ہیں
پیتم نے سب سے رہائی دی
اک دُنیا نئی دکھائی دی

(۳)

ہر رنگ نیا ہر بات نئی　　اب دن بھی نیا اور رات نئی
اب چین کی راہ سُجھائی دی
اب دُنیا نئی دکھائی دی

(۴)

اب اپنا محل بنائیں گے　　اب اور کے در پہ نہ جائیں گے
اب گھر کی راہ سُجھائی دی
اک دُنیا نئی دکھائی دی

(گیت ہی گیت)

۷۳

بھول گئے رن بیر پریم کی بات ہماری

پل پل دل کا دکھ دونا ہے

دن سونا ہے

سونی ہے اب رات ہماری

کون بندھائے دھیر، پریم کی بات ہماری

بھول گئے رن بیرا

(۲)

بھول گئے رن بیر اب ٹوٹی آس ہماری

پھلواری میں پھولے چنبیلی

تن بن باس سہی

بیرن پھولوں کی باس ہماری

نین بہائیں نیر، اب ٹوٹی آس ہماری
بھول گئے رن بیر!

(۳)

بھول گئے رن بیر، یہ کانٹا کون نکالے
پل پل چھن چھن بیتے جائیں
دھیان ستائیں
برہن کیسے ان کو ٹالے
کون مٹائے بیر، یہ کانٹا کون نکالے
بھول گئے رن بیر

(گیت ہی گیت)

۷۴

پریت کی ریت امر ہے جگ میں کیسے اس کو نہ مانے کوئی
آنکھ کھلی اب مٹے بہانے کیسے کرے بہانے کوئی
مٹا دُھندلکا دل سے غم کا پل میں سُکھ کا سورج چمکا
سُکھ نے پھیلایا اُجیالا اس کو اب پہچانے کوئی
پریت کی ریت امر ہے جگ میں کیسے اس کو نہ مانے کوئی

(۲)

یوں چمکی جیون کی جیوتی جیسے سیپ میں چمکے موتی
موتی جیسی صورت لے کر آیا رنگ رچانے کوئی
پریت کی ریت امر ہے جگ میں کیسے اسکو نہ مانے کوئی

(۳)

بُھول نے پریم کا بھید بتایا صبح کا بھولا شام کو آیا
دُور کی منزل پاس آ پہونچی بھولا نہ اس کو جانے کوئی
پریت کی ریت امر ہے جگ میں کیسے اس کو نہ مانے کوئی

(پریت ہی پریت)

۷۵

پریم کی پھول رہی پھلواری

مہک رہی ہے کیاری کیاری ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ لہک رہی ہے ڈاری ڈاری

پتی پتی مست متواری

پریم کی پھول رہی پھلواری

(۲)

سکھ آنند کے پھول کھلے ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ پریم سگندھ کے پھول کھلے ہیں

جھوم رہی ہے بادِ بہاری

پریم کی پھول رہی پھلواری

(۳)

آشاؤں نے جھولا ڈالا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ رین اُجیالی دن اُجیالا

دُور ہوئی دکھ کی اندھیاری
پریم کی پھول رہی پھلواری

(۴)

چٹکیں آشاؤں کی کلیاں　　　　پریم گلی میں ہیں رنگ رلیاں
پل پل چھن چھن شوبھا نیاری
پریم کی پھول رہی پھلواری

(۵)

پیتم آئے پاس ہمارے　　　　اب تو سکھ کے دن ہیں سارے
اب ہیں سکھ کی راتیں ساری
پریم کی پھول رہی پھلواری

(گیت ہی گیت)

۷۶

پیتم ہم سے مُکھ نا موڑ، موڑ، موڑ،
سبھی سجائی
کِھلی کِھلائی
بسنت آئی
اندھیارے میں پھول سے پھول یہ بولے
من کی گھنڈی کھولے
آس نہ توڑ، پیتم
ہم سے مُکھ نا موڑ، موڑ، موڑ

(۲)

اُوپر ہے آکاش کا منڈل
نیچے دھرتی پر ہے جنگل
جنگل میں پتّے لہرائیں
اُڑتے جائیں
چلیں ہوائیں
رین بھرے جیون ٹھنڈی آہیں
آجا، آجا، ہٹ کو چھوڑ، پیتم
ہم سے مُکھ نا موڑ، موڑ، موڑ،

۲۲

پھر آس بندھی ہے من کی
پھر جلی جوت جیون کی
لو! جلی جوت جیون کی
اب دُور ہوا اندھیارا　　　اب رُوپ نیا ہے سارا
اب جھلمل جھلمل تارے
اب جگمگ چاند ہے پیارا
پھر آس بندھی ہے من کی
پھر جلی جوت جیون کی!

(۲)

آکاش کی گنگا پھوٹی　　　اب دُکھ کی ڈوری ٹوٹی
کرنوں نے جال بچھایا

برہن بپتا سے چھوٹی

پھر آس بندھی ہے من کی
پھر جلی جوت جیون کی!

(۳)

چاند آیا پی آئیں گے　　سُکھ سندیسہ لائیں گے
ٹوٹیں گے بندھن سارے
دل کے دُکھ مٹ جائیں گے

پھر آس بندھی ہے من کی
پھر جوت جلی جیون کی!

(گیت ہی گیت)

۷۸

جب جانیں جب آؤ،

سانس کی ڈوری جھول رہی ہے دھیان سہارے

سُونے سُونے دن کے رین کے سپنے سارے

سپنے میں کوئی جال بچھا ہے! جب چاہو تب جاؤ آکر،

ہم جانیں جب آؤ پیتم پاس ہمارے۔

جس نے اپنا آپ تجا ہے اس کو اپنا بناؤ آکر،

ہم جانیں جب آؤ پیتم پاس ہمارے!

اس کے دُوارے اس کے دُوارے

آنکھ کے، دل کے دھوکے سارے

ان کو اب تو مٹاؤ آکر

ہم جانیں جب آؤ پیتم پاس ہمارے

تم سمجھو کیا ہم ہیں شکاری

راج بھون کے دوار پہ آ کر دکھ سے پکار اُٹھے یہ بھکاری

جھجک جھجک کر دھیرے دھیرے پاؤں سناب تو بڑھاؤ پیتم!

آشا تھک کر ہار چکی ہے

کیسے کہیں کہ سنوار چکی ہے

بگڑی بات بناؤ آ کر، ہم جانیں جب آؤ پیتم پاس ہمارے

سانس کی ڈوری کس کے سہارے؟

کون کہے آنکھوں میں جھلکیں پہلے اُجالے بھیس بدل کر بن کے یہی گھور اندھیارے

اب تو جوت جگاؤ آ کر

ہم جانیں جب آؤ پیتم پاس ہمارے

(گیت ہی گیت)

۷۹

جگ جگ جوت جلے جیون کی ، جوت جلے جیون کی ،

دیوالی ہے اپنے من کی'

سُندر موہن دیپ کی مالا تن اُجیالا من اُجیالا

جیسے شوبھا نئی دُلہن کی

جگ جگ جوت جلے جیون کی

دیوالی ہے نور کی دھارا پھوٹ بہی آکاش کی گنگا

دھرتی پہ ہے شان گگن کی

جگ جگ جوت جلے جیون کی

رام چندر نے روپ دکھایا سوریہ اُجالا ہر سو چھایا

ہار ہوئی پاپی راون کی

جگ جگ جوت جلے جیون کی

یگ بیتے پر آئے اجودھیا ۔ جھوم کے ناچے گائے اجودھیا

پیاس مٹی اب تو درشن کی

جگ جگ جوت جلے جیون کی

(گیت ہی گیت)

۸۰

جیون چور انوکھا پیارے
آنکھ کھُلی کی کھُلی رہے اور قدم قدم پر دیوے دھوکا
جیون چور انوکھا!

رات کا اس کو دھیان نہیں ہے دن میں اپنا کام بنادے
جب اُلجھے تو پھر کرآوے
جب اُلجھے تو پھر کرآوے اننت ناگ ہے
اس کی لگائی کون بجھاوے، ایسی آگ ہے
اندھا ساگر کس نے روکا
جیون چور انوکھا!
تو بولے سب میرا خزانہ ہیں راجہ، جگ پرجا!
یہ بولے گھر گھاٹ نہ تیرا اُٹھ کر اپنے گھر جا،
تجکو راہ میں کس نے روکا، پیارے جیون چور انوکھا
گھات لگا کے چُرائے شکتی
کام آئے کچھ نام نہ بھگتی

بجھے نہ دل میں آگ سُلگتی
بھڑک بھڑک ٹپکے چنگاری
ہے سنساری
اندھا ساگر کس نے روکا، جیون چور انوکھا!

گیان نہیں تو دھیان یہ رکھنا
رستے میں پہچان یہ رکھنا
پل پل بھر کر بھیس نرالا دیتا ہے یہ دھوکا پیارے
جیون چور انوکھا!
جگ میں مایا محل بنا ہے
تو سمجھا دل میں اپنا ہے
سانس رُکا تو دوا کھلے گا
کام کا دل سے داغ دُھلے گا
جب اپنے دل کو دھولے گا
تو دے گا
آئے جو آئے ڈٹے سے دھوکا
ہم نے جانا
جیون چور انوکھا پیارے، جیون چور انوکھا!

(گیت جی گپت)

۸۱

رستہ وہی دکھائے
مسافر
رستہ وہی دکھائے
راہ نہ پائے تو گھبرائے دھیان میں کوئی بات نہ آئے
ڈوبے کو دے کون سہارا
بولو کون بچائے
مسافر
رستہ وہی دکھائے

(۲)

جب قسمت نے ڈالا پھندا کرلے جو بھی چاہے دھندا
دائیں جائے بائیں جائے

پھر بھی راہ نہ پائے
مسافر
رستہ وہی دکھلائے

(۳)

گھر سے نکلے جھولی بھر لے　　جو چاہے سامان تو کر لے
چنچل قسمت چھیل چھبیلی
ایک بھی کام نہ آئے
مسافر
رستہ وہی دکھلائے

(گیت ہی گیت)

۸۲

رنگ بدلتا جائے جیون نیا رنگ بھر جائے
جگ جیون ہر رنگ کا بھیدی رنگ بدلتا جائے
جان جان کر گیانی جیتے مورکھ دھوکے کھائے
جیون رنگ بدلتا جائے،

جگ جیون ہے من کا موجی ہنسے تو ہنستا جائے
آپ ہنسے اوروں کو ہنسائے ہنسی نہ رکنے پائے
ہنستے ہنستے ہاتھ بڑھائے
جس کو سامنے ہنستا پائے
اُسے بلائے ساتھ ملائے
ہنستے ہنستے آگے جائے پیچھے کبھی نہ آئے
جیون رنگ بدلتا جائے

جگ جیون ہے جنم کا روگی روئے تو رکھا چھائے
آپ روئے اوروں کو رلائے درد نہ مٹنے پائے
دیپک پروانوں کو جلائے آپ بھی گھُلتا جائے
جیون رنگ بدلتا جائے

جگ جیون ہے من کا مالی رُوپ کا باغ لگائے
چٹکیں آشا کی جب کلیاں پریم کے پھول کھلائے
دیکھے سپنے سُکھ منڈل کے سُکھ کی سیج سجائے
رس کی رُت میں اگنی بھڑکے چنچل جوت جگائے
جیون رنگ بدلتا جائے ،

جگ جیون ہے ایک دِوانہ مُنہ آئی کہہ جائے
اور کی بات سُنے کب پل کو کہنے پر جب آئے
اس کو روک نہیں ہے کوئی کہے تو کہتا جائے
سُن کر کوئی مانے نہ مانے اس کو کون سمجھائے
جیون رنگ بدلتا جائے

جگ جیون ہے گورکھ دھندا
رنگ برنگا اس کا پھندا
جب یہ جال بچھانے آئے کوئی نہ بچنے پائے
جیون رنگ بدلتا جائے ،

ہر رنگ میں آئے سوگیانی بیٹھے دھیان لگائے
بھول بھلیاں میں سب اُلجھے، کون یہ بھید بتائے
جگ جیون ہے ایک پہیلی بوجھے جو مٹ جائے
جیون رنگ بدلتا جائے ،

(گیت ہی گیت)

۸۳

رنگ گیت گائیں گے

جب وہ گھر کو آئیں گے　　ان کو ہم سنائیں گے
رنگ گیت گائیں گے

رُوم رُوم جھوم اُٹھے　　ایسے ڈھنگ لائیں گے
رنگ گیت گائیں گے

آج ہم سنائیں گے　　بات انوکھی اور نئی
بات ایسی بات ہو　　پھول کھل اٹھیں کئی
راگ رنگ، رنگ راگ، رنگ گیت گائیں گے
رنگ گیت گائیں گے

ایسا ہے ہنسی کا رنگ　　ناچ اُٹھے انگ انگ
ایسا ہے ہنسی کا رنگ　　ناچ اٹھے انگ انگ
انگ انگ ناچ اُٹھے ایسے ڈھب سے آئیں گے،
رنگ گیت گائیں گے

کوئی بات لال لال　　جیسے عبیر اور گلال
نیلی پیلی کالی ہری جی کی سب سنائیں گے،
رنگ گیت گائیں گے

جب وہ گھر کو آئیں گے　　ہم کو ہنستا پائیں گے
رنگ گیت گائیں گے

(رگیت ہی گیت)

۸۴

سکھی شیام گھٹا گھر آئی   آکاش نے لی انگڑائی
برکھا کی رُت پھر چھائی   من بولے رام دُہائی
سکھی شیام گھٹا گھر آئی

پیتم ہیں بڑے ہرجائی   کب پریت کی ریت نبھائی
کب سونی سیج بسائی   کب آئے شیام کنھائی
سکھی شیام گھٹا گھر آئی

بادل سندیسہ لایا   "پی ہو" نے من کلپایا
برہن کو چین نہ آیا   آنکھوں میں برکھا چھائی
سکھی شیام گھٹا گھر آئی

کیوں بن میں کیسو پھولے   من رنگ کا جھولا جھولے
کیوں پیتم ہم کو بھولے   کیوں ان کو یاد نہ آئی
سکھی شیام گھٹا گھر آئی

اب آئے پیتم پیارا   اب برسے سکھ کی دھارا
اب آئے شیام ہمارا   اب آئے شیام کنھائی
سکھی شیام گھٹا گھر آئی

(گیت ہی گیت)

۸۵

شانتی ساگر سامنے میرے' مالک! کھیون ہار!
نیا کر دے پار!
تیرا میرا ساتھ امر ہے' تجھ سے مجھ کو پیار
کھیون ہار! نیا کر دے پار
اب تو اپنی گود میں لے لے' اب تو کھول دوار'
کھیون ہار! نیا کر دے پار
میرے سامنے اتھاہ رستہ   تو ہی میرا قطب ستار!
تیری رحمت' میرے ناجی' میرے مالک!
تیری دیا سے کٹ جائیگا رستہ پورم پار!
کھیون ہار! نیا کر دے پار!
توڑ دے اس دُنیا کے بندھن
تیرے پھیلے پھیلے بازو ' انتت گھیرا '
ان میں ہو اب میرا بسیرا'
اَن دیکھی' اَن جانی بات سے بھر دے میرے دل کا آنگن
اب اک میٹھی' گہری نیند میں میرا ماتھا ' تیرا دوار '
نیا کر دے پار
کھیون ہار!

(قدوز ترجمہ ٹیگور)
(گیت ہی گیت)

۸۶

کوئی مانے نہ مانے ہمیں کہنا
کوئی جانے نہ جانے ہمیں کہنا
وہی بات اکیلے تیرے بن کے جسے
کبھی بول اٹھنا کیا کہتے ہو؟
کبھی یسے جیسے سنا ہی نہیں تھا چپ رہنا
کوئی مانے نہ مانے ہمیں کہنا

(۲)

کوئی جانے نہ جانے ہمیں سہنا
دن رات وہ دکھ جس کو پل میں
کبھی جوالا بن کے بھڑک اٹھنا کبھی امرت بن بن کر بہنا
کوئی جانے نہ جانے ہمیں سہنا

(۳)

وہی پریم گلی انی چھیڑ چلی
اب پھول بنی ہے پہلی کلی
یہ کلی وہ کلی ہے کہ جس نے ہمیں
یہ کہا تھا مہکتے ہی رہنا ،
کوئی جانے نہ جانے ہمیں سہنا
کوئی مانے نہ مانے ہمیں کہنا

(گیت ہی گیت)

٨٧

کیسا گیت سناؤں   ساجن   کونسی تان لگاؤں   ہم کہتے ہیں

بیتی باتیں بھولی نہیں ہیں، ایک ہی گیت میں گاؤں

ساجن   وہ کہتے ہیں

ایک ہی تان لگاؤں

ایک ہی گیت میں رنگ ہیں لاکھوں کونسا رنگ دکھاؤں   ہم کہتے ہیں:

ساجن   وہ کہتے ہیں:

کون سی تان لگاؤں   ہم کہتے ہیں:

کون سی تان لگاؤں   ساجن   کیسا گیت سُناؤں   وہ کہتے ہیں:

ہم کہتے ہیں:

(۲)   وہ کہتے ہیں:

تم بن آنکھ کو نور اندھیرا   تم بن دل کو دکھ نے گھیرا   ہم کہتے ہیں:

تم بن کیسے گئے سویرا

کس مندر میں جاؤں   ساجن   کونسا گیت سُناؤں   وہ کہتے ہیں:

(۳)

جگمگ جھلمل چاند ستارے   ڈھلمل آشا کے گُن سارے

کیسے پہونچوں پریم دوارے

کیسے پاؤں بڑھاؤں   ساجن   کونسی تان لگاؤں

(۴)

مندر میں بیٹھا ہے پجاری   آئیں نہ پوجا کو نر ناری

چھوڑ گئے ہیں سب سنساری

کیسے انھیں بلاؤں   ساجن   کونسی تان لگاؤں

(۵)

درشن دیدو بندھن ٹوٹے   من بھی مایا جال سے چھوٹے

کون ہے سچا کون ہیں جھوٹے

اس کا بھید بتاؤں   ساجن   ایسے تمھیں رجھاؤں

ایسا گیت سناؤں   ساجن   ایسی تان لگاؤں

(گیت ہی گیت)

۸۸

کیوں جائے پردیس پریمی، اپنا دیس بُھلائے،
دیس دیس کی چھنے دھول
کہیں تو پھول ہیں کہیں بھول
دُکھ سُکھ دونوں راہ کے ساتھی چل کے پاؤں بڑھائے
پریمی
اپنا دیس بُلائے

(۲)

جو بھی جائے دیس پرائے
ہر پھر کر پھر گھر کو آئے
دُور ہی دُور رہے کب کوئی اپنا دیس سہائے،
پریمی
اپنا دیس بُلائے!

(۳)

دیس کی ہیں سب باتیں اچھی
دن اچھے اور راتیں اچھی
ان کا جادو کبھی نہ ٹوٹے دھرتی گھوم کے آئے
پریمی
پنا دیس بُلائے! (گیت ہی گیت)

۸۹

گئی بات کی یاد نہ آئے، نئی بات بھرمائے دل کو،
نت نئی بات بھرمائے دل کو، نئی بات من بھائے
نئی بات بھرمائے

جگ میں وقت کی ریت نرالی   جیسے چلے پَون متوالی
جیسے جھومے ڈالی ڈالی
جیسے ساگر کی لہروں پر ناؤ جھکولے کھائے، دل کو
نئی بات بھرمائے

جگ کی باتیں آنی جانی   کل جو بیتی ہوئی پُرانی
نئی رات میں نئی کہانی
پل پل چھن چھن جیون ندی رنگ بدلتی جائے، دل کو
نئی بات بھرمائے

(گیت ہی گیت)

۹۰

لو پھر سے آئی ہولی،
جگ میں بھانت بھانت کی بولی،
کبھی دسہرہ، کبھی دوالی، کبھی رنگیلی ہولی
جگ میں بھانت بھانت کی بولی

جیون رنگ برنگی چادر جب چاہی جب دھولی
پہلا رنگ ہوا جب اوجھل　　چھائے نئے رنگ کے بادل
من نے رُت کا گیت سُنایا　　جیون ناری چنچل اچپل
جاگ اٹھی جب سولی، جگ میں بھانت بھانت کی بولی،
بت کی بات لُبھائے من کو　　جو رُت آئے بھائے دل کو
جھوم جھوم کر ہم تو پکاریں　　نیا رنگ گرمائے دل کو
جیون بولی ٹھٹھولی، جگ میں بھانت بھانت کی بولی،
ساجن پھر سے آئی ہولی
آؤ دل سے دُکھ کو بُھلاؤ　　ہنسو ہنساؤ رنگ رچاؤ
چھائی عبیر گلال کی برکھا　　گیت سنو اور گیت سناؤ
رنگ رنگ کے پھول کھلے ہیں ان سے بھرو جھولی ساجن،
پھر سے آئی ہولی

(گیت ہی گیت)

۹۱

نت نیا دکھائے رنگ منوہر مانے نہ بات ہماری
سُنے نہ دل کے دُکھ کی کہانی
منوائے ہم سے من مانی
جی میں آئے جیسی ——— جیتی بازی ہاری
مانے نہ بات ہماری

(۲)

رات کی رات میں بات بدل دے
بدلی بات کو بھی سُو بل دے
سُندر جچتی ہے جیسی ——— موہن پیارا پیاری
مانے نہ بات ہماری

(۳)

کل مانیں گے جو بھی کہو گے
پُوچھے نہ، کل تک کیسے رہو گے
روپ کی ریت ہے کیسی ———— اَتی نِردائی نیاری
مانے نہ بات ہماری

(۴)

سبھی کھلونے سب کو توڑے
دل میں آشا ایک نہ چھوڑے
بیرن قسمت ایسی ———— جیسے کوئی شکاری
مانے نہ بات ہماری

(گیت ہی گیت)

۹۲

ٹیگور کا نوحہ

آن لگا پھر بان، پجاری! اب ہے کس کی باری؟
جیون ایسی چنچل ناری!
پل میں آئے، پل میں جائے، پھر بھی جی کو بھائے
رہے اسی کا دھیان پجاری! آن لگا پھر بات!
جوگی گیانی پورب والا   تیرے دم سے جگ اُجیالا
پھیلا ہے آکاش، چندر جوت اب ڈوبی
سارا جگ اندھیارا
نور ہوا ہلکان پجاری! آن لگا پھر بان!
تم اوتار تھے وشنوجی کے   گُن اور گیان تمہیں سے سیکھے
تم نے چھپائی صورت اپنی   پھلواری کے رنگ ہیں پھیکے
بن بستی اور پربت چھوڑے، امرت پی کے
سُر بدلے ہیں گگن گگن کے

اب ہے اور ہی تان پُجاری! آن لگا پھر بان!
تم ٹھاکر، ہم داس تمہارے	ہم چاکر، کب پاس ہمارے
سُکھ کا دار و تم تو سدھارے
دُکھ میں ہے سنتان، پُجاری، آن لگا پھر بان!
تم نے سجائی پریم آرتی	مل کر گائیں سارے بھارتی
چمکا ہندوستان
تمہاری شان، ہماری آن
بان سے کیوں حیران پُجاری! دُکھ سُکھ ایک سمان!

(گیت ہی گیت)
___

۹۳

دوگانا

مکھتال :۔ آئی بہار،

لو آئی بہار!

مرد :۔ کلیاں رسیلی، پھول رنگیلے

عورت :۔ ڈالی ڈالی متوالی .....

مرد :۔ پات سجیلے؛

مرد عورت :۔ پھلواری پہ چھائی بہار

مکھتال :۔ لو آئی بہار ـــــ آئی بہار

مکھتال :۔ آئی بہار

لو آئی بہار

مرد :۔ رنگ نیا ہے روپ نیا ہے

عورت :۔ دل کو دُکھ کا بَیری گیت ......

مرد :۔ بھول گیا ہے

مرد عورت :۔ سُکھ کا سندیسہ لائی بہار

مکھتال :۔ آئی بہار

لو آئی بہار!

(گیت ہی گیت)

۹۴

دوگانا

مالن :۔ اب چھانڈ دیو موری کلائی رے راجہ جی ، نہیں دوں گی دُہائی
جب ہی چھیڑے پھلواری میں جب ہی اکیلی پائی ، راجا چھانڈو موری کلائی
دوں گی دُہائی
تم سے جگت میں لاج ہماری ، تم کو لاج نہ آئی ، راجا چھانڈو موری کلائی
دوں گی دُہائی
دیکھو دیکھو مانے نہیں ، رے نہ موری ، تم ہو بڑے نردائی راجا دوں گی دُہائی
چڑھ تو بیٹھے راج سنگھاسن راج کی ریت نہ آئی ، راجا دوں گی دُہائی
چھانڈو موری کلائی راجہ جی ، نہیں دوں گی دُہائی
راجا :۔ راج بھون میں سیج سجے تو مانے ہتھیلی لگائی ، مالن کیسے چھانڈوں کلائی
گلے میں ڈالوں جو موتی کی مالا تو بولے میں آئی میں آئی مالن کیسے چھانڈوں کلائی

داسیاں مل کر دھیان لگائیں پریم نے ہات بنائی مالن پریم نے بات بنائی
سب پر جاجے رانی پکارے راجہ بولے بدھائی مالن راجہ بولے بدھائی
مالن، کیسے چھانڈوں کلائی

مالن :- جگ کی جیبھ سدا بس آگے، کس نے کس سے نبھائی راجا،
چھانڈو موری کلائی

راجا :- وہی سہاگن، رانی وہی جو راجا کے من بھائی، مالن
کیسے چھانڈوں کلائی،

(گیت ہی گیت)

۹۵

دوگانا

اب کوئی ہم کو ستائے نہیں
ہمیں نردئی مورت بھائے نہیں
جب کوئی کسی کو رُلائے نہیں
تو جیون میں رس آئے نہیں

جیون کا بوجھ نبٹے کیسے جب پریمی امرت پلائے نہیں
کانٹے کی چُبھن کا ڈر ہو جسے وہ پھلواری میں جائے نہیں
اُسے مندر میں کیوں آنے دیں جو دیوی بن کے بُلائے نہیں
کوئی پی آپ منے کیسے جب کوئی کسی کو منائے نہیں
رستے پر پڑ بڑھتے کیسے جب دور سے کوئی رجھائے نہیں
جب دل کی لگن میں من ہو مگن دُکھ سکھ کی سوچ ستائے نہیں

ہمیں نردئی مورت بھائے نہیں
اب کوئی ہم کو ستائے نہیں
جب کوئی کسی کو رُلائے نہیں
تو جیون میں رس آئے نہیں

(گیت ہی گیت)

۹۶

امرت رس کی کومل کلی، گجری دودھ بیچن چلی
پیاسے بٹوہی نین بھر آویں۔ دیکھن لاگے بھلی
گجری دودھ بیچن چلی
رستہ چلتے آشا پھولی آئی پریم کی گلی،
قسمت بیرن، پھول کی ڈالی موہ اگن میں جلی
گجری دودھ بیچن چلی

(گیت ہی گیت)

۹۷

پیا پیا رٹے جائے پپیہا ، بیری بول سنائے ،
کیسے کردں پیا کے کیسے سُونا آنگن بھائے
پیا پیا رٹے جائے پپیہا ، ....
داتا سے جب مانگے بھکاری جو مانگے سو پائے
مانگ مانگ کر بول تھکی میں اب ہے لیکی " ہائے "
پیا پیا رٹے جائے پپیہا ، ....
بھائے پیا کو دیس پرایا ہم کو پیا سہائے
اور نہیں سکھ چین جگت میں کس کو کون بلائے
پیا پیا رٹے جائے پپیہا ، ....
مٹے روپ کو کون سنوارے بگڑی بات بنائے
کیسے بنے اب سانجھ سویرا ، کیسے نیا دن آئے
پیا پیا رٹے جائے پپیہا ، ....

(گیت ہی گیت)

۹۸

دوگانا

۱۔ تارے گائیں ہنستی بانی آؤ، آؤ، آؤ،

مکھتال۔ آؤ، آؤ، آؤ،

۲۔ ہنستی رات کی چاندنشانی آؤ، آؤ، آؤ،

مکھتال۔ آؤ، آؤ، آؤ،

۱۔ ہنستا اُجالا سب کو ہنسائے رستوں میں ہنستے ہیں سائے

۲۔ سایوں کو ہنستے جب پائے پتّا پتّا ہنستا جائے

۱۔ ہنستی ہے ساری پھلواری ہنستے ہیں سب نر و ناری

۲۔ ہنستے پھول ہیں ہنستی کلیاں ہنستے رستے ہنستی گلیاں

۱۔ بن بستی سب ہنسی کے مارے جھوم رہے ہیں پیارے

۲۔ ہنستا چاند ہے ہنستے تارے ہر سو ہنسی کے جلوے سارے

۱۔ ہنستی دھرتی ہنستا ساگر آؤ ہنسیں ہنسائیں مل کر

۲۔ ہنس کر سب کو ہنساؤ، آؤ، آؤ، آؤ،

۱۔ کہہ دو ہم سے جو ہے جی میں　　　آج تو ہم کو ہنسی ہنسی میں

دل کی بات بتاؤ، آؤ، آؤ، آؤ،

۲۔ ہنستی رات کی چاندنی آؤ، آؤ، آؤ،

۱۔ تارے گائیں ہنس مکھ بانی آؤ، آؤ، آؤ،

مکھڑا ال بہ آؤ، آؤ، آؤ،

(گیت ہی گیت)

۹۹

لوک گیت

ذات پات کو مارو گولی
ذات پات کی دُنیا ہولی
اب ہے نیا زمانہ
چھوڑ دو رونا رُلانا
بیتی بات فسانہ
خواب میں سُنی کہانی
دنیا تو ہی پانی،
جگ میں ہر شے آنی جانی،
ہم نے مانا

۲:-

دھک دھک دھک دھک جلے الاؤ،
جو بویا وہی کاٹو کھاؤ

پھوٹ پڑی سچائی

سب ہیں بھائی بھائی

مرنے کو ہے قصائی

پیچھے پھر پچھتاؤ

گھر میں بیٹھا بنیا رو دے آؤ مجھے بچاؤ،

رام دُہائی

۳:-

بھید نہیں کوئی بھول بھلیاں

اب کوتوال بنے ہیں سیّاں

ایسی ریت جگت کی

مانو بات ہے مت کی

کہتے ہیں ہم ست کی

مٹنے کو ہیں گھاؤ،

گلیوں میں مزدور پکارے مارو! لوٹو! کھاؤ،

آؤ آؤ،

(گیت ہی گیت)

۱۰۰

ٹھمری

کس سے لگائے نین؟

انترہ:- پہلی پیت بھلائے کے جی سے کہاں گنوائی رین

انترہ:- لاکھ کا راکھ ہوا ہے پل میں کس پدھ آئے مو بے چین

انترہ:- بنتی کرت کر جوڑ کہت ہوں پھر سے کہو میٹھے بین

انترہ:- بولے گوالا ہاتھ گہو تو سکھ سے کٹیں دن رین ،

(گیت ہی گیت)

۱۰۱

دوگانا

مرد

یہ پُرانی ریت زمانے کی اور اس میں جیت زمانہ کی
ابھی آنے کی ابھی جانے کی دُنیا نہ اسے پہچانے گی
دُکھ سُکھ کا بھید نرالا ہے
جو رنگ ہے مٹنے والا ہے

عورت

دن کا پل کے پل پھیرا ہے اور رات کا رین بسیرا ہے
ہر دکھ کے پہلو میں سکھ ہے جیسے رات کے بعد سویرا ہے
دُنیا میں ہر شے فانی ہے
دُکھ درد بھی ایک کہانی ہے

مرد

موسم آتے ہیں جاتے ہیں دھرتی کا روپ بڑھاتے ہیں
ہر اک کے دل کو لبھاتے ہیں اور جیون کو گرماتے ہیں

یونہی بچھڑے دل مل جاتے ہیں
مُرجھائے کنول کھل جاتے ہیں

عورت

چاہت کی ریت نرالی ہے چاہت کی جیت نرالی ہے
ہر چیز جگت میں مٹ جائے چاہت کبھی مٹنے والی ہے

جیسے سورج چاند ستارے ہیں
چاہت کے بھید بھی نیارے ہیں

(گیت ہی گیت)

۱۰۲

بھینٹ ہے بھگت کی جیون بھگتی

دے داتا نربل کو شکتی

بپتا بھی سکھ تیرے آگے   تو چاہے تو ہر دکھ بھاگے

تیرے کرم سے قسمت جاگے   پل میں مٹ جائے بدبختی

بھینٹ ہے بھگت کی جیون بھگتی

دے داتا نربل کو شکتی

جو دُکھ آئے چپکا سہوں گا   منہ سے نہ کوئی بات کہوں گا

تیری رضا میں راضی رہونگا   چاہے نرمی چاہے سختی

بھینٹ ہے بھگت کی جیون بھگتی

دے داتا نربل کو شکتی

تیرے دوار پہ جھکا پجاری   منزل دور ہے رستہ بھاری

تیری دیا سے کٹ جائے گا   کہے داس اب کیا جی لگتی

بھینٹ ہے بھگت کی جیون بھگتی

دے داتا نربل کو شکتی

(گیت ہی گیت)

۱۰۳

پریمی کیسے بات کرے پیتم سے
جی ہی جی میں ڈرے

کہے سے جانے کیا کوئی سمجھے اچھے کو بھی بُرا کوئی سمجھے
جگ کی آنکھ نہ دیکھے گن کو کھوٹے اس کو کھرے
پیتم سے کیسے بات کرے

سوکھیں تال جب برکھا جائے جی سے ساون ریت بھلائے
پیت کی ریت انوکھی دیکھی نین بھرے کے بھرے
پیتم سے کیسے بات کرے

آپ بنائے جال آپ اُلجھے اُلجھے تو سُلجھائے نہ سُلجھے
دور دور سے دیکھے سپنے کس پر دوش دھرے
پیتم سے کیسے بات کرے

جگ جیون ہے چنچل ناری اس کا کھیل ہے ہر دم جاری
کوئی جیتے امر ہو جائے کوئی ہارے مرے
پیتم سے کیسے بات کرے

داتا سے یہی مانگے بھکاری پل میں مہک اٹھے پھلواری
پیاسے پہنچیں منزل پر پھل پھولیں پات ہرے
پیتم سے کیسے بات کرے

(گیت ہی گیت)

۱۰۴

تیری لیلا نیاری داتا گائے یہی پجاری

جب بھی داس کو دکھ نے گھیرا   جگ جیون میں چھایا اندھیرا

تیرے کہے سے آیا سویرا

جھومی دھرتی ساری داتا تیری لیلا نیاری

(۲)

بھولا مسافر دھول ہی چھانے   آئے نہ کوئی راہ سُجھانے

کون ترے بھیدوں کو جانے

سُنی پکار ہماری داتا تیری لیلا نیاری

(۳)

تیری دیا سے سورج چمکے   دھرتی بھی گھومے تھم تھم کے

دل سے دھیان ہٹیں سب غم کے

رہیں مگن سنساری داتا تیری لیلا نیاری

(۴)

پل پل تیرا نام جپیں گے   دل میں رکھیں گے منہ سے کہیں گے

سانس یونہی اب پورے کریں گے

داس کو آس تمہاری داتا تیری لیلا نیاری

(گیت ہی گیت)

۱۰۵

جگ جیون ہے جھوٹی کہانی
جگ میں ہر شے آنی جانی

موہ کا جال بچھا ہے ایسا   ان مٹ موت کا پھندا جیسا
اس دھوکے سے کیسے نکلیں سوچ تھکے یہ لاکھوں گیانی
جگ جیون ہے جھوٹی کہانی

(۲)

جھوٹی کہانی جھوٹا سپنا   کوئی نہیں دنیا میں اپنا
دل کا درد کسی کو نہ دیکھا کس نے سنی اور کس نے مانی
جگ جیون ہے جھوٹی کہانی

(۳)

آشا رنگ محل دکھلائے   پاس گئے پر ٹھوکر کھائے
من مورکھ ہے ایک دوانہ گائے اپنی بیڈھب بانی
جگ جیون ہے جھوٹی کہانی

(۴)

جگ میں اپنا آپ سہارا   اور کی آس ہے گھور اندھیارا
پل میں ڈبائے بہتی دھارا ہم نے اس کی چال ہیں جانی
جگ جیون ہے جھوٹی کہانی

(گیت ہی گیت)

۱۰۶

دُکھ دور ہوئے دُکھ دور ہوئے

جس گھر میں پہلے اندھیرا تھا جس دل کو دُکھ نے گھیرا تھا

قسمت بدلی پُر نور ہوئے

دُکھ دور ہوئے دُکھ دور ہوئے

(۲)

اب پہلی بپتا بات گئی وہ دن بھی گئے وہ رات گئی

رنجور جو تھے مسرور ہوئے

دُکھ دور ہوئے دُکھ دور ہوئے

(۳)

جیسے دُکھ دل نے اٹھائے ہیں ویسے ہی سکھ اب پائے ہیں

مختار ہیں جو مجبور ہوئے

دُکھ دور ہوئے دُکھ دور ہوئے

(۴)

چاہت کی جیت ہوئی آخر اب ان مٹ پیت ہوئی آخر

سکھ امرت سے مخمور ہوئے

دُکھ دور ہوئے دُکھ دور ہوئے

(گیت ہی گیت)

۱۰۷

کون سُنائے بات خوشی کی کون سنائے بات
جو آئے وہ پل کو آئے پل بیتے تو جائے ہم کو
کون سنائے بات

دور دور کا درشن سپنا جیسے اکیلے مالا جپنا
اب وہ سپنا بھی کب اپنا
اب تو بیتی رات، ہم کو کون سُنائے بات

نیا روپ نت جی کو لُبھائے بادل گھونگھٹ چاند لجائے
پریم کی ریت سے کیوں شرمائے
پریم ہے پل کا ساتھ ہم کو کون سُنائے بات

چھڑی کتھا جب انت سہے کی جوں توں ندی بہتی رہے گی
سکھ کی سیج تو کس نے دیکھی
رین بنی پربھات، ہم کو کون سُنائے بات

جو باتیں یوں دور سے بولو آؤ انہی سے بندھن کھولو
چاہے جاگو چاہے سو لو
جیون ایک ہی رات، ہم کو کون سُنائے بات

(گیت ہی گیت)

۱۰۸

کیوں من للچائے بار بار

نینن دیکھیں دو دن کی بہار کیوں من للچائے بار بار

جگ میں جو لی چھلتی چھایا موہن جوبن ہے دن چار

اس پل کے میلے میں یاد آئی پُرانی سوجھے آر نہ پار

یادِ پُرانی ایسے جیسے دلہن کے تن پر سولہ سنگار

کوئی سور بیر نینوں سے نیر بہائے پریتم کرے نہ پیار

کوئی نار نویلی سیج پہ بیٹھی اکیلی سوچے جیت نہ ہار

کیوں من للچائے بار بار

(گیت ہی گیت)

۱۰۹

مانگ پُجاری، مانگ بھکاری
تیرے لئے ہے دُنیا ساری

بَن ہیں تیرے بستی تیری تیری بلندی پستی تیری
تیرا نور اندھیرا تیرا ہوش بھی تیرا مستی تیری

تیرے لئے ہے سب تیاری
مانگ پُجاری، مانگ بھکاری

سورج چاند ستارے تیرے اُجیالے اندھیارے تیرے
رنگ رنگ کی باتیں تیری پھول اور پتّے سارے تیرے

تیری ہے یہ سب پھلواری
مانگ پُجاری، مانگ بھکاری

پہلی بھولی پیت ہے کس کی؟ ہر مشکل پر جیت ہے کس کی؟
جگ میں تیرا جال بچھا ہے چنچل قسمت میت ہے کس کی؟

پہلے پیچھے تیری باری
مانگ پُجاری، مانگ بھکاری

موہن میٹھی کایا تیری درشن کی سب مایا تیری
ہر بستی کے دھن کا دھنی تو دھوپ بھی تیری چھایا تیری

دیکھ تو کس کے ہیں نرناری
مانگ پُجاری، مانگ بھکاری

(گیت ہی گیت)

۱۱۰

گیتوں کا گیت

مرے گیت ہر دم مرے ساتھ ہونگے
یہی گیت ہر دم مرے ساتھ ہونگے

جو پہلی اچھوتی جوانی گئی   تو پل میں انہی نے سکھائی نئی
نئی ریت، ہر دم مرے ساتھ ہونگے
مرے گیت ہر دم مرے ساتھ ہونگے

اٹل ریت اک دیوتاؤں میں ہے   مرے گیتوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہے
وہی ریت ہر دم مرے ساتھ ہونگے
مرے گیت ہر دم مرے ساتھ ہونگے

اکیلے اکیلے نبا ہے کوئی   نہ آئے کوئی گر نہ چاہے کوئی
یہی میت ہر دم مرے ساتھ ہونگے
مرے گیت ہر دم مرے ساتھ ہونگے

(گیت ہی گیت)

۱۱۱

انجانے نگر من مانے تھے
من مانے نگر انجانے رہے
اپنی باتوں کی مستی میں　　سنتے رہے دل کی بستی میں
وہی گیت جو کچھ من مانے رہے
وہی راگ جو سکھ کے بہانے رہے

راتیں بیتیں دن بیت گئے　　راتیں بھی نئی پھر دن بھی نئے
مورکھ من ایسا ہٹیلا ہے
اسے یاد وہ رنگ پرانے رہے
انہونی کا جسے دھیان رہا　　ہونی نے اسے چپکے سے کہا
نہ وہ باتیں رہیں نہ زمانے رہے
جو رہے بھی تو باقی فسانے رہے

اب گیت میں رس ٹپکاتے ہیں　　یوں دل کی آگ بجھاتے ہیں
اب سب کے لئے وہی باولے ہیں
جو بیتے سمے میں سیانے رہے

(تین رنگ)

۱۱۲

آنکھیں جو ملیں دل کیوں نہ ملے؟

ترچھی چتون سندر صورت

بانکا جوبن موہن مورت

جو بھی دیکھے دیکھ کے بولے اُٹھے پھلواری میں دو پھول کھلے

دل کہتا ہے ہم سنتے ہیں

آنسو کے موتی چُنتے ہیں

کوئی یہ تو بتائے اتنا کہے یہ مالا ڈالیں کس کے گلے؟

جب زلفوں کو بکھرائے کوئی

جب سامنے آکے لُبھائے کوئی

پل کے پل جیون امر بنے پل کے پل اپنا جی بہلے

شرمانے میں جو رجھانا ہے

وہ چاہت ہی کا بہانا ہے

کیسے یہ اُٹھے پردہ دل کا اِس جھوٹ کی کایا کیسے جلے؟
جب اتنی گہری دوری ہو
جب ملنے میں مجبوری ہو
قسمت کی ہونی کیسے مٹے پھر سر پر آئی کیسے ٹلے؟
کب دل باتوں سے بہلتا ہے؟
یہ تو رہ رہ کے مچلتا ہے
دل ٹُوٹ کھ ہلک، بپتا کو اب کیسے سہے، کیسے سنبھلے؟

(تین رنگ)

۱۱۳

آیا بیرن مورا رے

پھر ساون من بھاون آیا، آیا مورا بیرا آیا بیرن مورا رے

پھر ساون من بھاون آیا　　　پل میں بن بستی کو سجایا

ساون آیا ٹوٹا دُکھ کا بندھن مورا رے

ہنسی بہن بھائی سے مل کے　　　اب دُکھ دور ہوئے ہیں دل کے

اب تو کوئی سوچ نہیں اب ساون مورا رے

اب سسرال بنا ہے میکا　　　حال ہی اور ہے کچھ مکھڑے کا

لایا سندیسہ ماں جایا بیرن مورا رے

دھرتی پر چھائی ہریالی　　　آئی گھٹائیں کالی کالی

گھر بھر میں اُجیالا چھایا　　　پل میں بندھائی دھیر

آیا بیرن مورا رے

آیا بال پنے کا سنگی　　　لایا چوڑیاں رنگ برنگی

پونہچی لایا، جھانجھن لایا چاندی کی زنجیر

لایا بیرن مورا رے

پھر ساون من بھاون آیا

آیا مورا بیر

آیا بیرن مورا رے

(تین رنگ)

۱۱۴

جانے دو، جانے دو،

مجھے کاہے روکو جو بڑی رے

دیکھو دیکھو کہیں کبھی دیکھے کوئی

سوچو سوچو تو پھر کیا سوچے کوئی

وہی بات جو دل میں ہمارے بھی ہے،

وہ ہی رہے، وہ ہی رہے، وہ ہی رہے

مجھے کاہے روکو جو بڑی رے

یہاں کے باسی بزدلی، بیری

سب کی زبانیں تیکھی، زہری

سُکھ ہی سُکھ تھا جگ میں جو ہوتے رہنے والے

رو ہی رہے ' رو ہی رہے ' رو ہی رہے

مجھے کاہے رو کو ہو بڑ ہی رہے

ایک دیوار بنائیں مِل کر

اُس کے پار سجائیں مِل کر

ایسی کُٹیا جس میں کہو جو باتیں مانو

سو ہی رہے ' سو ہی رہے ' سو ہی رہے

مجھے کاہے رو کو ہو بڑ ہی رہے

(تین رنگ)

۱۱۵

جانے نہ دوں گی مورے بانکے سپیّا، رمیّا تجھے
جانے نہ دوں گی مورے بانکے سپیّا

رَن میں تمہارے وارے نیارے
ہم نے مانا تم ہو جیا رے
کاری نین کے بان ہمارے
کیسے بچو گے رمیّا، مورے بانکے سپیّا

دیکھو، دیکھو دیکھو، کمر بل کھائی، موری ناجک کلائی
تھامو تھامو تھامو، جوبن کے رکھیّا
مورے بانکے سپیّا

دل میں رکھوں تو نیناں روٹھیں
نینوں میں راکھوں تو دل ٹوٹے مورا ہیّا، مورے بانکے سپیّا تجھے
جانے نہ دوں گی مورے بانکے سپیّا

(تین رنگ)

۱۱۶

کون ایسا بلوان جگت میں'

دُکھ کو اپنے بس میں کر لے　　　کون ایسا بلوان جگت میں

سب مُورکھ نادان ۔

دل روئے صورت مُسکائے

سمجھیں یونہی چہکے باتی

دل میں رہے دُکھ کا اجیالا ، جلتی چِتا سمان

گیانی جو بھی بات بنائے

اگیانی کو راس نہ آئے

دونوں سوچیں بھید کی اس کو کوئی نہیں پہچان

پل پل چھن چھن گِنتا کیا ہے؟

تھاہ نہ پائے چِنتا کیا ہے؟

جو جیتے جیسے بھی جیتے　　　سمجھو ایک سمان

کِس نے دیکھے اور کے سپنے

دکھ سکھ دونوں اپنے اپنے

یونہی اپنی بھوک مٹائے　　　جیون کا شمشان

(تین رنگ)

۱۱۷

کیسے کھُلا یہ رین بھون کا کس نے کُنڈی کھولی
پھُوٹ بھئی آکاش کی گنگا چاند نے صورت دھولی
پھُول پہ اوس کی بوندیں دیکھیں
جیسے جگمگ جگنو چمکیں
ایسے لائی رات کی دیوی بھر کر اپنی جھولی
چھم چھم ناچتی کرنیں آئیں
ناچ ناچ میں گیت سنائیں
گیت کی دُھن ہے اَتی منوہر میٹھی گیت کی بولی
دن ڈوبا تو رات سجی ہے
چندا کی بارات سجی ہے
آگے آگے چندا ماموں پیچھے پیچھے ڈولی
تارے ہیں چندا کے ساتھی
ننھے ننھے یہ باراتی
سُکھ آنند سے جھُوم کے ناچیں کھیلیں آنکھ مچولی

(تین رنگ)

۱۱۸

کھلی چاندنی
ہنسی کامنی
جگ جیون کے بندھن ٹوٹے کھل گئے پریم دوارے
چاندرات نے رنگ جمایا جھوم اُٹھے سب تارے
ننھے پیارے پیارے

مانو چاندنی ایک دلہن ہے
چنچل سندر من موہن ہے
اس کا روپ انوپ منوہر اس کے بھاؤ سارے
جھوم اُٹھے سب تارے
چنچل کرنیں ہیں مدماتی
جیسے کوئی ناری اٹھلاتی
مدھم لے میں گیت سناتی بول ہوں پیارے پیارے

جاگ اُٹھی ہے جیون جیوتی
گگن تھال ہے تارے موتی
ان سے بنتے جو پریم کی مالا پھیر موں وارے نیارے

جونہی مست پَوَن لہرائی
رنگ رنگ کی بات سُجھائی
جگ جگمگ چاند کا جادو جھلمل جھلمل تارے
ننھے پیارے پیارے

بات نہیں اب کوئی دُکھ کی
پل پل چھن چھن رات ہے سُکھ کی
دھنیہ دھنیہ داتا کو جس نے بگڑے کاج سنوارے
جھوم اُٹھے سب تارے

(آمن رنگ)

۱۱۹

مت لے مت لے نام کسی کا، دیکھ نیا نت گام ہوا
پھول کھلیں پھلواری مہکے
پل بھر پریم کا پنچھی چہکے
رات کی رات جہاں بھی کر لے لوبھی من بسرام

چار گھڑی کی چھایا اچھی
پل کے پل یہ مایا اچھی
جیون بھر کا کبھی کسی نے کب پایا آرام

رات گئے جب آئے سویرا
دیکھتے دیکھتے اُٹھے گا ڈیرا
بڑھے یونہی من کا بنجارا پہنچے سجن کے دھام

(تین رنگ)

۱۲۰

مرے دل کی باتیں کیا جانے ـــــ کیا جانے،
جو دیکھے سبھی جو سُنے نہ کبھی
مرے دل کی باتیں کیا جانے ـــــ کیا جانے،
من باؤلا ہے من چاہے وہی
جو کہی نہ سُنی،
یہ جیون گیت انوکھا ہے
کبھی ایک ہی پل میں امر ہو جائے
کبھی یہ سمجھائے
جو روٹھے نہیں کیسے مانے،
مرے دل کی باتیں کیا جانے ـــــ کیا جانے

(تین رنگ)

۱۲۱

من ہی من میں ہری دیپ جلے
کیوں چنتا ہو اندھیارے کی
سدھ بدھ نہیں سانجھ سکارے کی
اب آٹھ پہر ہم رہتے ہیں اُجیالے کی چھایا کے نیچے

ہری دیپ بھی سندر ناری ہے
اس بات میں سب سے نیاری ہے
جس من میں جیوتی جاگ اُٹھے وہ بھی اسکے سانچے میں ڈھلے

جس من میں روپ بسے اس کا
آنکھیں کس کی درشن کس کا
یہ بھید بتائے کون ابھی آنند سے ہم بھی نہیں سنبھلے

مت سوچ بتو ہی جیت کہاں
اس راہ میں من کا میت کہاں
یہی دھیان رہے ہر دم دل میں وہ بھی تو نہیں جو بھی ہوں بھلے

(رس رنگ)

۱۲۲

یونہی جوت جلے گی مُورکھ

اندھیارے میں جاگا اُجالا
سُکھ کی کرن ہے دُکھ کا بھالا
یونہی ساگر لہرائے گا ـــــــ من گائے گا
یونہی ناؤ چلے گی مُورکھ

بھاڑ گئی ہیں رنگ بکھرا
انت پہل کا ناتا گہرا
پل پل جیون بڑھتا جائے ـــــــ من بھلائے
سُن لے بات بھلے کی مُورکھ

پوری ہوگی من کی آشا
کیوں یہ چنتا کیوں یہ نراشا
ہری بھری کب ہوگی کیاری —— یہ پھلواری
پھولے گی کہ پھلے گی مورکھ

سوچ سمجھ یہ بات گیان کی
لہریں لاکھوں ایک ہی دھیان کی
ایک ہی مورت نئے رنگ سے —— نئے ڈھنگ سے
دھیرے دھیرے ڈھلے گی مورکھ

(تین رنگ)

۱۲۳

بن آشا کیسے کاج بنے ؟

دُکھا جیون سُوکھے سپنے، بن آشا کیسے کاج بنے ؟

مالی سے خالی پھلواری، جیون کوئی ناری روٹھے منے!

بن آشا کیسے کاج بنے ؟

جب کوئی کسی کو ساتھ لئے

بڑھے ہاتھ میں اپنے ہاتھ لئے

یوں ڈول اٹھے دل، بول اٹھے اب سب جیون کے سُکھ اپنے!

کوئی نئی امنگ سُجھائی دے

تو ہوتی بات دکھائی دے

پھیلے آکاش پہ چھا جائیں جیون پل میں بادل گھنے گھنے!

(نیا دور کراچی)

۱۲۴

پھول کھلے مرجھائے
بسنت سہانی کیسے؟

پریکی بتائے بیتے جیسے
کچھ بھی ہاتھ نہ آئے
پھول کھلے مرجھائے

بن میں جاگے پات
نہیں کوئی ساتھ کسی کے؟

کچھ بھی نہ آئے ہاتھ کسی کے
جیت بھی جگ میں مات
بن میں جاگے پات

چلے ہوا کرے بین

سنائے دل کی باتیں

پس بن گئیں امرت برساتیں

کیسے کٹیں دن رین

چلے ہوا کرے بین

کھائے جھکولے دھیان

دُکھ کی ایک بھی سُوجھے

بوجھو، پہیلی کون یہ بُوجھے

اس کی کیا پہچان

کھائے جھکولے دھیان

کون ہے کس کا میت

یہ کس نے جانا جگ میں

پیت کو کب پہچانا جگ میں

عمر گئی یوں ہی بیت

کون کسی کا میت

(نیا دور، کراچی)

۱۲۵

جگت گرو جان پہچان۔
راس کے آگے سیس نوائیں چاہے گیانی چاہے نادان
ہر کوئی راکھے لاج آنکھ کی   مایا ہے سب آج آنکھ کی
کل کی چنتا کس کے من میں کل کا کس کو دھیان

آپ کو دیکھا اور کو جانا   اندھائی کو بینائی مانا!
اس کے آگے سُدھ بُدھ بسرے چھانا ایک جہان

بچے بوڑھے کیا نرناری   دیکھے کی دنیا ہے ساری
سامنے، اپنے نہیں پرائے، آنکھ اوجھل انجان

جیون ہے درشن کی ہنڈی   کیسے کھُلے پھر من کی گھُنڈی
مندر میں جب پہنچے پجاری جاگ اٹھے بھگوان

تو بھی جگ کا دیکھ لے میلا   رنگ مٹے پر جب ہوا کیلا
مکتی آپ ہی بول مٹے گی اب تو بھید یہ جان

(نیا دور کراچی)

۱۲۶

جگ چاہے سو کرے ، من میرا جوگی روپ دھرے

ہار یہی ہے جیت یہی ہے   پُورم پار کی ریت یہی ہے
کرنی کا ہر کو ساکھی ، بھرنی آپ بھرے
من میرا جوگی روپ دھرے

ڈوبن ہاری دیکھی نیّا   دور ہی دور سے بولے کھویّا
جیون تیرا جتن کی مایا ڈوبے چاہے ترے
من میرا جوگی روپ دھرے

جانو اس کو پُتلا بس کا   اَہنکار میں انت ہو جس کا
پائے گیان ابھیمان جو چھوٹے جیتے جی نہ مرے
من میرا جوگی روپ دھرے

دل میں دھیان کی بھڑکی جوالا　　　پل میں موہ بھسم کر ڈالا
اب ہے من میں سدا اُجالا کھوٹے بھی ہیں کھرے
من میرا جوگی روپ دھرے

سن لی جب ہر ایک کہانی　　　رہی نہ کوئی نئی پرانی
اب تو لگن لگی ساجن سے جو چاہے سو کرے
من میرا جوگی روپ دھرے

(نیا دور کراچی)

۱۲۷

چندارے راتیں چاندنی مت لائیو!

بدلی کے پیچھے جوت جگاوے من میں آگ لگاوے
جس کے روپ کی چمکے جیوتی، صورت اس کی نظر نہ آوے
پیتم درس دکھائیو!
چندارے راتیں .....

بدلی سے کہیو کبھی تو جاوے، حال ہمارا سناوے
لوٹ کے آوے تو من میں چھپا کر ساتھ انہیں بھی لیتی آوے
تو ہی اسے سمجھائیو!
چندارے راتیں .....

دھرتی پر جیون جگنو چمکیں تارے گگن پر دمکیں
من کو پرانی بیتی باتیں یاد آتی جائیں تھم تھم کے
ان باتوں کو بھلائیو!
چندارے راتیں چاندنی مت لائیو!

(نیا دور کراچی)

۱۲۸

درشن چور پرانا پاپی سوئی آگ جگائے
آپ تو ہنستے ہنستے آئے پر پریمی کو تڑپائے

دیکھے رات کا جب اندھیارا　　چندا کو یہ کرے شارا
چمکے چاند ڈوبے ہر تارا
بدلی کے پیچھے جب بدلی دوڑ رگن کی لگائے

کنول چاندنی میں جب دمکے　　تال کا پانی چھم چھم چمکے
بول اٹھیں تارے تھم تھم کے
دھرتی کی گودی میں گگن کی شوبھا بڑھتی جائے

چنچل من کیوں کرے برجوری　　ہاتھ سے گھونگٹ چھوٹے گوری
بولے ہتیاں کیوں یہ مروری
ہار بنے گی جیت، پریت میں کب از یت سہائے

(نیا دور کراچی)

۱۲۹

سمے گھور بٹ مار بٹوہی

پہلے جیون منزل کا تارا ، یہ بھی کرے اشارا
وقت پڑے کب آنکھ ملائے
آپ ہی کارج سنوار، یہ کہہ دے سوچ
سمے گھور بٹ مار

کبھی دور سے جیت تمہاری، قسمت میت تمہاری
پاس گئے جب ایسے جیسے
ہرجائی کا پیار ، بنے نرموہی
سمے گھور بٹ مار

اس کو جان کے جانا جگ کو ، بیری مانا جگ کو
اس کی چال میں آئے جو مورکھ
سوجھے آر نا پار ، ہیں رستے دو ہی
سمے گھور بٹ مار

(نیا دور کراچی)

۱۳۰

کس کی مورت پوجے پگلا کس کا بھید چھپائے
کوئی بات نہ سوجھے ہر کوئی دیکھ دیکھ رہ جائے

نین رسیلے، بات رسیلی
جیون ساون کی رات رسیلی
جس کے من میں چھائی برکھا بیٹھا نیر بہائے

دور سے روپ کی جھلک سہانی
جیسے کوئی ان کہی کہانی
سن کر جادو مٹ جائے گا، کیوں بالک للچائے

ہم نے مانا بڑا سہانا
آشاؤں کا تانا بانا
من مندر میں جیسے پروہت دیپ پہ دیپ جلائے

موہ کی رین مٹے تو ایسے
کوئی اجڑی بستی جیسے
جیسے کوئی اپنی بپتا کہتے ہی رک جائے

جان گئے ہم بھید یہ کیا ہے
دھوکا ہے یہ راگ نیا ہے
تان تان سے ایک ہی مورت آنکھوں میں لہرائے

کسی لہر پر نیّا ڈولے
ایک سا ساگر کھائے جھکولے
بھلا مسافر دھیان کے بل پر کیسے بڑھتا جائے

(ساز ممبئی)

۱۳۱

میرے دل کی باتیں کیا جانے ———— کیا جانے؟

جو دیکھے سبھی
جو سُنے نہ کبھی
میرے دل کی باتیں کیا جانے ———— کیا جانے؟

من باورا ہے، من چاہے وہی
جو سنی نہ کہی
کبھی ایک ہی پل میں امر ہو جائے، کبھی یہ سمجھائے
جو روٹھے نہیں کیسے مانے
میرے دل کی باتیں کیا جانے ———— کیا جانے؟

(نیا دور، کراچی)

۱۳۲

نربل کیسے بھگت کہلائے ، اپنی ہار کو جیت بنائے

بار بار مندر کو جائے مورتی درشن پائے
پتھر کچھ نہیں بولے سُکھ سے رو نے نہ سکائے
بن شکتی کے بھگتی کیسی اپنا آپ گنوائے
نربل کیسے بھگت کہلائے ؟

مکتی کی کوئی راہ نہ پائے اندھیارا ہی بڑھتا جائے
لہر سے لہر تھپیڑے کھائے پاس کنارا کبھی نہ آئے
ڈگمگ ڈولے سُکھ کی نیّا من مانجھی کلپائے
نربل کیسے بھگت کہلائے ؟

جان کر تیرا من ہے مندر
جیون مورتی جس کے اندر
تو ہی اب بھگوان ہے اپنا تو ہی کام بنائے
نربل کیسے بھگت کہلائے ؟

(نیا دور کراچی)

۱۳۳

پنچھی کیا جانے کون آئے!
رُت کی ہر ریت نرالی بیٹھی گھات لگائے
اونچی ڈال پر کرے بسیرا، پنچھی کیا جانے کون آئے!

جی میں سوچ آنچ نہ اس کو دُور جگت سے جس کا ڈیرا
من ہی من میں جوت جلے گی چاہے اُجالا چاہے اندھیرا!
اونچی ڈال پر کرے بسیرا.....

رات کے دِل میں بھید چھُپے ہیں، بھید بھنور ہے گھوم گھُمیرا
چین کی راہ نہ پائے مُورکھ جس کے دل پر ڈالیں گھیرا!
اونچی ڈال پر کرے بسیرا ....

اندھیارے کا دھوکا جیسے کوئی یہ بولے سب کچھ تیرا
نئی اُمنگ میں ڈوب کر سوچا اب تو جلدی آئے سویرا
اونچی ڈال پر کرے بسیرا.....

بھود بھٹکے بن بستی گھومے کوٹ کوٹ کا لگائے پھیرا
سانجھ سمے تھک جائے پکارے کون ہے تیرا کون ہے میرا
اونچی ڈال پر کرے بسیرا....

سنگ کا کاج ہے بھول بھلیاں سب ہیں بیری کوئی نہ تیرا
دکھ سکھ کا ہے بندھن جیسے آگے پیچھے سانجھ سویرا
اونچی ڈال پر کرے بسیرا.....

بھید کا پردا کتنا گہرا اُدھر اُجالا ادھر اندھیرا
اس کی تھاہ نہ پائے گیانی کون مسافر کون لٹیرا
اونچی ڈال پر کرے بسیرا....

دُور ہی دُور سے لہرا ڈولی پاس گئے پر ایک تھپیڑا
جیون راگ سنے ہر کوئی جس دُھن میں راگی نے چھیڑا
اونچی ڈال پر کرے بسیرا، پنچھی کیا جانے کون کرے

(نیادور/ ج ۱)

۱۳۴

کیوں نہیں اکھیاں ندیاں سوکھی،
کب تک دکھ کی مالا جپنا
سکھ کا سپنا

اس پر کوئی بس نہیں اپنا
نین بھر آئیں

دل یہ پکارے لوگ کہیں یہ دیکھ نہ پائیں
کیسے کہو اب بھید چھپائیں

آنسو پئیں تو سینے میں یوں چلے کٹاری
جیسے گلے میں اترے مدیرا کھاری
کیوں نہیں اکھیاں ندیاں سوکھی؟

(شعر و حکمت)

۱۳۵

ڈھول پکارے زور سے آؤ بھائی آؤ
بیت نہ جائے عمر کہیں آؤ چلتے جاؤ

کہتی ہے یہ بانسری رات اندھیری چھائے
ہنسو جو سمجھو دیکھنا پیت کہیں لگ جائے

تن تن تن تن تن تن تن کہتی ہے یہ ستار
گائے ناچے دل میرا دل کے اوپر بھلد

لیکن غمگیں اور دکھی سارنگی بولے
پریت کے ہاتھوں روئی میں آؤ بھی بلے

(شعر و حکمت)

۱۳۶

گن گاؤں شیام منوہر کے
پنگھٹ سے چلی گاگر بھر کے
مرا قدم قدم پہ دل دھڑکے
کہیں لوگ نہ دیکھ پائیں گھر کے
بنسی کی تان سنی میں نے

کبھی دھندلا دھندلا سویرا ہے — کبھی کاجل جیسا اندھیرا ہے
کیسے چنچل بھاؤ ہیں نٹور کے
جو سکھی ملے وہ یہی کہے — اب جانے وہی جو دل پہ سہے
من نیتا پریم کھویا کی — داسی برانند کے بتیا کی
اب کھائے جھکولے ساگر کے

(شعر و حکمت)

غزلیں

۱

نگری نگری پھر امسافر گھر کا رستا بھول گیا
کیا ہے تیرا کیا ہے میرا اپنا پرایا بھول گیا

کیا بھولا کیسے بھولا ، کیوں پوچھتے ہو؟ بس یوں سمجھو
کارن دوش نہیں ہے کوئی بھولا بھالا بھول گیا

کیسے دن تھے ، کیسی راتیں کیسی باتیں گھاتیں تھیں
من بالک ہے پہلے پیار کا سندر سپنا بھول گیا

اندھیارے سے ایک کرن نے جھانک کے دیکھا شرمائی
دھندلی چھب تو یاد رہی کیسا تھا چہرہ بھول گیا

یاد کے پھیر میں آ کر دل پر ایسی کاری چوٹ لگی
دُکھ میں سُکھ ہے سُکھ میں دُکھ ہے بھید یہ نیارا بھول گیا

ایک نظر کی ، ایک ہی پل کی بات ہے ڈوری سانسوں کی
ایک نظر کا نور مٹا جب اک پل بیتا ، بھول گیا

سوجھ بوجھ کی بات نہیں ہے من موجی ہے مستانہ
لہر لہر سے جا سر پٹکا ، ساگر گہرا ، بھول گیا

ہنسی ہنسی میں کھیل کھیل میں بات کی بات میں رنگ مٹا
دل بھی ہوتے ہوتے آخر گھاؤ کا رِسنا بھول گیا

اپنی بیتی جگ بیتی ہے جب سے دل نے جان لیا
ہنستے ہنستے جیون بیتا رونا دھونا بھول گیا

جس کو دیکھو اُس کے دل میں شکوہ ہے تو اتنا ہے
ہمیں تو سب کچھ یاد رہا — پر ہم کو زمانہ بھول گیا

کوئی کہے یہ کس نے کہا تھا کہہ دو جو کچھ جی میں ہے
میراؔجی کہہ کر پچھتایا اور پھر کہنا بھول گیا

(تین رنگ)

۲

دیدۂ اشکبار ہے اپنا
اور دلِ بے قرار ہے اپنا

رشکِ صحرا ہے گھر کی ویرانی
یہی رنگِ بہار ہے اپنا

چشمِ گریاں سے چاکِ داماں سے
حال سب آشکار ہے اپنا

ہائے تجھ میں ہر ایک کھویا ہے
کون یاں غمگسار ہے اپنا

صرف وہ ایک سب کے ہیں مختار
اُن پہ کیا اختیار ہے اپنا

بزم سے اُن کی جب سے نکلا ہے
دل غریب الدیار ہے اپنا

اُن کو اپنا بنا کے چھوڑیں گے
بخت اگر سازگار ہے اپنا

پاس تو کیا ہے اپنے پھر بھی مگر
اُن پہ سب کچھ نثار ہے اپنا

ہم کو ہستی رقیب کی منظور
پھول کے ساتھ خار ہے اپنا

ہے یہی رسمِ میکدہ شاید
نشہ اُن کا، خمار ہے اپنا

جیت کے خواب دیکھتے جاؤ
یہ دلِ بدقمار ہے اپنا

کیا غلط سوچتے ہیں میرا جی
شعر کہنا شعار ہے اپنا

(تین رنگ)

۳

گناہوں سے نشو و نما پا گیا دل
درِ پختہ کاری پہ پہنچا گیا دل

اگر زندگی مختصر تھی تو پھر کیا
اسی میں بہت عیش کرتا گیا دل

یہ ننھی سی وسعت یہ نادان ہستی
نئے سے نیا بھید کہتا گیا دل

نہ تھا کوئی معبود، پر رفتہ رفتہ
خود اپنا ہی معبود بنتا گیا دل

نہیں گریہ و خندہ میں فرق کوئی
جو روتا گیا دل تو ہنستا گیا دل

بجائے دل اک تلخ آنسو رہیگا
اگر اُن کی محفل میں آیا گیا دل

پریشاں رہا آپ تو فکر کیا ہے
ملا جس سے بھی اُس کو بہلا گیا دل

کئی راز پنہاں ہیں لیکن کھلیں گے
اگر حشر کے روز پکڑا گیا دل

بہت ہم بھی چالاک بنتے تھے لیکن
ہمیں باتوں باتوں میں بہکا گیا دل

کہی بات جب کام کی میراجیؔ نے
وہیں بات کو جھٹ سے پلٹا گیا دل

(تین رنگ)

۴

چاند ستارے قید ہیں سارے وقت کے بندی خانے میں
لیکن میں آزاد ہُوں ساقی! چھوٹے سے پیمانے میں

عمر ہے فانی، عمر ہے باقی اس کی کچھ پروا ہی نہیں
تو یہ کہہ دے وقت لگے گا کتنا آنے جانے میں

تجھ سے دُوری دُوری کب تھی پاس اور دور تو دھوکا ہے
فرق نہیں انمول رتن کو کھو کر پھر سے پانے میں

دو پل کی تھی اندھی جوانی، نادانی کی، بھر پایا
عمر بھلا کیوں بیتے ساری رو رو کر پچھتانے میں

پہلے تیرا دیوانہ تھا اب ہے اپنا دیوانہ
پاگل پن ہے ویسا ہی کچھ فرق نہیں دیوانے میں

خوشیاں آئیں؟ اچھا آئیں مجھ کو کیا احساس نہیں
سُدھ بُدھ ساری بھول گیا ہوں دُکھ کے گیت سنانے میں

اپنی بیتی کیسے سُنائیں مدمستی کی باتیں ہیں
میراجی کا جیون بیتا پاس کے اِک مے خانے میں

(تین رنگ)

۵

لب پہ ہے فریاد کہ ساقی یہ کیسا مے خانہ ہے
رنگِ خونِ دل نہیں چمکا گردش میں پیمانہ ہے

مٹ بھی چکیں امیدیں مگر باقی ہے فریب اُمیدوں کا
اس کو یہاں سے کون نکالے یہ تو صاحبِ خانہ ہے

ایسی باتیں دور سے جا کر کہیے تو کچھ بات بھی ہے
اُس سے کہے کیا حاصل جس کو سچ بھی تمہارا بہانہ ہے

طور اطوار انوکھے اس کے کس بستی سے آیا ہے
پاؤں میں لغزش کوئی نہیں ہے یہ کیسا مستانہ ہے

مے خانے کی جھلمل کرتی شمعیں دل میں کہتی ہیں
ہم وہ رند ہیں جن کو اپنی حقیقت بھی افسانہ ہے

(فنِ رنگ)

۶

زندگی ایک اذیت ہے مجھے
تجھ سے ملنے کی ضرورت ہے مجھے

دل میں ہر لحظہ ہے صرف ایک خیال
تجھ سے کس درجہ محبت ہے مجھے

تری صورت، تری زلفیں، ملبوس
بس انہی چیزوں سے رغبت ہے مجھے

مجھ پہ اب فاش ہُوا رازِ حیات
زیست اب تک تری چاہت ہے مجھے

تیز ہے وقت کی رفتار بہت
اور بہت تھوڑی سی فرصت ہے مجھے

سانس جو بیت گیا، بیت گیا
بس اسی بات کی کلفت ہے مجھے

آہ میری ہے تبسم تیرا
اس لیے درد بھی راحت ہے مجھے

اب نہیں دل میں مرے شوقِ وصال
اب ہر اک شئے سے فراغت ہے مجھے

اب نہ وہ جوشِ تمنا باقی
اب نہ وہ عشق کی دحشت ہے مجھے

اب یونہی عمر گزر جائے گی
اب یہی بات غنیمت ہے مجھے

(تمکین رنگ)

ے

ہم پہ وہ کب نگاہ کرتے تھے
اِک ہمیں اُن کی چاہ کرتے تھے

ہم تو بس اُن کی چاہ کرتے تھے
اور وہ ہم کو تباہ کرتے تھے

اُن کی زلفوں کی یاد میں سب کو
دل جلا کر سیاہ کرتے تھے

گاہ چپکے گزارتے تھے رات
گاہ روتے تھے آہ کرتے تھے

اُس کے گھر کے کئی کئی پھیرے
یونہی شام و پگاہ کرتے تھے

اور سمجھوں گے کوئی کہ تجھ کو چھوڑ
ہم بیں عزّ و جاہ کرتے تھے

سوچتا ہوں یہی کہ اس دل میں
غیر کس طرح راہ کرتے تھے

چغلیاں کھا کے میری اُن سے رقیب
اپنا نامہ سیاہ کرتے تھے

ہم لہو آنکھ سے بہاتے تھے
وہ نہ ہم پر نگاہ کرتے تھے

داورِ حشر سے یہ کہہ دیں گے
ہم جہاں میں گناہ کرتے تھے

اب تو ہر شے سے بے نیازی ہے
دن گئے جب کہ چاہ کرتے تھے

شعر کہتے تھے اپنے میراجی
لوگ سنتے تھے آہ کرتے تھے

(تین رنگ)

۸

جیون جیوتی جاگ رہی ہے، چھوڑ بہانے چھوڑ بہانے
تن من دھن کی بھینٹ چڑھا دے کیوں سپنوں کے تانے بانے

آئے کون تجھے بہلانے، پہنچے کون تجھے سمجھانے؟
بھرمایا ہے پریم سدھانے، الجھایا ہے پریم کتھانے

اِک گھمسان کا رن ہے دُنیا جاگ سپاہی، جاگ سپاہی
اُٹھ کر اک دو ہاتھ دکھا دے دشمن بھی جوہر پہچانے

آنکھیں کھول کے دیکھ جگت کو رنگ رنگ کی نیاری باتیں
ایک ہی چاند مگر آتا ہے، تیری راتوں کو چمکانے

نا امیدی کے آکاش پہ چمکا ہے آشا کا ستارہ
مندر میں اک دیو داسی سج کر آئی ناچ دکھانے

موہ کا پنچھی دل میں بے کل ڈول رہا ہے جنگل جنگل
تو ہے اک نادان شکاری ٹھیک نہیں ہیں تیرے نشانے

ساغر اُلٹے مینا ٹوٹی مے خواروں کی سنگت چھوٹی
ڈھونڈنا اب بیکار ہے تیرا خالی ہیں سارے میخانے

اس کے دامن میں سو لہریں آئیں جھکولے جائیں جھکولے
ہاں کہہ کر بچھڑ جائیں پل میں کوئی مانے کوئی نہ مانے

دیکھ کہ ندی اب گدلی ہے جاگ کہ دُنیا ہی بدلی ہے
موج کی راہ سے ناؤ ہٹا لے آئے ہیں تیرے محل کو ڈھانے

پریم کا ساتھ ہے دُکھ کا دارُو کیسا سکھ ہو پاس نہیں تُو
آنے لگی گیسو کی خوشبو پیتا ہوں رس کے پیمانے

مانا دُکھ میں کھویا ہُوا ہوں، تم سمجھے ہو سویا ہُوا ہوں
دھرتی کو آکاش بنا دوں آئے ہو تم کس کو جگانے

(تین رنگ)

۹

ڈھب دیکھے تو ہم نے جانا دل میں دھن بھی سمائی ہے
میراجی دانا تو نہیں ہے عاشق ہے سودائی ہے

صبح سویرے کون سی صورت پھلواری میں آئی ہے
ڈالی ڈالی جھوم اُٹھی ہے کلی کلی لہرائی ہے

جانی پہچانی صورت کو اب تو آنکھیں ترسیں گی
نئے شہر میں جیون دیوی نیا روپ بھر لائی ہے

ایک کھلونا ٹوٹ گیا تو اور کئی مل جائیں گے
بالک! یہ انہونی تجھ کو کس بیری نے سجھائی ہے

. دھیان کی دُھن ہے امر گیت پہچان لیا تو بولے گا
جس نے راہ سے بھٹکایا تھا وہی راہ پر لائی ہے

بیٹھے ہیں پھلواری میں دیکھیں کب کلیاں کھلتی ہیں
بھنور بھاؤ تو نہیں ہے کس نے اتنی راہ دکھائی ہے؟

جب دل گھبرا جاتا ہے تو آپ ہی آپ بہلتا ہے
پریم کی ریت اسے جانو پر ہونی کی چترائی ہے

امیدیں، ارمان سبھی جُل دے جائیں گے جانتے تھے
جان جان کے دھوکے کھائے جان کے بات بڑھائی ہے

اپنا رنگ بھلا لگتا ہے — کلیاں چٹکیں، پھول بنیں
پھول پھول یہ جھوم کے بولا: کلیو! تم کو بدھائی ہے

آبشار کے رنگ تو دیکھے لگن منڈل کیوں یاد نہیں
کس کا بیاہ رچا ہے؟ دیکھو! ڈھولک ہے شہنائی ہے

ایسے ڈولے من کا بجرا جیسے نین بیچ ہو کجرا
دل کے اندر دھوم مچی ہے جگ میں اُداسی چھائی ہے

لہروں سے لہریں ملتی ہیں ساگر اُمڈا آتا ہے
منجدھار میں بسنے والے نے ساحل پر جوت جگائی ہے

آخری بات سنائے کوئی، آخری بات سنیں کیوں ہم نے
اس دنیا میں سب سے پہلے آخری بات سنائی ہے

(تین رنگ)

۱۰

دل محوِ جمال ہو گیا ہے
یا صرفِ خیال ہو گیا ہے

اب اپنا یہ حال ہو گیا ہے
جینا بھی محال ہو گیا ہے

ہر لمحہ ہے آہ آہ لب پر
ہر سانس وبال ہو گیا ہے

وہ درد جو لمحہ بھر رُکا تھا!
مُژدہ کہ بحال ہو گیا ہے

چاہت میں ہمارا جینا مرنا
آپ اپنی مثال ہو گیا ہے

پہلے بھی مصیبتیں کچھ آئیں
پر اب کے کمال ہو گیا ہے

(نیا دور کراچی)

۱۱

زندگی کش مکش، حاصل و ناحاصل ہے
ماسوا اس کے ہر اک نقشِ جہاں باطل ہے
دُور ماضی کا اُفق، سامنے سیلِ امروز
وقت کا کٹتا کنارا تو یہ مستقبل ہے
دلِ محروم ہے عشاقِ تن آساں کا امیر
گرچہ ہر نورِ گریزاں کلہ ہی سائل ہے
مجھ سے تو بہجتِ آسودہ کا حاصل مت پوچھ
فکر، ہر رنگ میں لذت کے لیے قاتل ہے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے عمر گذاری جس نے
گشتنی سوختنی جو بھی کہو یہ دل ہے
لبِ میگوں سے جو محرومی ہے تسلیم ہمیں
لذتِ تشنہ لبی اس میں مگر شامل ہے
تیرگی، موجۂ خونخوار، شکستہ کشتی،
اور ذرا آنکھ اٹھاؤ تو وہیں ساحل ہے
یہ تماشائے چمن نقشِ خط و رنگ نہیں
بہ تقاضائے حیا کاہشِ آب و گل ہے

(نیا دور کراچی)

۱۲

لذتِ شام، شبِ ہجر خداداد نہیں
اس سے بڑھ کر ہمیں رازِ غمِ دل یاد نہیں

کیفیتِ خانہ بدوشانِ چمن کی مت پوچھ
یہ وہ گلہائے شگفتہ ہیں جو برباد نہیں

یک ہمہ حسنِ طلب، یک ہمہ جانِ نغمہ
تم جو بیداد نہیں ہم بھی تو فریاد نہیں

زندگی سیلِ تنِ آساں کی فراوانی ہے
زندگی نقش گرِ خاطرِ ناشاد نہیں!

ان کی ہر اک نگہ آموختۂ عکسِ نشاط
ہر قدم گرچہ مجھے سیلیِٔ استاد نہیں

دیکھتے دیکھتے ہر چیز مٹی جاتی ہے
جنتِ حسنِ نفَس و جنتِ شدّاد نہیں

ہر جگہ حسنِ فزوں اپنی جھلک دیتا ہے
باعثِ زینتِ گُل تو قدِ شمشاد نہیں

خانہ سازانِ عناصر سے یہ کوئی کہہ دے
پُرسکوں آبِ رواں، نوحہ کناں باد نہیں

(نیا دور، کراچی)

۱۳

مَن مُورکھ مٹی کا مادھو ہر سانچے میں ڈھل جاتا ہے
اِس کو تم کیا دھوکا دو گے بات کی بات بہل جاتا ہے

جی کی جی میں رہ جاتی ہے آیا وقت ہی ٹل جاتا ہے
یہ تو بتاؤ کس نے کہا تھا کانٹا دل سے نکل جاتا ہے

کیوں کرتی ہے اندھی قسمت اپنے بھاویں آنا کانی
جگ کے مُنہ پر ہنسی کہانی دیکھ کے جی ہی جل جاتا ہے

جھونٹ موٹ بھی ہونٹ کھُلے تو دِل نے جانا اُمرت پایا
ایک اک میٹھے بول پہ مُورکھ دو دو ہاتھ اُچھل جاتا ہے

جیسے بالک پا کے کھلونا توڑ دے اس کو اور پھر روئے
ویسے آشا کے مٹنے پر میرا دِل بھی مچل جاتا ہے

سُدھ بسرے پر ہنسنے والو چاہ کی راہ چلو تو جانو
اوچھا پڑتا ہے ہر داؤں جب یہ جادو چل جاتا ہے

اب تو سانس یونہی آتے ہیں کانپتے کانپتے، کچھ ٹھہراؤ
جیسا رستہ چلتے شرابی گرتے گرتے سنبھل جاتا ہے
جیون ریت کی چھان پھٹک میں سوچ سوچ دن رین گنوائے
بیرن وقت کی ہیرا پھیری پل آتا ہے پل جاتا ہے
میرا جی درشن کا لوبھی، بن بستی جوگی کا پھیرا
دیکھ کے ہر انجانی صورت پہلا رنگ بدل جاتا ہے

(نیا دور کراچی)

۱۴

ہنسو تو ساتھ ہنسے گی دُنیا بیٹھ اکیلے رونا ہوگا
چپکے چپکے بہا کر آنسو دِل کے دُکھ کو دھونا ہوگا

بیرن ریت بڑی دنیا کی آنکھ سے جو بھی ٹپکا موتی
پلکوں ہی سے اٹھانا ہوگا پلکوں ہی سے پرونا ہوگا

کھونے اور پانے کا جیون نام رکھا ہے ہر کوئی جانے
اس کا بھید کوئی نہ دیکھا کیا پانا کیا کھونا ہوگا

بن چاہے بن بولے پل میں ٹوٹ پھوٹ کر پھر بن جائے
بالک سوچ رہا ہے اب بھی ایسا کوئی کھلونا ہوگا

پیاروں سے مل جائیں پیارے انہونی کب ہونی ہوگی
کانٹے پھول بنیں گے کیسے کب سُکھ سیج بچھونا ہوگا

بہتے بہتے کام نہ آئے لاکھ بھنور، طوفانی ساگر
اب منجدھار میں اپنے ہاتھوں جیون ناؤ ڈبونا ہوگا

جو بھی دل نے بھول میں چاہا بھول میں جا نہ کے رہیگا
سوچ سوچ کر ہوا نہ کچھ بھی آؤ اب تو کھونا ہوگا

کیوں جیتے جی ہمت ہاریں کیوں فریادیں کیوں یہ پکاریں
ہوتے ہوتے ہو جائے گا آخر جو بھی ہونا ہوگا

میراؔجی، کیوں سوچ ستائے پلک پلک ڈوری لہرائے
قسمت جو بھی رنگ دکھائے اپنے دل میں سمونا ہوگا

(نیا دور کراچی)

۱۵

خاکِ جامِ مئے ہے گردِ کارواں

اب نہیں اندیشۂ سود و زیاں

اب نفس کا زیر و بم کیا ہے؟ نقطۂ

حاصلِ اُمید مرگِ ناگہاں

عشرتِ حُسنِ نظر ہے بازگشت

اور تفکر اِک فریبِ رائیگاں

اب نجاتِ دائمی ہے ایک لفظ

اور وہ اِک لفظ بھی رازِ عیاں

ایک پردہ روز و شب شام و سحر

رازجُو اور جستجو کے درمیاں

اِک تخیل کے سوا کچھ بھی نہیں

رشتۂ دورِ زماں دورِ مکاں

باعثِ غیض و غضب، روحِ لطیف

وجہِ بہجت، صرف جسمِ ناتواں

حاصلِ عمرِ دو روزہ ہے بہت

گر کبھی منزل کرے عمرِ رواں

کیوں نہ یہ تارِ رگِ جاں توڑ دے

دیکھئے پھر کیوں نہ عیشِ جاوداں

سوچتے ہی سوچتے آیا خیال

کچھ نہیں ہستی سوائے جسم و جاں

وقت کی پرواز کے ہمدوش ہی

بہتا جائے گا یہ دریائے رواں

تم بھی یہ کہتے ہوئے بڑھتے چلو

الاماں! منزل کہاں، منزل کہاں؟

(سیپ کراچی)

۱۶

غم کے بھروسے کیا کچھ چھوڑا کیا اب تم سے بیان کریں
غم بھی راس نہ آیا دل کو، اور ہی کچھ سامان کریں

کرنے اور کہنے کی باتیں کس نے کہیں اور کس نے کیں
کرتے کہتے دیکھیں کسی کو ہم بھی کوئی پیمان کریں

بھلی بُری جیسی بھی گزری اُن کے سہارے گزری ہے
حضرتِ دل جب ہاتھ بڑھائیں ہر مشکل آسان کریں

ایک ٹھکانا آگے آگے پیچھے پیچھے مسافر ہے
چلتے چلتے سانس جو ٹوٹے منزل کا اعلان کریں

میر ملے تھے میراؔجی سے باتوں سے ہم جان گئے
فیض کا چشمہ جاری ہے، حفظ اُن کا بھی دیوان کریں

(خیال بمبئی)

١٧

جیسے ہوتی آئی ہے ویسے بسر ہو جائے گی
زندگی اب مختصر سے مختصر ہو جائے گی

گیسوئے عکسِ شبِ فرقت پریشاں اب بھی ہے
ہم بھی تو دیکھیں کہ یوں کیوں کر سحر ہو جائے گی

انتظارِ منزلِ موہوم کا حاصل یہ ہے
ایک دن ہم پر عنایت کی نظر ہو جائے گی

سوچتا رہتا ہے دل یہ ساحلِ اُمید پر
جستجو آئینۂ مد و جزر ہو جائے گی

درد کے مشتاق گستاخی تو ہے لیکن معاف
اب دعا اندیشہ یہ ہے کارگر ہو جائے گی

سانس کے آغوش میں ہر سانس کا نغمہ یہ ہے
ایک دن اُمید ہے ان کو خبر ہو جائے گی

(شعر و حکمت)

۱۸

اشعار

سحر تک اپنے گھر میں تو یہی آثار رہتے ہیں
جگاتے ہیں مجھے بھی آپ بھی بیدار رہتے ہیں
جو دل کو مار رکھتے ہیں پہنچتے ہیں وہ منزل تک
وہ منزل تک پہنچتے ہیں جو دل کو مار رہتے ہیں
ملائیں چار میں گر دو تو بن جائیں گے چھ پل میں
نکل جائیں جو چھ سے دو تو باقی چار رہتے ہیں

حقیقت میرے دل کی آپ پر عریاں نہ ہو جائے
جو اب تک راز تھا وہ آج پر افشاں نہ ہو جائے
یہ ممکن ہے کہ یوں میں اپنی منزل تک پہنچ جاؤں
مگر یوں راہ جو دشوار تھی آساں نہ ہو جائے
نہ مانا قرب دوری سے زیادہ زیست پرور ہے
دلِ حیراں کہیں کچھ اور بھی حیراں نہ ہو جائے

اس پردے کے [illegible] ہے کیا، کیا کچھ بھی نہیں، کیوں کچھ بھی نہیں
کیا دوری میں پوشیدہ ہے یک جذب حسیں یوں کچھ بھی نہیں؟

جو کچھ ہے غنیمت جانو اسے اور دل کی راحت سمجھو اسے
جو کچھ ہے وہ ہے اس وقت یہیں یوں کچھ بھی نہیں یوں کچھ بھی نہیں
ہر شخص یہاں ہے صید زبوں ہے اک کی تمنا سب کا خوں
ہر اک کی تمنا پل کی مکیں یوں کچھ بھی نہیں یوں کچھ بھی نہیں

کیا پوچھتے ہو ہم سے یہ ہے حالتِ جگر
پی اس قدر کہ کٹ ہی گیا آلتِ جگر
چہرے کا رنگ زرد مئے ناب کا بھی زرد
یہ رنگ ہیں کہ رنگ ہے پیشاب کا بھی زرد
دن میں وظیفہ اس کا کئی بار کیجیے
اپنے جگر کے فعل کو بیدار کیجیے

(شعر و حکمت)

ترجمے

رباعیات

عمر خیام

۱۰۴۸ء ——— ۱۱۳۱ء

پہلی بات

ان ترجموں میں عمر خیام کی رباعیاں کچھ اس ترتیب سے پیش کی گئی ہیں کہ ایک کہانی کا سا واقعاتی تسلسل پیدا ہو گیا ہے جو اس قدر واضح ہے کہ ساتھ ساتھ نثری وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (میراجی)

۱

آؤ آؤ بھر لو پیالا، دیکھو بسنت کی آگ جلے
چلو اُتار دو اس میں پھینکو سیت کال کے پہرادے
دیکھو سوچ سمے کا پنچھی سامنے ہی پَر تول رہا
ابھی اُڑا کہ ابھی اُڑا لو! کہاں گیا؟ کوئی کیا جانے

۲

کوئی کہے اس جگ کی آن بان میں، نو لکھی بہار
کوئی ٹھنڈی سانس بھرے: ہم کو تو سورگ سے پیار
کوئی کہے یہ جیون اچھا کوئی کہے اُس پار
دور کے ڈھول سہانے ہیں تو نقد نہ تیرہ اُدھار

۳

آؤ چتیم بھر دو ان کو چھلکے امرت پیالوں سے
چھوٹیں بیتے پچھتاووں سے اگلے دن کے خیالوں سے
کل کی بات بھلا کیوں سوچیں، کل کا بھروسا کون کرے
کل شاید میں بھی مل جاؤں پہلے بیتے سالوں سے

۴

ایک دوار تھا ایسا جس کی کوئی کنجی مل نہ سکی
ایک تھا پردہ ایسا جس کے پار نہ آنکھوں نے دیکھا
ایک ہی پل کی بات وہاں تھی، بات چلی تیری میری
پل جب بیت گیا تو دیکھا تو بھی نہ تھی اور میں بھی نہ تھا

۵

اندر باہر، اوپر نیچے، آس پاس، ہر سمت یہاں
کوئی چیز نہیں، بستا ہے جادو کے سایوں کا جہاں
سورج کی جیوتی جلتی ہے، ہم تم اس کے چاروں اور
دھندلی دھندلی صورتوں جیسے آج یہاں ہیں کل ہیں وہاں

۶

نرک کا ڈر اور سورگ کی آشا یہ دونوں ان جانے ہیں
ایک ہی بات ہے سچی آخر جیون کو مٹ جانا ہے
ایک ہی بات ہے سچی جگ میں باقی سب افسانے ہیں
آج کھلا جو ڈال پہ پھول اُسے کل ہی مرجھانا ہے

۷

جاگو! سورج نے تاروں کے جھرمٹ کو دور بھگایا ہے
اور رات کے کھیت نے رجنی کا آکاش سے نام مٹایا ہے
جاگو اب جاگی دھرتی پر اس آن سے سورج آیا ہے
راجا کے محل کے کنگورے پر ارجن تیر چلایا ہے

۸

اس بستی میں یا اُس بستی ہر بستی کی ریت یہی
باری باری گرتے پتّے اور ڈالی مرجھاتی ہے،
پیالے میں میٹھی کڑوی مہنگی سستی کی ریت یہی
بوند بوند میں جیون مدیرا پل پل رستی جاتی ہے

۹

آئی ندا یہ صبح سویرے کانوں میں مے خانے سے
کوئی کہہ دے جاکے ذرا یہ بات مرے دیوانے سے
اُٹھ جاگ اب آنکھیں کھول، چل آجا بھر لیں ہم پیمانے کو
کوئی دم میں چھلک اُٹھے گی جیون کے پیمانے سے

۱۰

بھور کا بھوت جو بھاگا میرے کان بجے یوں بھور بھئے
میں تو جانوں مے خانے میں کوئی پکارا، رام ہرے!
جگمگ جگمگ مندر اپنے من کے اندر ہے تیار
"باہر بیٹھا جھومے پجاری، اُس مورکھ سے کون کہے!"

۱۱

ٹوٹی پھوٹی سرائے دنیا ہم سارے بنجارے ہیں
دونوں جانب دیواروں میں رات اور دن کے دوارے ہیں
راجا کے پیچھے راجا، مہراجا کے پیچھے مہراجا
پل کے پل کا تھا وہ تماشا آخر یاں سے سدھارے ہیں

۱۲

ہم نے مانا بھور کی جھولی پھول بھری من بھاتی ہے
لیکن کل جو پھول کھلے تھے اُن کی بھی کوئی بات کہو،
کل کے ساتھی کہاں گئے، اُن کی آواز بھی آتی ہے؟
ایسی رُت کو آگ لگا نہیں؟ کوئی تو ہو اور کوئی نہ ہو!

۱۳

صبح سویرے مے خانہ تھا جن کا ٹھکانا مل کر آئے
اور پکارے کھول کواڑا! بھور بھئی، کیوں دیر لگائے؟
رین بسیرا ریت جگت کی اس سے چھپی یا اُس سے چھپی
ایک بار جب لاد چلے تو لوٹ کے آنا کون بتائے!

۱۴

کیسی انوکھی بات ہے جگ میں ہم جیسے ہی لاکھ ہزار
ہم سے پہلے گیا جنہوں نے اندھیارے کے دوار کو پار
کب لوٹے کب آ کے بتایا کیسا رستا کیسا بیوہار
جا کر آپ ہی جانیں اس کو ہم پر بھی ہے سفر سوار

۱۵

جیون کا یہ ناچ انوکھا ہاں بھی ہے انکار بھی ہے
جیسا جیسا پائے اشارا ناچنے والا پاؤں بڑھائے
جس نے اس آنگن میں پھینکا (اُس کا نہیں اقرار بھی ہے)
ناچ کے بھید بھاؤ کو جانے وہی تو جانے، وہی سمجھائے

۱۶

بے بس بے چارے مہروں کا کھیل سے اتنا میل رہا
رات اور دن کی بچھی ہے چوسر کھیلنے والا کھیل رہا
اسے کٹایا اسے پٹایا جوڑ توڑ یوں جاری ہے
وہ مارا، یہ آگے بڑھایا، پھر تھیلی میں دھکیل رہا

۱۷

سورگ دھیان کا رنگ لہرایا کامنا کے سانچے میں ڈھلے
نرک آتما کی وہ چھایا جس میں دھک دھک آگ جلے
ابھی سن لو جس اندھیارے سے یہ دونوں روپ بنے
ابھی اسی سے باہر آئے، ابھی اسی میں پھر سے چلے

۱۸

میں نے آتما سے یہ کہا "جا چھپے جگت کی تھاہ تولا
آنے والے جیون میں ہے چھاؤں کہاں پر، کہاں پر دھوپ"
دھیرے دھیرے آتما لوٹی اور یہ مجھ سے آ کے کہا
نرک اور سورگ ہیں دونوں مایا بس دونوں ہیں میرے روپ

۱۹

داتا کے ہرکارے تھے وہ جگ میں جن کو لوگ جلائیں
سادھو اور گیانی سوچ سوچ کر جو بھی ہم کو بات بتائیں
نیند سے اٹھ کر کہی کہانی، ساتھی ان کے سنیں سنائیں
کہہ کر اپنی اپنی بانی سب کے سب پھر سے سو جائیں

۲۰

اور یہ اُلٹا پیالہ جس کو جگ والے آکاش کہیں
جس کے نیچے رینگ رینگ کر تم بھی رہو اور ہم بھی رہیں
اس کی جانب ہاتھ اُٹھا کر کس کی دہائی دیتے ہو؟
یہ بھی گھوم رہا ہے جیسے لہروں پر ہم آپ بہیں

۲۱

کل سے ہی یہ آج کے پاگل پن کی سب تیاری ہے
جیت ہار کی آنے والے کل میں مارا ماری ہے
پیو پلاؤ، کون بتائے کہاں سے آئے کیوں آئے
پیو! نہ جانے کس کارن اب کس منزل کی سواری ہے

۲۲

چلتا ہاتھ یہ من مانی لکھ لکھ آگے بڑھتا جائے۔
جو لکھ دے وہ ان مٹ بانی کس میں بل ہے اسے مٹائے
چاہیں جو کوئی لیکھ مٹائیں گیان اور گن کچھ کام نہ آئیں
آنکھ سے چاہے بہاؤ گنگا ایک بھی شبد نہ مٹنے پائے

۲۳

سنو، بنا تھا آخری انساں جگ میں پہلی ماٹی سے
اور جبھی وہ بیج بھی بویا جس سے فصل پروان چڑھے
اور سنو! جو لکھا تھا رچنا کے پہلے سویرے نے
اُس کو اب تم مانو نہ مانو انت کال کی بھور پڑھے

۲۴

آؤ پیاری دونوں مل کر قسمت سے کوئی چال چلیں
سدا اجیرن جیون ریت میں جو بھی بل ہو نکال چلیں
اس دنیا کے تانے بانے کو یوں توڑیں پھوڑیں ہم۔
من کی کامنا کے سانچے میں نئے روپ سے ڈھالیں

۲۵

ہر مورت نے جس کو میں نے اپنے من میں سمویا ہے
میری تن بان کو اک اُتھلے پیالے میں ڈبویا ہے
اس جگ کے بیوہاریں کوئی سوچے اب کیا ساکھ رہی
ایک رسیلے گیت کے نام پہ نام ہی اپنا کھویا ہے

۲۶

بیتے سماں تو ہم تم دونوں پردے کے پیچھے چھپ جائیں
جگ جگ پھر بھی دنیا والے اپنی چال کو روک نہ پائیں
تیرا میرا ٹھور نہیں کچھ، سن رے گیانی بھید بتائیں
ساگر کو کب اس کی پرواکون سے سیپ کنارے آئیں

۲۷

پھیلے ویرانے میں سوتا پل کا جیون پل کا ڈیرا۔
ایک یہ پل ایسا ہے جس میں ایک ہی سانجھ ہو ایک سویرا
دیکھ سنبھل اب چلا قافلہ ہونی سے انہونی آئی
دیر کا کب یاں ٹھور ٹھکانا دیر کرے تو دوش ہے تیرا۔

۲۸

سچ اور جھوٹ میں مان لے منوا بال برابر ہیرا پھیری
ایک بول میں چھپا خزانا جان سکی کب بدھیا تیری!
تو اپنی سی جو کھوں کر لے پہنچ پائے تو اسی کھوج میں
اسی بول سے ہو جائیں تجے ناتھ کے درشن سانجھ سویری

۲۹

سن لو بھائی کیسی آن سے میں نے اپنا آپ چھکایا
آنکھ چھپکتے اپنے گھر میں لیسے دوسرا بیاہ رچایا
سوجھ بوجھ بڑھی باندی تھی سیج سے ہاتھ پکڑ کے ہٹایا
سندر پیاری انگوری کو اپنے من کی دلہن بنایا

۳۰

لوگ کہیں یوں جوڑ توڑ سے سال مہینے کیوں گن ڈالے
سال گھٹا کر بنے مہینے اُن کے ٹکڑے دن میں ڈھالے
سنو سنو بھائی میں نے تو اس گنتی سے حرف نکالے
کچھ مردہ دن جانے والے کچھ بے جنمے آنے والے

۳۱

ہونٹ سے ہوں لگے ہونٹ نہ ملتے ہاتھ میں جام جم نہیں ہوگا
پھر کیا؟ سب کا انت یہی ہے اس کا کوئی غم نہیں ہوگا
سوچ سمجھ لے من میں پیارے آج وہی ہے جو تو کل تھا
آنے والا کل بھی آئے، کل بھی اس سے کم نہیں ہوگا

۳۲

اس کا کھٹکا کیوں ہے جی میں جیون تیرا میرا کھاتا
بند کرے تو پھر اس جگ میں کوئی نہ آتا اور نہ جاتا
جانے کب سے بیٹھا ساقی بھرتا جائے خالی پیالہ
ہم سے لاکھ ہزار بلبلے پل میں مٹاتا پل میں بناتا

امارو

(۴۸۳ ق م اور ۳۸۰ء کا درمیانی زمانہ؟)

سنسکرت کا ایک قدیم شاعر

پریم کتھا

منثور ترجمہ

اس نظم کے پانچ حصے ہیں :-

۱۔ مرد ۲۔ عورت ۳۔ مرد عورت ۴۔ عورت سے عورت اور

۵۔ مشاہدات ۔

۱۔ مرد

اگر مجھے والیکی کی قابلیت حاصل ہو جاتی تو میں اپنی پیتم کے متعلق ایک نظم لکھتا

پہلے دس شعر اُس کے ہاتھوں کی دس انگلیوں کے بارے میں ہوتے ۔

کیونکہ انہی انگلیوں نے ایک ایسا نقاب گوندھا جس میں میں نے اپنے پہلے

تمام افسانۂ محبت لپیٹ دیئے ہیں۔

اور دوسرے دس شعر اُن بس راتوں سے منسوب کرتا جو ہم نے مانجھ تاٹ
میں گزاریں !

۲

اے دریا میں نے تجھے منبع پر بھی دیکھا ہے۔
ایک بچہ بھی تجھے پھلانگ سکتا ہے،
پھولوں کی ٹہنی سے بھی تیرا راستہ بدلا جا سکتا ہے !
لیکن اب تو ایک پھیلا ہوا طوفان ہے،
اور ابھی سے اپنی کشتی کو بھنور میں گھیر سکتا ہے !
افسوس ! دریا مِتی ! دیا مِتی کی محبت[1] !!!

۳

وہ مجھے پوری طرح پرنام کرتی ہے۔
اور پھر جھالر کے نیچے اپنے پاؤں کھینچ لیتی ہے،
وہ اپنی پنکھیا پر بنے ہوئے پھولوں کو غور سے دیکھتی ہے،
اگر میں اُس کی ہرنی کو پچکاروں تو وہ اپنی مینا کے پروں کو سہلانے لگتی ہے،
اگر میں اُس سے کچھ کہوں تو وہ اپنی سکھیوں سے بات کرنے لگتی ہے۔
اُس کی ان شرمیلی اداؤں میں مجھے بے شمار مسرتیں حاصل ہوتی ہیں !

۴

اگر میں ندی سے اپنا دکھ کہوں تو ندی میرے لئے ٹھہر جائے،

---

[1] کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔ (حافظ)

ہوتے ہوتے جان دوبھر ہوگئی ؛ بڑھتے بڑھتے بڑھ گئیں بیماریاں (حفیظ جالندھری)

اگر میں کھجور سے کچھ کہوں تو کھجور کا پیڑ میرے لئے جھک جائے۔
لیکن تم گاتی ہوئی چلی جاتی ہو،
اور میری طرف دیکھتی بھی نہیں،
اگر ندی میرے لئے نہ رکی تو کم سے کم میں اُس میں اپنی آنکھیں ہی دھو کر
ٹھنڈی کروں گا۔

میں اپنا دُکھ کھجور کے پیڑ سے کہوں گا،
اگر وہ میرے لئے نہ جھکا تو کم سے کم اُس کا سایہ ہی مجھ پر رہے گا۔
آج پھر میں نے شرم اور جھجک کو بُھلا کر تم سے اپنا حال کہا،
لیکن تم اپنے ہونٹوں کا امرت، اپنے سائے کی چھاؤں مجھے نہیں دیتیں!

۵

تمہارے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے ہیں،
اور ریشم آدیت کا جنگل، مصر کیشی کے رنگین مندر کو اپنی گود کے
گھیرے میں لئے ہوئے ہے!

۶

جب سے تم چلی گئی ہو کسی نے مجھ سے تمہاری بات نہیں کی،
لیکن ہوا جب گزر رہی تھی تو میں نے تمہارا نام کہا،
اور ایک شخص مر رہا تھا تو اُس کے سامنے بھی میں نے تمہارا نام کہا،
میری پیاری! اگر تم زندہ ہو تو کسی دن ہوا کا گزر تمہارے پاس سے ہوگا،
اور اگر تم مر چکی ہو تو اُس شخص کی روح تمہیں بتا دے گی کہ مجھے تم اب بھی
یاد ہو!

۷

گیارہ! تیری محبت تو بجروں والی جھیل میں کسی شاخ کی پرچھائیں سے بھی زیادہ ناپائدار ہے!

جب بجرے جا چکیں تو جھیل آئینے کی طرح ہموار ہو جاتی ہے،

لیکن تیرے دل میں مجھے معاف کر دینے پر بھی میرے متعلق بدگمانیاں ہیں!

۸

میرے باغ کے پیڑوں پر بیٹھے ہوئے پرندو!

کیا تم اپنے موسیقانہ جال میں میری آرزوؤں کو گرفتار کر سکتے ہو؟

میری آرزوئیں میری پتیم کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہیں،

جسے میں نے تیس دن سے نہیں دیکھا ہے!

میری آرزوئیں جلدی میں ہیں کہ اُس کے معطر سینے کو جا چھوئیں اور اُس کی بھینی آواز میں گھل مل جائیں!

اچھے پرندو! انھیں نہ روکو!!

۹

اُس نے پھولوں کو پنی ڈاب میں رکھ لیا اور اُن کی پتیاں سمٹ کر بند ہو گئیں،

وہ بولی: لو دیکھو، یہ کیا ہوا؟

اور میں نے جواب دیا:

تم نے اپنی کالی آنکھوں کی سیاہی سے انھیں دیکھا اور وہ سمجھے کہ رات ہو گئی![1]

---

[1] میرے خون دل کی سُرخی سے تیرے پاؤں لال ہیں۔ ٹیگور۔

۱۰

تمھیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا؟
دیکھو ستارے سمندر سے نفرت نہیں کرتے،
وہ اُن میں اپنے عکس کو سراہتے ہیں،

۱۱

سامنے وہ سفری بادل چاند کے قدموں میں آکر ٹھہر گیا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا،
اے تو! کہ جو کسی دن اِن شعروں کو پڑھے، ذرا سوچنا تو سہی کہ انھیں لکھتے ہوئے میں نے آہ کیوں بھری؟

۱۲

اگر گوندہ بَن کے پیڑوں پر بہت سے پنچھی چہچہاتے ہیں۔
اور اگر گوندہ بَن کے پھول کبھی نہیں مُرجھاتے،
ور اگر گوندہ بَن کے آکاس پر کبھی گھٹائیں نہیں چھاتیں،
تو پیاری!
یقیناً کبھی نہ کبھی تمہارا وہاں سے گزر ہوا ہو گا![1]

۱۳

چُپ رہو!
تمہاری پیار کی باتیں میری خوشی کو نہیں بڑھاتیں!
بولنا بند کر دو!

---

[1] ع تمہارے دم سے ہے رونق بہارِ ہستی کی۔

سورج کی اس کرن کے اُجالے میں بیٹھی رہو!

۱۴

وہ مر چکی ہے، لیکن پھول اب بھی مرجھاتے ہیں،
اے موت!
اس لڑکی کو حاصل کرنے کے بعد تجھے مارنے کی فرصت کیسے ملتی ہے؟

۱۵

اے صبح! جنگل نے تجھے قیدی بنا رکھا تھا،
اور پیڑوں کے تنے تیرے بندی خانے کی سلاخیں تھیں،
ندی کا گیت تیرے لئے خوشیوں سے بھرپور تھا،
اور جنگل کی گھاس تیرے لئے نرم تھی،
لیکن تو نے روشنی سے اپنا پنجرہ توڑ ڈالا،
اور اے صبح! تو چلی گئی!
مجھے مادھوی کا دھیان آتا ہے جو مجھ سے ایک رات صبح تک پیار کرتی رہی۔

۱۶

طوفان کے باوجود وہ آہی گئی۔
کاش! تم نے پیڑوں کے پھولوں سے اُس کے بالوں پر پڑتی ہوئی پھوار دیکھی ہوتی!
کاش اس کی موتیوں کی مالا ٹوٹ کر اُس کی چھاتیوں پر چمکنے لگتی!

۱۷

"میں کوئی نادان نہیں،
میرے سامنے جھوٹ کہنا بیکار ہے،
مجھے تمہارے سینے پر بیرن کے بوسوں کے نشان دکھائی دے رہے ہیں"

لیکن میں بہت زور سے اُسے اپنے سینے سے بھینچتا ہوں۔
تاکہ وہ نااندیشانہ نشان مٹ جائیں!
اور وہ انھیں بھول جائے۔

۱۸

جب سے میں نے اس کے ہونٹوں کو پہلی بار چوما ہے، میری پیاس دُگنے زور سے بھڑک اٹھی ہے،

لیکن اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔
اُن بوسوں میں ایک سلونا پن تھا!

۱۹

اُس کا لباس بدن سے چمٹ گیا، اور لباس کے ریشوں سے آر پار دکھائی دینے لگا!

اے برکھا! تیرا شکریہ!
سنا بوری! تم تو یوں بھیں گویا عریاں ہو!
لیکن جب دھنک پھوٹی تو تمہاری ننھی، کانپتی ہوئی چھاتیاں کس نے گرم کیں؟

۲۰

محبت کی خوشبو! محبت کی مسکراہٹو!
اے سورج کے جلال! اور اے تاروں بھری رات کی شوکت!
موت کے مقابلے میں تم مجھے ہیچ نظر آتے ہو!
سنکا کی لڑکیو! سارتھ کے تاڑ کے درختو! تارکی ندیو! اکمل میں شاہدانے کے درختوں میں ہوک کے گیتو — میں تمہیں الوداع کہتا ہوں!

۲۔عورت

۱

میں اپنی بھنوؤں کے سنگار میں ہی بہت سا وقت صرف کر دیتی ہوں۔ میں
جانتی ہوں کہ چتون کو ترچھی چتون کیوں کر بنایا جاتا ہے۔ تبسم میں زیادہ
سے زیادہ دل کشی پیدا کرنی مجھے خوب آتی ہے۔ جب میری سکھیاں میری
ہنسی اڑاتی ہیں تو میں بالکل چُپ سادھ لیتی ہوں۔ اور جب کبھی مجھے
دل میں درد محسوس ہوتا ہے تو میں اپنے کمربند کو کس کے باندھ لیتی ہوں
لیکن ان ساری باتوں میں کامیابی حاصل ہونا تو ایشور کے ہاتھوں میں ہے!

۲

اس جنگل کے کنارے پر پھاندتے ہوئے اجنبی! تو کہاں دوڑا جا رہا ہے ؟
کیا محبت نے یہ قوتِ پرواز تجھے دے رکھی ہے ؟ ور تو اپنی محبوبہ کی رہنے
کی جگہ کی طرف روانہ ہے، جس طرح مضراب ساز کے تاروں پر نہیں ٹھہرتا،
تیرے قدم زمین پر نہیں ٹھہرتے۔ کیا تجھ پر روحانیت نے غلبہ پا لیا ہے ؟
اور تو پے کو اپنے جسم سے علیحدہ کر کے قابو میں کرنے کی کوشش میں ہے۔

۳

میں ضرور جاؤں گی!
میں شفق پھولنے تک باہر رہنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دوں گی،
میں چاہتی ہوں کہ خوشیوں کو اپنے میں جذب کروں، اس لئے میں دُور کے
رستے سے فوارے کے سامنے جا پہنچوں گی،
اور وہاں میں اپنی سکھیوں سے کہوں گی کہ

بس تو یہ دیکھنے آئی ہوں کہ طوفان سے میرے باپ کے کھیتوں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔

محبت ہر بات کو جیت لے گی!
میں ضرور جاؤں گی،
اے وحشی دل!

۴

میں اب اپنے جسم کو پانی کے بوسوں کے حوالے کرتی ہوں،
اور پھر لمحوں کے بوسوں کو سونپ دوں گی۔
اے لمحوں کے بوسو! کیا تم بھی شفاف پانی کی طرح میری روح پر ایک ——
خوشبو کا اثر چھوڑ جاؤ گے؟

۵

اے دن! تو کبھی تو کیسا پیارا ہو جاتا ہے، اے رات تو کیسی اداس ہو جاتی ہے!

اے رات! کبھی تو کیسی میٹھی بن جاتی ہے،
اے دن! تو کیسا دردوں سے بھر جاتا ہے،
مگر اسے کبھی آنا ہی نہیں، تو
تم دونوں معدوم ہی کیوں نہیں ہو جاتے؟

۶

"وہ تو سو گئے۔ اب تم بھی سو جاؤ"
یوں میری سکھیوں نے مجھ سے کہا اور مجھے چھوڑ کر چل دیں،
اور پھر محبت کا ایک مستانہ غلبہ مجھ پر آگیا،

۱۷۷

اور میں نے ہونٹوں سے اپنے جوان دولھا کے گالوں کو سہلایا
مجھے محسوس ہوا کہ وہ لرز اٹھا ہے،
میں جان گئی کہ سونے کا بہانہ ہی تھا۔ اُس وقت مجھے شرم آگئی،
لیکن جلد ہی میں نے مسرت کی آہیں[1] بھریں۔

۷

میرا باپ کسی کام کے لئے سفر پر ہے،
میری بہن بیمار ہے اور میری ماں صبح سے اُسے دیکھنے گئی ہے،
رات چھا رہی ہے اور میں بالی ہوں،
اور اکیلے ڈرتی ہوں،
اے پیارے اجنبی آؤ یہاں آجاؤ!

۸

جس طرح اُس پرندے کے بوجھ سے ٹہنی خم کھاتی ہے
اسی طرح میں تمہاری چاہت کے بوجھ سے لچکتی ہوں،
پرندہ اُڑ جائے تو ٹہنی پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے،
لیکن تمہارے چلے جانے پر میں پھر ویسی نہیں بن سکتی۔
لیکن پھر کیا!
پنچھی! — گاتا جا!
میں بھول گئی تھی کہ تو جلد ہی گانا چھوڑ دے گا!

---

[1] درد اور مسرت میں ایک گہرا نفسیاتی تعلق ہوتا ہے۔ موجودہ ماہرینِ نفسیات نے اس پر مفصل بحثیں کیں لیکن دیکھئے کہ مادر کو اس کا شعور اُس وقت بھی تھا جب موجودہ نفسیاتی رفعتوں کا کسی کو خیال بھی نہ آتا تھا۔ (۳)

میں بھول گئی تھی کہ ابھی تیرا گیت مجھے یاد نہیں ہوا ہے'

۹

اُس نے کئی بار سرگوشی میں کہا،
"آؤ میں تمہیں اپنی مینا دکھاؤں"
میں اُس کے پیچھے پیچھے گھر میں گئی،
لیکن گھر کی عورتیں ہمیں دیکھ رہی تھیں،
وہ بولی: "مینا باغ میں ہوگی"
مینا باغ میں بھی نہ تھی کیوں کہ وہاں چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو بہت ہی زیادہ تھی۔
ندی کے کنارے بھی مینا نہ تھی کیوں کہ وہاں ایک چھوٹا سا لڑکا لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔

سحر ہمیں ایک ویران گنبد میں ایک رنگین چبوترے پر مینا ملی!

۱۰

اے رات! تو کئی بار میرے پاس دبے پاؤں آئی ہے اور تو نے میرے روتے ہوئے چہرے کو چھپالیا ہے۔ آج کی شام میرے پیالے میں امرت دمک رہا ہے اور میرے پریتم میرے سینے پر سر رکھے سو رہے ہیں۔ اے رات! آج کی رات جب تک تیرا جی چاہے میرے ہی پاس رہ!

۱۱

اگر تمہیں میرے پیار یاد ہیں تو جب تم اپنی پیاری کو ذرے بھینچو تو ایک بار چپکے سے میرا نام بھی لے لینا۔

۱۲

ہم تین ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم چار ہیں کیونکہ محبت بھی تو ہمارے پاس

ہی رقص کناں موجود ہے۔ رات چھا چکی ہے لیکن ہمیں تو نارانی کی چھاتیوں
کا اُجالا حاصل ہے۔ پھولوں نے اپنی پتّیاں سمیٹ لی ہیں۔ لیکن
پریوا جب ہمارے قریب ہوتی ہے تو اُس کے سانس کی خوشبو
ہمیں تازہ دم بنا دیتی ہے۔ آرآہا! آؤ ہم اپنا پنہاں ترین رقص کریں۔
آؤ، کہ ہمارے پاؤں اس گھاس کو ایک شادمانی سے مَسل دیں۔ نارانی!
بالوں کی لٹ نے تیرے گلے کو چھپا رکھا ہے۔ اسے ہٹا دے۔ پریوا ذرا
اور پاس آجاؤ، اے محبّت! ہمارے جسموں کو دیکھتی جا! ہمیں دیکھتی جا،
ہمیں ـــــ نارانی کو، پریوا کو اور دوتیبی کو! ہم سب پیار کر رہے ہیں، اور
جنگل میں چھائی ہوئی رات کے بُلاوے بھی ہمیں جُدا نہیں کر سکتے ـــــ
رات چاہتی ہے کہ ہماری فریادوں کو اپنی بھاری گونج کی ہم آہنگ بنالے
لیکن آرآہا! ہم اُس وقت تک ناچتے ہی رہیں گے کہ سحر کے عنّابی آثار
نمایاں ہو جائیں۔ اس وقت تک ہم پریوا کو اپنے رہنے کی جگہ پر نہیں
لے جائیں گے، اور نہ اُس کے پسینے کی شراب نوش کریں گے۔ آرا ہا۔
آرا ہا! تمہارا پیٹ تو یوں ہے گویا کسی جھیل کی سطح پر طوفانی کوڑے
پڑ چکے ہوں۔ اے نارانی! تمہارا پیٹ تو یوں ہے۔ تم نے ابھی سے
آخری ناچ کیوں شروع کر دیا؟ اور تم پریوا ـــــ اے پریوا! اے رات
ہم آتے ہیں!

۱۴

یہ بُدھ کی بیوی کی پرارتھنا ہے:

؎ یہ ایک نعرۂ واہانہ ہے۔

اے مردوں میں سب سے سُندر، اے چندر مکھ! تیری آواز ایسی میٹھی ہے
جیسی گلونکا پنچھی کی آواز۔ وہی گلونکا پنچھی جس کی آواز نے ایشور کو بھی پاگل
بنا دیا تھا۔ اے میرے اُجیالے پتی! تو نے اُن باغوں کی جنت میں جنم لیا تھا
جو مدھ مکھیوں کی گنگناہٹ سے گونج رہے تھے۔ اے گیان کے اونچے
پیڑ! مکتی داتاؤں کی مٹھاس! اے میرے پتی! تیرے ہونٹ آو چوں کی
طرح گلابی ہیں، تیرے دانت برف کے گالوں کی طرح، تیری آنکھیں کنول
ہیں، تیری کھال گلاب کا ایک پھول ہے اے پھولوں میں سب سے روشن
اے میرے سُہانے موسم! اے عورتوں کے بھُوَن کی خوشبو! کہ جو جنبیلی سے
اچھی ہے.... اے گھوڑوں میں سب سے اچھے گھوڑے 'کنتھکا'، وہ تجھ
پر سوار ہو کر کدھر چلا گیا؟

۳۔ مرد اور عورت

۱

آج موسم کیسا ہے؟
ہم کیا جانیں!
کیا کہا؟ گاؤں سے نکل کر آئی ہو! اور تم کیا جانو!
دھرتی دھوپ سے اُجیالی ہے لیکن جب تک میں
یہ نہ جان لوں کہ تم شاداں ہو یا ملول، کیا پتہ کہ دن اچھا ہوگا یا بُرا؟

۲

میری پیاری، میری پیاری پریتی، اس کالی رات میں تم کہاں جا رہی ہو!
میں تو ڈر کر اُس جگہ پہنچنے کو ہوں جہاں وہ میری راہ دیکھ رہا ہے جو دن

سے کہیں سُندر ہے!

لیکن کیا تمہیں اکیلے جاتے ڈر نہیں لگتا۔ میری پیاری، میری پیاری پریتما!

مدن اپنے کاری تیر لئے میرے ساتھ ہے،

۳

شکھ کی انجیر!

کہاں؟

شکھ کی انجیر، تمہیں نہیں پتہ کہ کہاں ہے؟

تو پھر تم ہی بتا دو۔

دو شاخوں کے درمیان۔

ادھر؟

نہیں۔

اُدھر؟

نہیں۔

اُوپر، نیچے؟

نیچے۔ لیکن بلو نہیں۔

تو پھر تم ہی اسے توڑ لو!

میں اُوپر جا رہا ہوں

ہے بھگوان۔ متیا، اری متیا!

کیا ہوا ننھّی؟

کچھ نہیں۔ میں گرنے لگی تھی۔

سندری، یہ انجیر بھی کیسی گرم چیز ہے۔

۴

میں تو تمہیں دیکھ رہی تھی۔

میں تو کب سے یہیں ہوں۔

بچھیا نکل بھاگی تھی اس لئے مجھے دیر لگ گئی۔

جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں مداوری کے ساتھ دیکھا تھا۔

میں تو اُس سے پوچھ رہی تھی کہ اُس نے کہیں میری بچھیا کو تو نہیں دیکھا۔

اور پھر تم دونوں مل کر اُسے ڈھونڈھتے رہے۔

ہاں!

بڑی دیر تک!

ہاں کافی دیر تک!

اوہ اسی لئے چلنا دوبھر ہو رہا ہے۔

۵

مجھے کہیں گرمی نہ لگ جائے، اس کا ڈر ہے۔

میرا گھر دریا کے کنارے پر ہے اور وہاں تازگی چھائی رہتی ہے۔

گر میں تمہارے گھر تک گئی تو لوگ مجھے دیکھ لیں گے۔

میرا گھر تو جنگل میں ہے، صرف پھول ہی تمہیں آتے جاتے دیکھیں گے۔

پھول مدھ مکھی سے کہہ دیں گے، مدھ مکھی مینا سے کہہ دے گی۔

اور مینا تو سبھی سے کہہ دیا کرتی ہے۔

جب تم وہاں سے گزرو گی تو پھول تو بڑی دیر تک گدگدے ہنستے ہوئے ہو کر جھومتے رہیں گے۔

جب میں لوٹوں گی تو میری ماں میرے بکھرے بال دیکھ لے گی۔

میرے آئینے میں تم اپنے بال پھر سے سنوار لینا اور اس آئینے میں تمہاری مسکراہٹ کا عکس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہ جائے گا۔

مجھے تو تم سے پیار ہے، مجھے تو یہ بھول ہی چکا ہے کہ مسکرانا کسے کہتے ہیں!

۶

آج تو تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔ میرے پتی بہت دور گئے ہوئے ہیں۔

افسوس، افسوس! لیکن مجھے تو صرف اچھوتی چنبیلی ہی کی خوشبو بھاتی ہے۔

یہ محبت سے بھیگی ہوئی آنکھیں، جو کسی مست متوالی فاختہ کے بازوؤں کی طرح آدھی کھلتی اور پھر بند ہوئی جاتی ہیں۔ جو دل کی ہر بات کو پورے طور سے ظاہر کر رہی ہیں، وہ کون سا خوش قسمت ہے جس پر یہ آنکھیں مرکوز ہوں گی۔

یہ آنکھیں اسی پر مرکوز ہوں گی جو مجھ سے میری پریتم کی باتیں کرے گا!

۴۔ عورت اور عورت

۱

ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ مجھے سدا کے لئے چھوڑ گیا، لیکن میں ہمت سے کام لوں گی اور کوئی بھی میری ناامیدی کو دیکھ نہ پائے گا۔

میں مسکراتی ہوں، میں تو مسکرا رہی ہوں،

تمہاری مسکراہٹ میں ویسی ہی اداسی ہے جیسی اس صبح میں جو کسی آتش زدہ گاؤں پر نمودار ہوئی ہو۔

۲

یہ لڑکیاں کپڑے دھوتے ہوئے اپنی چنچل باتوں سے اتنا شور مچاتی ہیں کہ جو تم کہہ رہی تھیں وہ میں سن ہی نہ سکی۔

اُس نے میری گردن کو اپنے بازوؤں کی لپیٹ میں لے لیا، اپنی سانس میری سانس میں ملا دی، اور اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں سے۔

۳

اُس کے پچاس ریوڑ ہیں، اُس کا انگور کے ایسا بیضوی چہرہ ہے، اس کے بدن سے کوئی بدن رنگا نہیں کھا سکتا۔ جب وہ کالی جھیل میں سے نہا کر نکلتا ہے تو گویا چاند رات میں نمودار ہوتا ہے۔ تمہیں بات مچکانی ہی پڑے گی۔

تمہیں کچھ جلدی ہے کیا؟

بہت۔

تو پھر اُس سے کہہ دینا کہ وہ صرف میرے بالوں ہی سے کھیل سکے گا۔

پگلی ہوئی ہو کیا؟ میں اُس سے یہ کیوں کہتی پھروں؟

کیوں کہ آج ہی سویرے دچوتلا نے اتنی ہی رقم ایک ایسے دلال کے واسطے سے پیش کی ہے جو میرے دل بہلاوے کے لئے اچھا خاصا ہے

۴

کون ہے؟

میں ہوں میں، کتنی ہی دیر سے کواڑ بجا رہی ہوں۔

تمہارا نام کیا ہے؟

مہاتریو! مجھے پتہ ہے کہ تم میری آواز کو پہچان گئی تھیں!

پہچان تو میں گئی ہی تھی، کیونکہ تمہارے ہی سپنے دیکھ رہی تھی۔
تو لو، میں بھی آ ہی پہنچی۔
لیکن اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں، سپنے ہی میرے لئے کافی ہیں۔

۵

اری دیامتی! تُو تو سب کچھ جانتی ہے، یہ جوان مجھے کیوں تاکتے ہیں۔ میں ہوا کے مخالف ہو کر چلتی ہوں، یہاں تک کہ میرا لہنگا بدن سے چمٹ جاتا ہے۔ لیکن وہ راستہ کاٹتے ہوئے اپنی راہ چلے جاتے ہیں۔
میں کونسا جتن کروں کہ وہ یہ جان لیں کہ میں اب جوان ہوں؟
تمہیں انہیں یہ دھیان دینا چاہئے کہ تم پریم کی باتیں جانتی ہو۔
کیسے؟
اپنے دل کے جوش اور لگن سے۔
میرا یہ مطلب نہ تھا، میں تو کہتی تھی کہ میں انھیں اپنی جوانی کیونکر سمجھاؤں؟
ایک دن وہ دیکھیں گے کہ تم ہوا کے مخالف ہو کر نہیں چلتی ہو اور تم نے اپنے لہنگے میں بے شمار چھپانے والی تہیں بنالی ہیں۔

۶

قسم کھا کر کہتی ہوں، کہ اُس نے تمہیں دھوکا دیا۔ وہ تاریکی کے ساتھ کھتا کر اوپر سے میں جا پہنچا۔ اور کل اُس نے میرے سینے کو چھو لیا۔ اور آج صبح اُس نے مجھے زبردستی چوم لیا۔ اور میرے ہونٹوں کو گھائل کر دیا۔
تم جھوٹ کہتی ہو!
تو یہ زخم دیکھ لو۔
مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں، میں انہیں چوس کر دیکھوں گی چوس کر،

مجھے چوسنا ہی پڑے گا!

۷

سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیسے اس رسیا پریمی کو دروازے سے باہر رکھتی ہو اور وہ گیت گاتا رہتا ہے۔ اس سے تو وہ اپنے پیارے گیت بالو پر ہی لکھ آئے تو اچھا ہے، کیوں کہ تم تو اس کا مذاق اڑانے کے لئے اپنی مینا کو وہ گیت سکھا دیتی ہو۔ وہ نوجوان تو دھن دولت والا ہے اور نہیں روپے پیسے کی ضرورت ہے۔

۸

پھر اُس نے کیا کیا؟
اُس نے تازہ گھاس کا ایک تکیہ بنا کر میرے سر کے نیچے رکھ دیا اور آپ دودھ لینے چلا گیا۔
اور تم یونہی سوتی رہیں؟
تم بھی کیا نادان ہو۔ میں اُٹھی اور میں نے "دادلی" کی ایک ٹہنی توڑی اور اپنے ہونٹوں کو چھال سے سُرخ کیا اور جنگلی داکھ سے اپنے پپوٹوں کو نیلا بنایا، اور بڑے بڑے کنول کے پھولوں سے برادہ لے کر اپنی چھاتیوں پر چھڑک لیا۔

۵۔ مشاہدات

۱

وہ اُسے بتانے آیا کہ وہ اُسے چھوڑ دے گا، کیوں کہ اُسے کسی اور سے پریم ہے، وہ روئی۔ اس نے اپنے بالوں کو ایک نئے انداز میں بنا رکھا تھا

اور وہ اس نئے انداز کے خلق بغیر کچھ کہے چلا گیا۔

۲

اُس نے اُس کے چہرے کو، اُس کے سینے کو اور اُس کے بازوؤں کو
بوسوں سے ڈھانپ دیا اور پھر وہ چلا گیا۔ چونکہ اُس نے اس کے مُنہ
کو چومنے کی ہمت نہ کی اس لئے اب وہ اپنے کانپتے ہوئے بازوؤں پر
اپنے ہونٹ پھرا رہی ہے۔

۳

پوست کا وہ پھول جسے کِھلنے میں دیر لگتی ہے، ہوا کا ایک جھونکا اُس کی
پتّیوں کو کھول دیتا ہے! محبّت ایک لڑکی کی روح کو اچانک ایک پھول
کی طرح کھلا دیتی ہے۔

۴

دیکھنا! یہ بسنت کی ہوائیں جو صبح سویرے کنول کی خوشبو سے بوجھل
ہیں اُس لڑکی کے ماتھے سے چمکتے ہوئے پسینے کو کس طرح صاف کر دیتی ہیں
اور کسی پریمی کی طرح اُس کے گھونگھٹ کو چھیڑتی ہیں اور اس کی شکتی اُسے
واپس دے دیتی ہیں۔

۵

میں اس جوشیلی اور رس بھری آواز کو زیادہ اچھی طرح سننے کے لئے گھر
سے باہر نکل آیا ہوں، یہ آواز جو کھیتوں کو چوم رہی ہے یہ آواز تو گویا کسی
عورت کی آواز ہے۔ حرارت سے لبریز اور سنجیدہ، محبّت میں ڈوبی ہوئی،
لیکن یہ تو بند ہو گئی۔ بلبلیں آج رات چُپ ہی رہی ہیں۔

۶

... اور وہ عورتیں جنہوں نے اپنی بنسریاں توڑ دی ہیں پایاب پانی کے کنارے سپنے دیکھنے کو جاتی ہیں۔

۷

آرزو، احساس اور بے صبری سے لرزتے ہوئے وہ لمبے سفر کے بعد اپنی محبوبہ کے مکان میں داخل ہوا، اور اُس نے دیکھا کہ اُس کی سکھیاں اُسے گھیرے ہوئے ہیں۔ اُس کی سکھیوں کو اپنی ملاقات بڑھانے میں ایک تیکھا مزا آتا تھا لیکن اس کی محبوبہ اُس سے بھی زیادہ مشتاق تھی۔ اور یہ چلّاتے ہوئے "اومی! یہ کیا کاٹ گیا؟" اُس نے اپنا گھونگھٹ اٹھایا۔ اور اُس گھونگھٹ سے اُس اکیلے دیے کی لَو کو بجھا دیا جو وہاں جل رہا تھا اور اسی کی وجہ سے اُس کی سکھیاں رخصت ہو کر چل دیں۔

۸

مردوں کی باتیں:
تم تو بے وقوف ہو، اگر وہ نہ مانی تو یہ رونا دھونا کیسا؟ آنسو پونچھو اور چنبیلی کے پھولوں سے اپنے سر کو سجاؤ۔ اُس کی داسی کے دیس کا کوئی گیت گاؤ کیونکہ وہ داسی بھی تو سُندر ہے۔ اپنی مالکن سے زیادہ سُندر ہے وہ بہت جلد مان جائے گی، اور اپنی مالکن کی سختی کا کفارہ ادا کر دے گی۔
جاؤ جاؤ، مجھے چھوڑ دو۔ مجھے تو داؤدیہا سے ہی محبت ہے مجھے چھوڑ دو۔
وہ داسی بڑی سُندر ہے۔

سلہ مندراں دیچ ردن بکھیاں پچھی نٹ گئی جنہاں دی یاری۔ (۴)

صرف سُندرتا ہی کافی نہیں ہوتی۔

اُس کی چھاتیاں، اُس کی ٹانگیں۔

وہ کس دیس کی ہے؟

جہاپورہ کی۔

شاید وہ میرے بھائی کو جانتی ہو؟ میرا بھائی بھی تو وہیں کہیں پاس ہی رہتا ہے، چونکہ تم کہتے ہو اس لئے میں گیت گا کر اُسے گھر سے باہر بُلاؤں گا۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ تمہیں اپنے بھائی سے اتنا پریم ہے، اچھا، رام بھلا کرے!

۹

اُسے اس شام کا دُھندلکا یاد ہے، جب اُس نے پھولوں سے لدے ہوئے پودے کے سائے میں اُسی کے پریم کی قسم اٹھائی تھی۔ اُسے اُس کی بیوفائی بھی یاد ہے، اُس کا جھوٹ، اُس کا بے رخی سے چلے جانا، اور وہ خوش ہے کہ وہ ایسے آدمی کے پھندے سے بچ گئی لیکن چاندنی میں پیڑ پر کھلے ہوئے پھول اُسے ہمیشہ دُھندلے ہی نظر آتے ہیں۔

۱۰

بجلی کا رتھ بادلوں پر گڑگڑا رہا ہے، اب قریباً اندھیرا چھا چکا ہے۔ اور لو، برسات بھی آن پہنچی۔ آؤ سُندری! میرے اس پیڑ کے نیچے پناہ لے لو۔ میں تو تمہیں تمہارے اس نئے لہنگے کے خراب ہو جانے کے خیال سے یہاں پناہ لینے کو کہہ رہا ہوں اور میرے پیڑ کی ٹہنیوں میں جو پنچھی چھپا بیٹھا ہے اُس کے خیال سے کہہ رہا ہوں، کیونکہ اس پنچھی نے کبھی ایسا موقع نہیں دیکھا کہ ایسے طوفان سے کسی مرد اور عورت نے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔

افسوس! افسوس! مجھے تمہاری بات ماننا ہی پڑے گی۔ لیکن اس کے باوجود
پنچھی جلد ہی اڑ گیا!

۱۱

گہرے نیلے کنول کی بجائے اس کی ایک نظر، چنبیلی کے پھولوں کی بجائے اُس
کے مسکراتے ہوئے روشن مُنہ کے دانت، پیالے کی بجائے اس کی ایک ہلتی
ہوئی چھاتی ـــــ اور وہ یوں اس موقع پر کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے
لوٹ آنے کی دھوم دھام منا رہی ہے۔

۱۲

"تم گھونگھٹ کے بغیر زیادہ سُندر دکھائی دیتی ہو" اور اس کا بے صبر
ہاتھ کمر کی طرف سرکتا ہے۔ نوجوان لڑکی کی آنکھوں میں ایک چمک جاگ
اٹھتی ہے اور اُس کی سکھیاں اور داسیاں دانش مندی سے کام لیتے ہوئے
وہاں سے چل دیتی ہیں۔

۱۳

بھوانی، امبالکا اور رومنی نے اپنے مسکراتے ہوئے چہروں کا عکس پانی
میں دیکھا اور بھوانی یہ پکارتے ہوئے کہ مجھے تو پیاس لگی ہے اس سنہرے
دائرے پر جھکی جو رومنی کا چہرہ تھا۔ اور اُس نے اُسے چوم لیا۔ جب وہ دائرہ
لرزتا ہؤا سطح پر تیر رہا تھا اور امبالکا رونے لگی۔

۱۴

وہ پربت کے دھارے کو دیکھتی ہے جہاں اُس کا پریمی اپنے ریوڑ کو رکھتا
ہے اور کہتی ہے "اے دھارے! اے ندی! کیا تو نے اُسے دیکھا ہے"؟ اور
دھارا اپنے منہ سے جھاگ چھوڑتے ہوئے کہتا ہے "میں نے تو نیلے آسمان

اور سفید چٹانوں کو دیکھا ہے؟ کیا تو نے بنسری کی تان سُنی ہے؟" میں نے تو چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی ہوا کا شور سُنا ہے۔" "اے دھارے! اے ندی! کیا تو نے کسی منڈلاتے ہوئے عقاب کو دیکھا ہے؟" دھارا کہتا ہے "میں نے عقاب کو دیکھا ہے۔" اور وہ کہتی ہے میں خوش ہوں کہ تو نے اُس عقاب کو دیکھ لیا جس نے اُسے دیکھا ہے۔"

۱۵

اے اگنی کہ جس سے بڑھ کر شکتی والے صرف اندر مہاراج ہیں۔ اے قدرت کی حرارت! برفانی پہاڑوں سے چھلکتی ہوئی ستاروں کے چمکتے ہوئے گھیرے سے بہتی ہوئی اگنی، اگنی، اگنی! تجھ میں ہزاروں کنول تلملاتے ہیں، تو وہے کو سرکنڈوں کی طرح موڑ دیتی ہے۔ تُو ناچنے والوں کے دلوں میں جرأت جگائے ہوئے ہے۔ اُن غزالوں کے لہو میں بھڑک رہی ہے جو شکاریوں کے آگے آگے ہانپتے ہوئے قلانچیں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ تو چمٹے ہوئے پریمی اور پریتم کے بازوؤں میں ہے۔ اگنی، اگنی، اگنی!

۱۶

مندر کی گھنٹی نے اپنی آواز کے تیر کو رات پر ڈھیلا چھوڑ دیا ہے اور تیز تیز سائے گزر رہے ہیں۔ وہ جو چاندی کے پازیبوں کی جھنکار سنائی دے رہی ہے اور وہ پرتھا ہے اور وہ اُداس گیسوؤں والی ہتھ نینا ہے۔ وہ ادما ہے اور وہ گوتمی ہے۔ جلد ہی وہ لوٹ آئیں گی ۔ ور ہر یک کے پاس نیلوفر کے پتے میں سنکلپ کیا ہوا ایک ایک کونلہ ہوگا اور ہمیشہ کی طرح پرتھا کے کونلے میں گھاس پر کی اوس جذب ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ پیار دینے کے لئے کونلے کو زمین پر رکھ دیا کرتی ہے۔

۱۷

بھوانی اور پرتھا سرگوشی کر رہی ہیں۔ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ لو اب پرتھا دوڑ پڑی۔ وہ کہاں جا رہی ہے؟ اب اُس کے پازیبوں کے ننھّے ننھّے گھنگروں کی آواز نہیں آ رہی۔ بہت دُور، وہاں دیکھنا۔ دو لڑکیاں ایک دوسری کا مُنہ نوچ رہی ہیں اور ایک نوجوان مرد کھڑا ایک پھول کی پتیاں توڑ رہا ہے

۱۸

بنسریاں چپ ہوگئیں، "آٹھ" لڑکیاں دوڑ رہی ہیں، پھول مسلے گئے، طوفان آگیا۔

۱۹

اے صبح سویرے کی صورت والی موت! اے پھولوں کے تاج والی موت!!
اے وہ کہ جو ازل سے آج تک ہر مرد اور عورت کے جسم کو اپنے آغوش میں لینے کی مستی میں چُور ہے۔ اے وہ کہ جس کے ہونٹوں پر مہر لگی ہے۔ اے موت کہ جو گرے ہوئے شکستہ رقاصوں کی تسلیم دنیا سے بہری ہے اے صبح سویرے کی صورت والی موت!

وِدّیاپتی

ایک وشنو شاعر

گیت

۱

پھول محل میں کاہن بیٹھے، کھوئے ہوئے چُپ چاپ!
من میں رادھا کی یاد آئی، آئی آپی آپ!
من کو ایسی سوچ لگی، جیسی پریمی کی سوچ،
کاہن سکھیوں سے یوں پوچھیں "آؤ! مجھے بتاؤ!
"گھر والوں نے اس کو روکا، پیا ہے کرودھ بھلاؤ!"

"کیا مجھ سے بڑھ کر ہے گھر والوں کی دل میں چاہ؟
یا سورج کی گرمی سے ہے تپتی ہوئی سب راہ!"
"برا شگن ہے، بھلا شگن ہے، کچھ تو مجھے سمجھاؤ"
کاہن سکھیوں سے یوں بولیں "سچ سچ کہو، بتاؤ!"

سکھیاں بولیں، "ہے من موہن! رادھا کا کیا حال؟
پل بھر میں آنے کو ہے، مٹ جائیں گے جنجال!"

گیت

(۲)

کیسے سُکھ پائے رادھا کا دُکھیا، زرد شریر؟
کام دیو کے چنچل ہاتھوں نے چھوڑے تھے تیر!

دور کسی بستی میں پہنچی، سپنوں کا تھا ساتھ!
اور پہلو میں کاہن تھے، ہاتھوں میں تھامے ہاتھ!

کالے پھولوں والے بھنورے اُن سے کہتے جائے،
رات دِنا کا درد تمہارا اب تو سہا نہ جائے!

"راجہ شو جو لکشمی دیوی کا سرتاج کہائے
میرے دکھ کو بس وہ جانے" ودّیا پتی سُنائے"

گیت

(۳)

پھول کھلا کانٹوں کے بیچ،
بھنورا اُڑ کر جائے نہیں!
سگندھ بنائے دیوانہ پر بھنورا پاس نہیں جائے!
اِدھر بھی جائے اُدھر بھی جائے پھول کے پاس نہیں جائے!
بھنورا اُڑ کر جائے نہیں،
پھول کھلا کانٹوں کے بیچ!

گھوم گھوم کر جگ پھر آئے،
دور دور سے پھول کو دیکھے،
پھول کی سندرتا من بھائے،
تکتا جائے، تکتا جائے،
پھول کے پاس نہیں جائے!

سُکھ کی سودا پائے نہیں،
بھنورا اُڑ کر جائے نہیں،
پھول کھلا کانٹوں کے بیچ

میٹھا امرت بھری مالتی، سندر تا نینوں کو بھائے!
جیون کی کچھ سوچ نہیں ہے بھنورے کا من بھی للچائے؛
من کو امنگیں ناچ نچائیں پی لے جتنا بھی رس پائے
لیکن بھنورا پاس نہ جائے،
پھول کھلا کانٹوں کے بیچ!

امرت سے بھرپور مالتی!
امرت پر جیون کی آس!
دور رکھے کیوں بھنورے کو یوں،
امرت بند رکھے کیوں پاس؟
کیوں؟ تجھ کو اب لاج تو آئی؟
سوچ، ذرا تو من میں سوچ!
پیاسا بھنورا مر جائے تو،
کس کا ہوگا، کس کا دوش؟

ودّیاپتی یہ بات بتائیں۔

"جب تک بھنورا امرت پائے، جب تک سودھ دان مالتی
بھنورے کے مُنہ میں ٹپکائے، تب تک بھنورا جیتا جائے!"

گیت

(۴)

(پرتھم مان یعنی پہلی ملاقات کے بیان میں سکھی رادھا کے متعلق کہتی ہے)

رُک رُک کر وہ بول رہی تھی،
شرم سے اُس کی آنکھ جھکی تھی!
لاج سے بات ہوئی کب پوری،
لب پر آئی بات ادھوری!
آج تھی اُس کی چال انوکھی،
اک پل مانی، اک پل روٹھی!

بات سنی جب رنگ بھاؤ کی،
زور سے موندیں آنکھیں اپنی!
ایک جھلک میں اُس نے دیکھا،
پریم کا ساگر آنکھوں میں تھا!

جب دیکھا مُنہ چوم ہی لے گا،
رُخ بدلا رادھا نے اپنا!
چاند کنول کو گود میں لے کر،
ڈوب گیا مستی میں یکسر!

ہاتھ کمر پر دیکھا اپنی،
ڈر کر چونکی، جھجکی، سمٹی!
دھیان اچانک جی میں آیا،
مال مدن کا چھن جائے گا!
جب پوشاک پریشاں دیکھی،
دونو ہاتھ سے گات چھپائی!
سب سنگار دکھائی دیتے،

ہیرے موتی، ہار اور گجرے،
اس پر بھی پوشاک سنبھالے!
سیج سے سُندر ڈر کر بھاگے،
سُن کے کوئی کیا جانے، سمجھے؟

۵
گیت

رادھا اپنے آپ سے :

کب تلک اس دل میں اُداسی ہی رہے گی، کب تلک؟
اور میری روح بارِ غم سہے گی ـــــــ کب تلک؟
ماہ سے کس روز نیلوفر ملے گا، آہ کب؟
پھول بھنورے کے ملن سے کب ملے گا، آہ کب؟
گفتگو کرنے کو پریمی مجھ سے کس دن آئے گا؟
اور مرے سینے کو چھو کر ایک لذّت پائے گا!
تھام کر ہاتھوں کو میرے، چاہ کے آغوش میں،
کب بٹھلائے گا مجھے وہ آرزو کے جوش میں؟
ہاں اسی دن، ہاں اُسی دن سارے دکھ مٹ جائینگے،
جب مراری میرے بن کر گھر ہمارے آئیں گے!

۶

گیت

پیامی کی رادھا سے باتیں :

"رات اجیالی؛ چنداوالی، اس کارن میں آئی،
رادھا کے پتیم کا سندیسہ جی میں چھپا کر لائی!"
انگ انگ رادھا کا ایسی سُندر جوت جگائے،
چندر اُجالا جس کے اندر گھل مل کر کھو جائے!
نین کسی کے دیکھ نہ پائیں، دیکھیں تو کب جانیں؟
رادھا اور چندرماں دونوں ایک ہوں، کیسے مانیں؟
سندر! میں نے من میں سوچا، پھر نینوں کو کھولا،
کوئی نہ جگ میں ایسی سُندر، میرا من یہ بولا!
تو یہ سمجھے تیری دردی، کالی رات اندھیری،
تو اُجیالی اُس کی بیرن، وہ ہے بیرن تیری!
سوچ اُلجھاوے من کے کیسے؟ اٹھو — آؤ — آؤ،
راہ تکیں گھنشام تمہاری اُن سے ملنے جاؤ!
سب باتیں دوتی کی سُن کر رادھے کچھ نہیں بولی،
مدن دیو نے راہ دکھائی، پیچھے پیچھے ہولی!

۷

گیت

شیام کی اُودھو (پیامی) سے باتیں:

بیت چلی ہے، بیت چلی ہے، بیت چلی ہے رات
اُودھو، بیت چلی ہے رات

اب تک آئی نہیں ہے رادھے سوچ کی ہے یہ بات
اودھو! بیت چلی ہے رات

رستے میں سوڈر کی باتیں، بیری زہری ناگ
کوئی نہ جانے چھپ کر بیٹھا کون لگائے گھات
اودھو! بیت چلی ہے رات

شرمیلی نربل سی ناری سہم سہم نہ جائے
بھگون اُس کو راہ بتلائے، تھام کے لائے ہات
اودھو! بیت چلی ہے رات

میں بھی اکیلا، وہ بھی اکیلی دُور رہیں دونوں۔ دُور،
رات کا اندھیارا ہے گہرا، کالی اندھی رات
اودھو! سوچ کی ہے یہ بات
اودھو! بیت چلی ہے رات!

شرمیلی زربل سی ناری، وہ آئی، وہ آئی،
اچھا کہہ دے رستے میں تو ڈر سے نہیں گھبرائی؟
تیرے من میں کونسی شکتی تجھ کو یہاں تک لائی؟
ودیا پتی یہ بات سمجھائیں، پریم کی شکتی بھائی!
پریم کی شکتی لائی یہاں تک، پریم کی ہے کیا بات!
اودھو، پریم کی ہے کیا بات!

۸

گیت

آج بنی ہے، آج سجی ہے، آج کیا سنگار،
رادھا! آج کیا سنگار!
آج وہ سارے ہوں گے پورے پتیم کے اقرار!
رادھا پتیم کے اقرار!
راہ میں چلتے چلتے رادھا (راہ میں) رک رک جائے،
دائیں دیکھے، بائیں دیکھے، پیچھے دھیان لگائے،
لاج سے لرزے، ڈر سے کانپے، ماما بند دوار،
لیکن سن پائے کوئی پازیبوں کی جھنکار!

نیلی ساری تن کو چھپائے، من کی اور ہی سار،
من کے اندر مستانی آشاؤں کے انبار!
من ساگر کے ایسے پھولے، بل کھلائے ہر بار،
پریم، آنند کی آس دلائے، پریم سے نیا پار،
رادھا! پریم سے نیا پار!
چتر سکھی نے راہ بتائی، راہ میں رادھا جائے،
پلکیں نیچی ڈر سے نہیں ہیں، تن من سب شرمائے!
جیون جنگل میں بیلیں رینگیں، رینگ رینگ کر جائیں،
اور یوں آخر پیڑ سے لپٹیں، اپنی منزل پائیں!
یوں ہی رادھے راہ میں چلتی چلتی بڑھتی جائے!
چلتے چلتے بڑھتے بڑھتے، منزل بھی آجائے!

۹

گیت

(کرشن مہاراج اپنے آپ سے کہہ رہے ہیں)

بالاپن اور بھری جوانی

دونوں کا ہے سامنا،

سُن لی اُس نے میٹھی بانی،

آئی من میں کامنا،

گھڑی گھڑی کیا سوچے من میں
کھوئی ہوئی ہے کس اُلجھن میں
کبھی سجائے گیسو اپنے کبھی اُنھیں بکھرائے،
کبھی چھپائے تن من سارا، کبھی دکھاتی جائے!
پہلے سکھ کا تھا اُجیالا جن میں، اب وہ نین،
ایسا بھاؤ دکھائیں جیسے بیکل ہوں بے چین!
کونپلیں کھلائے ہوئے ہیں دونوں اودے داغ،
بیاکل چال بتائے سُونا سُونا دل کا باغ!
مدن دیوتے آنکھیں موندے، جاگے نیند کو تیاگ،
وِدّیاپتی یہ کہیں مراری! گاؤ دھیرج راگ!

۱۰

گیت

سکھی رادھا کی حالت بیان کرتی ہے:

چلے گئے گردھاری،
اَنکھیَن سے اَنسوَن جل ٹپکے راہ تکے بے چاری!
پل پل چھن چھن کیسے کاٹے، پل پل چھن چھن بھاری!

اور رادھا کا دُکھڑا سُنتی ہے :

"ہونی نے دو دُکھ کیا یوں، کیسے ملیں مُراری؟

سجنی! دُور گئے گردھاری!

کا ہے کروں سجنی!! اب میرے بات نہیں ہے بس کی!

کون کرم کا پھل ہے ایسا، پیتم ہوئے بدیسی !

مدن دیو کے تیروں نے کیا حالت کی ہے من کی!

برہن کی آہیں جا پہنچیں پہلو میں پیتم کے!

پیتم کے پہلو میں بیرن کون سی بیٹھی جم کے؟

پنچھی بن جاؤں تو اُڑ کر اُن چرنوں میں جاؤں،

اپنے دکھ کا حال سناؤں، دُکھ کا دارو پاؤں!

لائے کوئی پیتم کو میرے، میری جان بچائے۔

دیکھ دشا برہن کے من کی دَیا کسی کو آئے۔

وِدّیا پتی کہے سُن رادھے! آن ملے گا پیارا!

چنچل من کو دھیرج دے لے، چھائے گا اُجیارا!

۱۱

گیت

شام دھندلکا لے کر آئی،
گوری گھر سے باہر آئی!
چہرہ جیسے بجلی چمکے،
اور کاندھے پر بال گھٹا سے!
نئی نویلی اور اچھوتی،
مالا، نکھرے پھولوں والی!

چنڈی داس

بنگال کا پہلا شاعر

۱

گیت

کس نے لیا شیام نام؟
مجھ کو یہ بتا سکھی!
کان سے سُنا اسے   دل میں جا بسا مرے
ساتھ لایا بے کلی

میں یہ نہیں جانتی

کتنی مٹھاس اس میں ہے کیسے زبان سے ہٹے!

بول بول ہر گھڑی

میں ہوئی ہوں باؤلی

مجھ کو یہ بتا سکھی!

کس نے لیا شیام نام؟

۲

گیت

تنہا سب سے دور اکیلی

دکھیا دل لے کر ہے بیٹھی

رادھا ——

بات نہیں سنتی وہ کسی کی

اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی

رادھا ——

سُور یہ کے گھونگھٹ کالے

ہر دم بس اُن کو ہی دیکھے

رادھا ـــــــــــــ

میں ہوں پجارن جوگیا پہنے
بھوک نہیں ہے، بس یہ بولے

رادھا ـــــــــــــ

لو وہ اس نے جوڑا کھولا — کاندھوں پر گیسو لٹکائے
جب کالے بالوں کو دیکھا — دل میں دھیان کسی کا لائے
اب دیکھے آکاش کو رادھا — اور اُس نے بازو پھیلائے
کالی گھٹاؤں سے کچھ بولی — لیکن کس کی سمجھ میں آئے؟
کس نے سنی ہے بات، دھوکہ — ایک پہیلی کون بجھائے ؟
مور کی گردن نیلی کالی — دیر تلک وہ دیکھتی جائے!

آؤ، اس کا بھید بتائیں
آؤ، پہیلی ہم ہی بجھائیں

ہم نے ان باتوں سے جانا — دھیان لئے ہے شیام سُندر کا

رادھا ـــــــــــــ

ـــــــــــــ

۴

گیت

کبھی ہے گھر میں، کبھی ہے باہر، ہزار بار آئی اور لوٹی،
ذرا نہیں چین اُس کے دل میں بہت ہے بیتاب پیاری رادھا
ہے دل کی دھڑکن میں ایک تیزی کہ آگ جلتی ہے آرزو کی
کدم کے جنگل پہ ہیں نگاہیں جہاں پہ مادھو کو پہلے دیکھا!

حسین دوشیزہ کیوں سراسر بدل گئی؟ کیا سبب ہے اس کا؟
بڑوں کی ناراضگی کی دل کو نہیں ہے اس کے ذرا بھی پروا
ہے اس پہ سایہ، کسی نے جادو کیا ہے، ساری بھی ہے پریشاں
خلش مٹے کس طرح سے دل کی، نہیں ہوئے پورے دل کے ارماں

ابھی تو پہنے تھے اُس نے زیور، ابھی انھیں پھر اُتار ڈالا
نہ جانے کیا دھیان آیا اُس کو، اُتار کر اُن کو پھر سے پہنا،
وہ کس لئے اپنی آرزوؤں کو بس میں کرتی نہیں ہے اپنے؟
ہے کیا تمنا؟ ہے آرزو کیا؟ امید کیسی ہے دل میں اس کے؟

ہیں اس کی باتیں سمجھ سے باہر — مگر حقیقت ہے ہم پہ ظاہر
کہ دل ہے نادان رادھکا — اسے تو ہے چاند کی تمنا

مگر یہ کہتا ہے تم سے شاعر کبھی نہ رادھا کو تم جھڑکنا
کہ اس کے دل پر کیا ہے جادو کرشن نے اپنی بنسری کا

۴

گیت

پریم کے دکھ کو پریم ہی جانے
دل کی دھڑکن بھی پہچانے

جگ کی ساری پیاری باتیں — اب ہیں جیسے بیتی راتیں
میں ہوں اور یتیم کی ہتیلی — جان تھی میری وہ بھی لے لی
کام کاج گھر کے نہیں بھائیں — دل سے آہیں پھوٹ ہی آئیں
کیسے رکیں، کیسے رک جائیں؟ — گھر کرتا ہے سائیں سائیں

کون منائے کون اب مانے؟
پریم کے دکھ کو پریم ہی جانے

سب دن ہر کوئی بات بنائے — جو بھی ہے دوش مجھی کو لگائے
موت سے بڑھ کر تیکھی باتیں — دکھ کے دن ہیں، دکھ کی راتیں
یتیم بھی کب روگ مٹائے — آپ بھی اوروں کو آ کے لے

کوئی نہیں جو کہے اب میری · بَیرن ہے سب دُنیا میری
کیسے دل کے دکھ کو مٹاؤں؟ · کس سے کہوں اور کس کو سناؤں؟
چنڈی داس کہے اب ہم سے · پریم کا بھید کہو پیتم سے
پیتم سے تو چھوڑو بہانے
پریم کے دکھ کو پیتم جانے

۵

گیت

آہ محبت! آہ محبت، میٹھی ہے سب کہتے ہیں!
لیکن پھر کیوں میری چاہ میں بس کے سوتے بہتے ہیں
میں نہ ملوں گی، میں نہ ملوں گی، باتیں کرنے والوں سے
گھر پر پیار کروں گی اپنی سندرتا کے جالوں سے!
یوں سکھ لے کر کیا میں جیت نہ لوں گی ساری باتوں کو؟
اور یوں چین سے بھر دونگی میں اپنی روح کی راتوں کو!
چنڈی داس جنم جس کے دو ہیں وہ ایسے کہتا ہے'
یوں نہیں تیرا روپ اُسے جیتے گا، مجھ کو بھروسا ہے!

۶

گیت

سنو سجنی! مرے جیون کو اُس کی چاہ لے ڈوبی،
بُرا دن تھا کہ جب پہلے پہل کاہن کو دیکھا تھا
کہ اُس دن سے مرے جی میں نہیں کچھ بھی رہا باقی
محبّت آگ ہے میں کر رہی ہوں آگ کا پیچھا
ٹھہرتی ہوں، ٹھہرتے ہی میں چل دیتی ہوں دوبارہ۔
وہ کوئی اور ہو گی آگ جو پانی سے بجھ جائے
مگر یہ آگ آشاؤں سے سُلگی ہے نہیں بجھتی
بجھاؤ، ہاں، بجھا دیکھو۔ تمہارے بس میں ہو جتنا
مگر یہ آگ دُگنے زور سے پھر جل ہی اُٹھے گی
دکھائی دے رہے ہیں دُور بن کی آگ کے شعلے
مگر ایسے نہیں ہیں میرے من کی آگ کے شعلے!
ذرا دیکھو۔ چھوؤ، اس جسم کو تم اپنے ہاتھوں سے
سمجھ میں آ ہی جائے گا یہ بیرن آگ ہے کیسی!
مرے دل میں مری سجنی! برہ کی آگ ہے جلتی

یہ اگنی ہے جدائی کی، جدائی شیام سندر سے
مرے دل کو مری سجنی، اسی اگنی نے گھیرا ہے
میں ہر دم شیام سے دوری پہ آنسو ہی بہاتی ہوں
مرے دل میں ابھی تک شیام کی آشا کا ڈیرا ہے
مجھے ہر سانس گویا تیر ہے۔ ہاں تیر سا زہری!
مگر سُندر! یہ سن لے بات، چنڈی داس کہتا ہے
خوشی کے ساتھ گر تو جھیلتی جائے گی دکھ سارا،
گھٹائیں دُور ہو جائیں گی چھٹ جائے گا اندھیارا!

۷

گیت

رادھا بولی

یہ ہے اُس کے پریم کی بنسی کا مدماتا۔ موہن جادو،
کنول نین کے کرشن کنھیا
موہن برندرا بن کے بسیا
ہم کو بلائیں

ہم کیسے پتھر بن جائیں
دل کانپیں، لرزیں، تھرائیں
تن پنجرا گھر کے آنگن میں!
من کا پنچھی برندا بن میں!
برندا بن، میں کرشن کنہیا ڈول رہی ہے ہردے کی نیا!

چاند چکور کے دل کو لبھائے آشا کے جھولے میں جھلائے
دھرتی سے اڑ کر جب جائے دکھ کو بھولے سکھ کو پائے
اتنا بتاؤ یہ تو سجھاؤ
کب پہنچیں گے؟ کب دیکھیں گے
نٹ کھٹ ناگر، دکھ ہر سکھ کر کے چھیلے، لہراتے بازو؟

۸

گیت

اُس کی آنکھوں میں ہے بس شیام کی موہن مورت
اُس کی آنکھوں میں نہیں اور کوئی بھی صورت

کان میں نام اگر ہے تو وہ اک شام کا ہے
دل میں بھی دھیان اگر ہے تو اسی نام کا ہے

اُس نے پہنا ہے لباس اپنے بدن پر کالا
نیلے پھولوں سے بنائی ہے اک انگنی مالا!

اُس کے سینے کی سجاوٹ کے لئے ہے نیلم!
اور وہ کہتی ہے مری سانولی، سجنی، پیتم!

"آ! بس آجا، مرے آغوش میں آجا سجنی!
انگ سے اپنے مرا انگ لگا جا سجنی!"

وہ تو اک اونچے گھرانے کی ہے سُندر بیٹی
ہر گھڑی دل ہے اور اُس دل میں ہے اک بے چینی!

اُس کا دل موہ لیا تم نے، تم ہی نے مادھو!
یاد کرتی ہے وہ ہر وقت، ہمیشہ — تم کو

دور ہوتا ہی نہیں دھیان تمہارا موہن!
دل میں ہے دھیان ہر اک آن تمہارا موہن!

دیکھو، دیکھو وہ جو صورت تھی کنول کی صورت
اب وہ سنولا گئی، مرجھا گئی موہن مورت

اُس کی آنکھوں سے بھی آتی ہے انسوں دھارا
اور ان آنسوؤں سے بہہ گیا کاجل سارا

اُس کے بس ہی میں نہیں کیسے بھلائے تم کو؟

رحم کی بات ہے، رحم آ جائے تو آئے تم کو
نیند سے خالی ہیں اب، خالی ہیں اُس کی راتیں
دُکھ سے بھرپور ہیں، دُکھ والی ہیں اُس کی راتیں
شیام سندر! ارے ہاں شام! ذرا سچ کہنا
بس میں ہے، بس میں تمہارے ہی تو دارو اُس کا
اور اب سُن لو کہ یوں کہتا ہے چنڈی ذرا سا
اس طرح چین نہ پائے گا جو دل ہے پیاسا
چند ہی دن میں بس اب ہوگا تمہارا بندھن
پاس آ جائیں گے اور تم سے ملیں گے موہن!

۹

گیت

رات اندھیری، بادل گہرا
ایسی رات میں کیسے آیا؟
ہم سے ملنے پریتم پیارا؟
چھم چھم برسے مینہ کی دھارا
پھلواری میں براجے پیارا

دیکھ کے دل بے چین ہمارا

دیکھ سکھی پیتم آئے ہیں ——

میرے گُن ہی اُنھیں لائے ہیں

کیسے چھوڑوں گھر کا آنگن ؟

گھر والے اور نندی بیرن

متفرق گیت

(منثور تراجم)

(۱)

"ہر شخص سہجیہ کی باتیں تو کرتا ہے لیکن افسوس کوئی بھی اُس کے اصلی معنی سے واقف نہیں ہے۔ سہجیہ کا نور صرف اُسی شخص تک پہنچ سکتا ہے جس نے تاریکی کے خطے کو پار کر لیا ہو" (یعنی جذبات پر قابو پا لیا ہو)

(۲)

"عورت کو ہر لمحہ پاک دل رہنا چاہیئے اور کبھی بھی اپنے رجحانات کو پستی کی طرف نہ جانے دینا چاہیئے۔ یوں تو محبت پہ اپنی ہر بات کو قربان کر دے لیکن بہ باطن اُسے اپنی محبت کے مرکز سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے چھپی ہوئی محبت کو چھپا کر ہی پایئے

تکمیل تک پہنچانا چاہیئے۔ اس طرح اُس کا دل و دماغ گویا ڈھل کر پاک وصاف ہو جائیگا
لیکن اسے چاہیئے کہ وہ کسی بھی حالت میں خواہشات کے سامنے ہار نہ مان لے اسے
چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو تخریب (غلط کاری) کے سمندر میں اندھا دھند ڈال دے
لیکن اُس کے ساتھ ہی ساتھ اسے چاہیئے کہ وہ بے حد احتیاط کے ساتھ ممنوع ندی کو
چھونے سے محترز رہے۔ نیز اُسے دُکھ سُکھ کا کوئی احساس ہی نہ رہنا چاہیئے۔ اُسے چاہیئے
کہ دوسرے اس سے بُرائی کریں تو کریں وہ اپنے آپ سے بچی رہے۔"

(۳)

"——— سچا عاشق بننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کسی سانپ کے مُنہ میں مینڈک
کا ناچنا"

"ایسی محبت کو وہی حاصل کر سکتا ہے جو سمیر اور پربت کی چوٹی کو ایک
دھاگے سے باندھ کر لٹکا لے یا کسی ہاتھی کو مکڑی کے جالے سے باندھ کر رکھ لے"

"احساسات اور خواہشات پر قابو پانے اور اس ضبطِ نفس کے لئے بڑی سے
بڑی قربانی کرنے ہی سے انسان مُکتی حاصل کر سکتا ہے"۔

(۴)

"اگر کوئی دوشیزہ جس کا طبعی رجحان روحانیت کی طرف مائل ہو کسی ایسے
مرد سے محبت کرنے لگے جو اپنے خصائص میں کم درجے کا مالک ہو تو اُس کی حالت
بالکل اُس پھول کی سی ہوتی ہے جسے کانٹے چھلنی کر دیں اور وہ شکستہ دل ہو جاتی
ہے۔ اگر کوئی نوجوان کسی کم درجے کی دوشیزہ کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی
حالت بعینہٖ اُس شخص کی سی ہوتی ہے جس پر ارواحِ بد نے غلبہ پالیا ہو۔ ایسا عاشق

ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ یہاں تک کہ یاس کی تاریکی اس پر حاوی ہو جاتی ہے۔"

(۵)

"دوستو! آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ایک عورت کی محبت سے کیوں کر مکتی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اپنے جسم کو خشک لکڑی کی طرح بنا لو تاکہ جذبات اُسے تحریک نہ دے سکیں۔ وہ ہستی جو تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے، در کسی کو بھی دکھائی نہیں دیتی اُس تک صرف اُسی شخص کی رسائی ہو سکتی ہے جو پاک محبت کے بھید کو جان لے۔"

(۶)

"اے میری محبوب! میں نے تیرے قدموں میں آ کر پناہ لی ہے، کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے جلتے ہوئے دل کو ٹھنڈک پہنچائیں گے۔ میں تیرے اُس حسن کا پجاری ہوں جس سے مقدس دوشیزگی اُبل رہی ہے اور جو کسی نفسانی خواہش کو برانگیختہ نہیں کرتا۔

جب میں تجھے نہیں دیکھتا تو میرا دل بے چین رہتا ہے اور جب میں تجھے دیکھ لیتا ہوں تو میرے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اے دھوبن! اے میری محبوبہ تو تو میرے لئے ایسے ہے جیسے بے بس بچوں کے لئے ان کے ماں باپ!

برہمن دن میں تین بار پوجا کرتا ہے، اسی طرح میں تجھے پوجتا ہوں۔ تو میرے لئے اُس گائتری کے مانند مقدس ہے جس سے ویدوں کی تخلیق ہوئی۔ میں تجھے سرسوتی دیوی سمجھتا ہوں جو گیتوں کو تحریک دیتی ہے۔ تو تو میرے لئے پاربتی دیوی ہے ــــــ تو میرے گلے کا ہار ہے ــــــ تو میرے لئے آکاش بھی ہے اور دھرتی بھی۔ تو ہی میری پاتال ہے اور تو ہی میرا پربت ــــــ نہیں نہیں تو تو میری کائنات ہے۔

تو میری آنکھوں کی پتلی ہے۔ تیرے بغیر میرے لئے ہر چیز تاریکی کے مانند ہے۔ میری آنکھیں تو تجھے دیکھنے ہی سے تسکین پاتی ہیں۔ جس روز تیرا چاند سا چہرہ نہیں دیکھتا میں ایک بے جان انسان کی مانند ہوتا ہوں۔ میں تو ایک پل کے لئے بھی تیرے حسن و رعنائی کو نہیں بھول سکتا۔ مجھے بتا دے کہ میں کس طرح تیری نظر کرم کا مستحق بنوں۔ تو ہی میرا منتر ہے اور تو ہی میری پرارتھناؤں کا نچوڑ۔ تیرے دوشیزہ حسن کے لئے میرے دل میں جو چاہت ہے اس میں جسمانی خواہش کا کوئی بھی عنصر نہیں ہے۔ چنڈی داس کہتا ہے کہ دھوبن کی محبت پارس پتھر سے پرکھا ہوا سچا سونا ہے۔"

(۷)

"اے رامی! کان دھر اور میری ایک اکیلی پرارتھنا کو سُن، جسے میں رہ رہ کے دُہراتا ہوں۔ میں نے تیرے پیروں کو دیکھا اور انہیں سیتل پایا اور اسی لئے وہیں پناہ لی۔ اے دھوبن! تیرا روپ کسی کنواری کے جوبن کا سا ہے اور اس میں جذبات کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں ہے۔ میری روح اسی کی آرزو میں گھل رہی ہے بلکہ اُسے اپنی سُدھ بدھ بھی نہیں رہتی اور جب اس روپ کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتی ہے تو برکت اور تسکین پاتی ہے تو دیکھنے میں ہی عورت ہے لیکن میری پیاری! تو مجھے ماں اور باپ کے سمان ہے۔ میری تمام پرارتھنائیں تیری ہی سمت اٹھتی ہیں۔ کیوں کہ تو گائتری ہے۔ ویدوں کی ماں، تو سرسوتی ہے بلکہ تو پاربتی ہے۔ تو ہر لمحہ میرے گلے کا ہار ہے، تو ہی آکاش ہے اور تو ہی دھرتی، تو ہی گہرائی ہے اور تو ہی پربت کی بلندی، تیرے چہرے کے نور کے بغیر میری دنیا اندھیری ہے۔ اور میری آنکھیں اپنے زندہ حُسن کے لئے بے کل ہیں۔ میری یادوں میں ہر وقت تیری ہی رعنائی چھائی ہوئی ہے۔

لیکن مجھے یہی نہیں معلوم کہ کس طرح اسے اپنالوں۔ تو ہی پوجا کی ریت ہے اور تو ہی مناجات۔ بلکہ پوجا سے جو آنند ملتا ہے وہ بھی تو ہی ہے۔ میری پیاری ذرا ایک پل کو سوچ تو سہی کہ ان تین دنیاؤں (ترلوک) میں تیرے سوا اور کون ہے جسے میں اپنا کہہ سکوں؟ چنڈی داس کہتا ہے کہ باسولی دیوی کی تحریک سے ہی اس نے ایک دھوبن کے قدموں میں اپنا مبداء و منتہا بنالیا ہے۔"

(۸)

"تم سارا دن جنگل میں گھومتے رہتے ہو اور کھیل تماشوں اور محبت کی خوشیوں میں ڈوبے رہتے ہو۔ لیکن میرے دل میں رہ رہ کر بے حد درد محسوس ہوتا ہے۔ کیوں کہ میں اس تمام عرصے میں تمہاری پیاری صورت کو نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے تو ایک ایک پل ایک ایک عمر دکھائی دیتی ہے۔ میرا دل بے چین ہو جاتا ہے اور میں تمہاری جدائی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہاری جدائی ہی مجھے اس درد میں مبتلا رکھتی ہے۔ تمہاری موجودگی ہی مسرت کی تکمیل ہے۔ تمہارا چہرہ کتنا پیارا اور پاک ہے اور اس کے گرد تمہارے گھونگریالے بال لپٹے ہوئے ہیں۔ کاش! میری آنکھیں کبھی نہ جھپکتیں۔ لیکن میری آنکھیں ہی تو میری سب سے بڑی دشمن بن گئی ہیں جو تمہارے حسن سے اپنی پیاس بجھاتی ہیں۔ اسی لئے تو میں ان کے بنانے والے پر بھی الزام دھرتی ہوں۔ تم میرے ہو اور میں تمہاری ہوں۔ ہمارا اس دنیا میں اور کوئی بھی دوست نہیں ہے۔ رامی[1] اپنے دکھ میں کہتی ہے کہ چنڈی داس کے بغیر مجھے تمام دنیا اندھیر دکھائی دیتی ہے۔"

---

[1] چنڈی داس کی محبوبہ (رامی) کا تخلص

چنڈی داس کا نوحہ

ہم نفس چنڈی داس تو کہاں چلا گیا؟
میری پیاسی آنکھیں ایک پل بھی چین سے نہیں رہتیں،
میری آنکھیں برکھا کے پنچھی ہیں جو سوکھے بادل دیکھ کر بیاکل ہیں،
گور کے مالک بادشاہ نے کیا کیا؟
اُس کی محبت کے نور سے منور زندگی بے کار ہے!
اس نے میرے دل کے پیارے کو مار ڈالا۔
تو دربار میں گانے کے لئے کیوں گیا؟
آسمان، زمین، دوزخ، حیوان اور انسان کے سامنے،
وہ جو محبت کے لئے افتخار کا باعث تھا، خاک میں مل گیا۔

بادشاہ کی بیگم نے گیت کو سنا
وہ اپنے دردِ پنہاں کو نہ چھپا سکی
اور اُس نے اپنے سوامی کو اپنے دل کی بات بتادی

——— میری روح اندر ہی اندر بھڑک اٹھی ہے۔
——— وہ چنڈی داس کے عشقِ فروزاں سے بھڑک اٹھی ہے،

———— محبت کے لئے اُس نے اپنی ہر بات کی بھینٹ چڑھادی ۔

"بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلایا"
———— جلدی کرو، تنومند سے تنومند ہاتھی کو لاؤ
———— اور اِس بھاٹ کو قرار واقعی سزا دو

———— اس عظیم الجثہ حیوان کی بے پناہ پشت پر
———— ہمارے ملعون دشمن کو مضبوط رسّوں سے باندھ دو ۔
———— اور اُس سے اپنا پیچھا چھڑا لو

———— بیگم پکار اٹھی ———— سنئے میرے مالک !
———— وہ تو روحِ عشق و محبت ہے ۔
———— پھر آپ اس کے فانی جسم کو کیوں برباد کرتے ہیں ؟
یہ شخص جس کا میٹھا گیت تیر کی طرح میرے دل کے پار نکل گیا ہے
———— کوئی معمولی مٹی کا انسان نہیں ہے ۔
———— اس کے دل میں تو ابدی محبت کی حکومت ہے ۔
ہاتھی تندی سے دھاوا بول کر لپکا
اور میرے پیارے ! جب میں نے تجھے ہاتی نہ دیکھا
تو میرے سر پر گویا آسمان سے بجلی گر پڑی ۔

ہاتھی کی سونڈ کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ۔

میں زور سے چلا اٹھی ـــــــ پران ناتھ !

ـــــــ میں اناتھ اور اکیلی ہی رہ گئی

بیگم نے زور سے پکارا ـــــــ مجھے چھوڑ نہ جانا !

اور اسی لمحے اُس کی روح اُس سے الگ ہو گئی

اور وہ دو جیون موت میں یک ہو گئے ۔

چنڈی داس کا دھیان جمائے ہوئے

بیگم زندگی سے ترچٹی رہی ۔

اور موت اس کے دکھ کا دارو بن گئی

اس منظر کے اثر سے رامی دوڑی

اور شاہی خاتون کے قدموں میں

دھوبن بے ہوش ہو کر گر پڑی ۔[؂]

"پودو کال پترو" کی ایک نظم کا منثور ترجمہ

"چنڈی داس نے وِدیاپتی کی قابلیت کا حال سنا اور اس کے دل میں
بھی اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وِدیاپتی نے چنڈی داس کی قابلیت کا حال
سُنا اور اُس کے دِل میں بھی اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ دونوں کے دلوں میں
تجسّس جاگ اٹھا۔ وِدیاپتی روپ نارائن کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ چنڈی داس بھی
رک نہ سکا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں دونوں شاعر ایک دوسرے کی تعریف
کے گیت گاتے چلے اور اُن کے دل ایک دوسرے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ اچانک
ان کا آمنا سامنا ہوا لیکن وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تو تھے نہیں، جب انہوں نے
ایک دوسرے کا نام سنا تو جانا۔"

لی۔پو

(۷۰۱ء — ۷۶۲ء)

چین کا ملک الشعرا

۱

گیت

اُڑتے ہوئے بادلوں کی شوبھا اُس کے ملبوس میں ہے،
اور اُس کے چہرے پر یک پھول کی سی چمک!
"یہ آسمانی حُسن ہے، جو بلندی پر ہی دیکھا جاتا ہے،
پربتوں کی چوٹیوں پر!
یا جب چاندنی کھلی ہوئی ہو، تو پریوں کے شیش محل میں!
لیکن یہ کیا بات ہے کہ میں تو اُسے زمین پر ہی ایک پھلواری میں دیکھ

رہا ہوں!
روش پر بہار کی ہلکی ہلکی بو، چل رہی ہے۔
اور اوس کی بوندیں دمک رہی ہیں ... "

۲

گیت

" وہ تو ایک ٹہنی ہے، کھلے ہوئے پھولوں سے لدی ہوئی،
جس پر اوس کی ان گنت بوندوں کا بسیرا ہو،
وہ تو اُس گم شدہ پری جیسے روپ والی ہے،
جس نے ایک کہانی میں،
اپنے کو نظروں سے چھپا کر کسی راجہ کو رنجیدہ کیا تھا!
ذرا اب بتائیے تو سہی کہ ہاں کے محل میں،
سوئے ایک پُرانے راجہ کی محبوبہ کے،
کوئی بھی حسن و جمال میں اُس کی ثانی ہے؟"

۳

گیت

"وہ آلوچوں کی پھلواری ہیں،
کٹہرے سے لگ کر جھکی ہوئی کھڑی ہے!
بہار کی ہوا سے جو محبت کی امنگیں دل میں پیدا ہو جاتی ہیں،
اُن کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ختم ہو چکا!
چمکتے ہوئے پھول، پھولوں کی رانی سے مل کر خوشیاں منا رہے ہیں!
اور شہنشاہ اس منظر کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا ہے!"

۴

منظر

دریا کے کنارے پر
چُنتی ہے وہ نیلوفر

باتیں کئے جاتی ہے وہ ساتھ کی سکھیوں سے،
چُہلیں کئے جاتی ہے شرمائے سے پھولوں سے،
کرنوں سے بنا پانی شفاف سا آئینہ!

عکس اُس میں نظر آیا پیراہن رنگیں کا!
خوشبو سے معطر ہے دامن جو گلِ تر کا،
آوارہ ہواؤں سے لرزش ہوئی اور تھرکا!
لیکن وہ کنارے پر دو چار سوار آئے،
آویزاں ہیں جو شاخیں
ان شاخوں کے پتوں میں ہتھیار چمک اُٹھے!
پھولوں میں صدا آئی ہر اسپ کے ٹاپوں کی،
رخصت وہ ہوئے سارے اوجھل ہیں نگاہوں سے!
ان سب نے انھیں دیکھا دل ڈر سے لرز اٹھا!

(۵)

تسلسل

"میں ایک درخت ہوں کسی عمیق و تیرہ غار میں،
کوئی نہیں کہ جس سے بات کوئی کروں کبھی!
تم اونچے، دور آسماں پہ گویا ایک چاند ہو،
تم ایک لمحہ جاتے جاتے راستے میں رک گئے،
نگاہ تم نے مجھ پہ کی!
پھر ایسے جیسے آئے تھے، چلے گئے، چلے گئے
کوئی بھی ایسی تیغِ تیز اس جہان میں نہیں،

جو قطع کر کے آب کی روانیوں کو روک دے!
میرے خیال اسی طرح ہیں جیسے سطح آب ہو،
ہمیشہ یہ تمہارے ساتھ ساتھ ہیں رواں دواں!"

۶

پربتوں میں

"بھلا کیوں پوچھتے ہو، کس لئے رہتا ہوں میں ان پربتوں کے سبزہ زاروں میں،
میں ہنس دوں گا، جواب اس کا نہیں دوں گا۔
ہے میری روح میں تسکین کا ڈیرا!
وہ رہتی ہے کسی اک اور ہی دُنیا میں جو حاصل نہیں تم کو!
کِھلے ہیں پھول پیڑوں پر۔
بہا جاتا ہے پانی اک روانی میں۔۔۔"

---

(۷)

آسمانی بستی کا خواب

"سمندروں کا سفر کرنے والے اس مسرت کے جزیرے کی باتیں سُناتے
ہیں جو مشرق میں بہت دُور کسی مقام پر واقع ہے وہ جزیرہ سمندر کی
دھندلی ویرانیوں کی موجوں میں کھویا ہوا ہے۔
لیکن جنوب کی آسمانی بستی کی جھلکیں تو چمکدار بادلوں کے ٹکڑوں کی
درزوں میں سے بھی دکھائی دے جاتی ہیں' یہ آسمانی بستی عرشِ اعظم
کی بلندیوں میں پہنچی ہوئی ہے۔ یہ قصرِ احمریں کے پربت سے بھی اونچی ہے
اور فرشِ عرش کا پہاڑ تو اس کے مقابل میں بہت ہی نیچا ہے۔
اس آسمانی بستی کا خواب دیکھنے کے لئے میں ایک چاندنی رات میں
جھیل کی آئینہ جیسی سطح پر ہوتا ہوا چل دیا۔ چاند بھی جھیل کی تہہ میں میرے
ساتھ ساتھ ہی دوڑتا رہا اور ینی چی کے گاؤں تک ساتھ ساتھ ہی
دوڑتا چلا گیا۔
اُس جگہ آج بھی گزرے ہوئے شہزادوں کے محلات ہیں۔ میں نے
آبِ زمردین کو بل کھاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے بندروں کی تیکھی آوازیں
سُنیں۔ میں شہزادوں کی پاپوش پہنے چڑھتا ہی چلا گیا۔ بادوں کی سیڑھی

پر، آسمان کی طرف رُخ کئے ہوئے اور جب آسمانی دیوار کے آدھ بیچ
میں جا پہنچا تو میں نے صبح کے سورج کو دیکھا اور فضاؤں میں مرغِ آسمانی
کی صدا سُنی۔

اب ہزاروں روشوں پر میرا راستہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا گیا۔ راہ میں
پھولوں کے انبار کے انبار ایک روک بن کر دکھائی دینے لگے۔
میں ایک چٹان کے سہارے کھڑا ہو گیا اور یکبارگی مجھ پر بیہوشی طاری
ہو گئی اور ایک بےخبری کا عالم چھا گیا۔

گرجتے ہوئے ریچھوں اور چیختے ہوئے اژدہوں کی آوازوں نے مجھے بیدار
کر دیا۔ گرداب کا بل کھاتا ہوا پانی راہ میں حائل تھا۔ میں گہرے جنگل میں
کانپ اٹھا اور آویزاں ٹیلوں کو دیکھ کر لرز گیا جو ایک دوسرے پر
بے ترتیبی سے افتادہ تھے۔

اوپر بادلوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اکٹھے ہو رہے تھے اور برساتی طوفان
کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ نیچے تیزی سے ریتا ہوا پانی دھند لکے کو
توڑ کر اس میں گم ہوا جا رہا تھا۔ رعد کا ایک بے پناہ شور سُنائی دیا۔
پربت چُور چُور ہو کر ڈھیر ہونے لگے۔ خلائے آسمانی کا سنگین دروازہ
کشادہ ہو گیا اور اس میں سے ایک نیلگوں وسعت نظر آئی جس کی کوئی
تہہ نہ تھی۔ سورج اور چاند زریں اور سیمیں محلات پر چمک رہے تھے۔
ہوا پر سوار، دھنک کے ملبوس پہنے ہوئے پھولوں کی ٹوٹ کر گرتی ہوئی
پتیوں کی طرح ہوائی پریاں اتر آئیں، خوش الحان پرندے اُن کی

بیلیوں کے آس پاس بجتے اور چھپتے رباب بجا رہے تھے۔ میں ششدر ہو کر رہ گیا اور میرے دل پر ایک اندھے ڈر کی گرفت طاری ہو گئی میں نے حیرانی میں ڈوبتے ہوئے اپنے آپ کو تھامنے کی کوشش کی اور افسوس، میں نے دیکھا کہ میں اپنے بستر پر جاگ اٹھا ہوں۔

اس خیالی دُنیا کی درخشانی معدوم ہو چکی ہے!

یہی حال زندگی کی تمام خوشیوں کا بھی ہے۔ تمام چیزیں بہتے ہوئے پانی کی طرح گزر جاتی ہیں۔ میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا، میں پھر کب لوٹوں گا؟ غزالوں کو سبزہ زاروں میں چرنے دو، مجھے خوبصورت پربتوں میں جانے دو۔ اس جگہ میرا دم گھٹتا ہے۔"

---

(۸)

فُرقت

مرے پیارے! یہاں جتے تم تو میں نے گھر کو پھولوں سے سجایا تھا،

مرے پیارے، نہیں ہو تم یہاں، اب سیج سُونی ہے!

بچھونا سیج پر لپٹا رکھا ہے، سو نہیں سکتی!

وہ خوشبو چھوڑ کر جس کو گئے تھے، آج بھی محسوس ہوتی ہے!

وہ خوشبو ہر گھڑی رہتی ہے میرے پاس لیکن تم کہاں ہو اے مرے پیارے!

میں ٹھنڈے سانس بھرتی ہوں،

گرے جاتے ہیں پتے ٹہنیوں سے پیڑ کی مرجھا کے دھرتی پر!
میں روتی ہوں،
ہری مخمل پہ دھرتی کی چمکتی اوس کی بوندیں!

---

(۹)

مینائے مے کے سامنے

بہار کی ہوائیں آئیں شرق سے،
چلی گئیں، گزر گئیں کہ تیز تر تھیں برق سے!
مگر وہ ایسے دھندلے بلبلوں کو چھوڑ کر چلی گئی ہیں ساغر شراب میں؛
کہ فرق کوئی بھی نہیں ہے اُن میں اور حباب میں!
گلوں کی ایک ایک کر کے پتیاں،
رواں ہیں فرش خاک کی طرف چھماں چھماں!
تو اے حسین نازنیں!
کہ جس کا چہرہ ہے گلاب گوں،
شراب کے ترے جس کی سرخیاں ہوئیں فزوں؛
بتا، کہ سبزہ زار میں،
درخت جو اُگے ہوئے ہیں کب تلک رہیں گے وہ بہاریں؟
قرار اک فریب ہے ہر اک نگاہ کے لئے،

بہت ہی جلد لمحے آئیں گے یہیں!
کہ ہوگی حاجت آدمی کو اک عصا کی قطع راہ کے لئے!
ہر ایک سمت نور ہے!
اٹھو، اور آؤ یک رقص، یک وجد و جوش میں!
شباب کی ہے دل میں اب امنگ، اک سرور ہے!
یہ جب سماں چلا گیا،
نہیں پھر اس سے فائدہ
کہ آئے اپنے سر کو دیکھ کر سفید، ہوش میں!!

---

(۱۰)

دُکھیا دھرتی

رات جب ختم ہوئی صبح کی سُرخی آئی،
دن مگر زیست کے اپنے نہ کبھی لوٹ سکے!
روشِ باغ پہ گلہائے معطر بکھرے،
موت کی طرح انھیں لے گیا بہتا پانی!
جنگلوں میں تھا سکوں، چھائی تھی اک خاموشی،
مٹ گیا سحر وہ، دریا ہوا جب طوفانی!
زاویہ چشم کا رکھتا ہے افق کو دل میں،

یاد باقی ہے بہاروں کی دلِ بسمل ہیں!
شہر کو چل کہ وہ ہنگامے بھلائیں گے تجھے،
ہاں، وہی درد سے آزادی دلائیں گے تجھے!
اس جگہ بیت چکا، موسمِ گل بیت چکا!
اور زمیں محو ہے اب غم ہے بہت ہی گہرا!!

---

(۱۱)

شہنشاہ کی حرم

اک سنہرے گھر میں بیتا عالمِ طفلی ترا،
پختگی آئی، جوانی، حُسن روشن تر ہوا!
اور مسکن بن گیا شاہی محل!
ریشمی ملبوس گلگوں زیبِ تن،
اور درخشاں گیسوؤں میں ایک پھول!
اندرونی خلوتوں سے اس طرح ہوتی ہے ظاہر صبح دم!
اور ہمراہِ شہ والا تبار،
لوٹتی ہے شام کو!
آہ لیکن رقص اور نغمے کے لمحے کتنی جلدی کھو گئے،
آسماں پر جس کے شاید وہ شفق میں سو گئے!!

---

(۱۲)

عشرت کوہستانی

غم آلودہ روحوں کو دھونے کی خاطر،
پیا پے بہ پے ہم نے ساغر پہ ساغر،
عجب تھی، شب بادہ نوشی عجب تھی!
فضا پر حکومت فقط چاندنی کی تھی!
دل اپنا نہ چاہا کہ ہم گھر کو لوٹیں!
نہ یہ آرزو تھی کہ بستر میں پہنچیں!
مگر آخر کار نشے کا غلبہ،
بڑھا اس قدر ہوش ہم کو نہیں تھا!
وہیں خاک کا ہم نے بستر بنایا!
تھا سر پر فقط آسمانوں کا سایہ!

(۱۳)

تنہائی

خزاں کی ہواؤں میں ساری ہے خُنکی ،
ہے صورت بھی شفّاف ماہِ خزاں کی ،
گرے تھے جو پتّے ،
اُڑے مِل کے سارے ،
ہوئے وہ اکٹھے ،
بنا ڈھیر اُن سے ،
مگر پھر سے اُڑ کے
فضاؤں میں بکھرے !
کہاں ہے ؟ کہاں ہے ؟ بتا تو کہاں ہے ؟
مرے دل میں اک دردِ امشب نہاں ہے !
مجھے کب نظر آئے گی تیری صورت ؟

(۱۴)

نیند سے بیداری پر بہار کا ایک دن

زندگی تو ہے سپنا، کیوں مشقت؟ کیوں پتا؟

سارا دن یونہی بیتا

بے خودی تھی، مے خواری، میں دہلیز پر اپنی

مدہوشی میں کھویا تھا! خوابیدہ تھا، سویا تھا:

نیند گم تھی، بیداری آنکھوں میں ہوئی طاری

جاگ اٹھا، میں جاگ اٹھا، میں نے پیڑوں کو دیکھا:

اور، پھر سُنا نغمہ، پھولوں میں اِک طائر کا

کون سا یہ موسم ہے؟

کس کا یہ ترنّم ہے؟

بنوں سے یہ آیا تھا اک کوئل کا نغمہ تھا!

بیٹھے بیٹھے گاتی تھی، گیت سنائے جاتی تھی!

اور ہوائیں آتی تھیں، گیت سن کر جاتی تھیں

بس دن کی ہوائیں تھیں!

کوئل کی صدائیں تھیں!

سوچ ایک مجھے آئی، ساتھ اپنے دکھ لائی!

پھر اٹھا کر ساغر میں، اور اس کو بھر کر میں،

زورزسے لگا گانے، اپنے جی کو بہلانے!
انتظار تھا اِس کا آسمان پہ ہو چند!!
لیجئے کہ اب میرا گیت بھی ہوا پورا،
انتش رتھا کیسا؟
یاد ہی نہیں آتا!

---

(۱۵)

چاند، میں اور میرا سایہ

کھلے ہیں پھول پیڑوں پر،
میں ان کے پاس بیٹھا ہوں،
لئے مینا کو پہلو میں؛
اکیلے بادہ نوشی کر رہا ہوں میں؛
کہاں ہے میرے ساتھی، ہاں کہاں ہیں سب مرے ساتھی؟
وہ لو، مہتاب مجھ کو دیکھتا ہے آسمانوں سے
درخشانی کو اس کی دیکھ کر میں نے اٹھایا ہاتھ میں ساغر!
پکار اُٹھا!
یہ دیکھو، آگے آگے میرے لرزاں ہے مرا سایہ!
نہیں، ہم تین ہیں، ہم تین ہیں، تنہا نہیں ہوں میں!

اگرچہ ماہِ رخشاں بادہ نوشی کر نہیں سکتا؛
مرے ہر طرف سایہ بھی مرا بس رقص کرتا ہے،
مگر ہم آج سب ساتھی ہیں، تینوں ساتھی ہیں!
شرابی، ماہِ رخشاں اور مرا سایہ!
میں گاتا ہوں، مئے وحشی فضاؤں میں خراماں ہے؛
میں رقصاں ہوں، مرا سایہ بھی ہر سو لڑکھڑاتا ہے،
ابھی بیدار ہیں ہم، آؤ محوِ عیش ہو جائیں!
بس اک میٹھی سی مدہوشی میں ہی اس درجہ قوت ہے
کہ وہ ہم کو جدا کر دے!
چلو ہم آج اک اس قسم کا عہدِ وفا باندھیں
کہ یہ انسان جو فانی ہیں، اس کو جان سکتے ہی نہیں ہرگز!
ہم اکثر اس جگہ آکر ملیں گے شام کے نمدار لمحوں میں،
کھلی، پھیلی ہوئی، بھیگی ہوئی رنگیں فضاؤں میں!

دو شعر

دریا میں بہتا ہے پانی
جیون سپنا، ایک کہانی،
ہر شے فانی، ہر شے فانی،
ہر شے ثانی، آنی جانی!

توفو

آٹھ لافانی بلانوش[1]

(منثور ترجمہ)

"چی۔ چانگ اپنے گھوڑے پر سوار تو ہوتا ہے،
لیکن جھومتا رہتا ہے۔
یوں جھومتا رہتا ہے گویا پانی کی سطح پر کوئی جہاز ڈول رہا ہو،
اگر وہ کسی دن سرور میں آنکھیں جھپکتے ہوئے کسی کنوئیں میں جا گرے،
تو اس کی تہہ میں پہنچ کر مزے سے گہری نیند سو جائے گا!"
"شہزادہ چو۔ چانگ جب تک تین صراحیاں حلق میں نہ انڈیل لے
دربار کی طرف رُخ ہی نہیں کرتا۔
وہ جب بھی کسی کلال کی گاڑی گزرتے دیکھتا ہے تو اُس کے منہ میں
پانی بھر آتا ہے۔
وہ خود بھی افسوس کیا کرتا ہے، اور واقعی بڑے افسوس کی بات ہے
کہ وہ بہارِ مے کا حکمراں نہ ہوا۔

---

[1] اس نظم میں توفو نے آٹھ دوستوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ان آٹھ دوستوں کو "آٹھ لافانی
بلانوش" کہا جاتا تھا (میراجی)

ہمارا وزیر آئی ہر روز اتنی پی جاتا ہے کہ جس کا کچھ حساب ہی نہیں ہے
وہ تو کسی ایسی بڑی وہیل مچھلی کی طرح حلق میں انڈیلتا چلا جاتا ہے جو
سو دریاؤں کو یک ہی بار پی کر سُکھا دیتی ہے۔
اور وہ اپنے ہاتھ میں ساغر کو لئے ہوئے کہتا رہتا ہے مجھے تو سادھو
سنتوں سے محبت ہے اور میں عالموں کی صحبت سے دُور بھاگتا ہوں۔
سونگ چی ایک جوان رعنا ہے۔ نازک مزاج، نفاست پسند۔ اُسے شور و
غوغا اور ہاؤ ہو سے نفرت ہے اور وہ ہاتھوں میں اپنا ساغر تھامے ہوئے
نیلگوں آسمان کی طرف تکتا رہتا ہے۔
ہواؤں کے مقابلے میں جیسے کوئی سرسبز و شاداب درخت بن کر کھڑا ہو'
یونہی اُس میں بھی زندگی کی درخشانی دکھائی دے رہی ہے۔
سو چین ذرا مذہبی آدمی ہے۔
بدھ کی رنگین مورت کے سامنے بیٹھا وہ اپنی روح کی صفائی میں مشغول
رہتا ہے۔
لیکن جب کبھی کسی مے خواری کے جلسے کی خبر سن پائے تو پوجا پاٹ کے
دھندوں کو چھوڑ کر اسی جانب رُخ کرتا ہے۔ کیوں کہ روح کی صفائی یوں
بھی ہو سکتی ہے۔
اور لی۔ پو کی بات ؟ ۔۔۔ اُس کا تو یہ حال ہے کہ ایک صراحی بھر کر اُسے
پلا دو، اور وہ ایک صد نظمیں لکھ ڈالے گا۔
وہ عموماً دارالخلافے کے کسی بازاری مے خانہ میں ہی اونگھتا رہتا ہے۔

اور چاہے شہنشاہ کے سامنے اُس کی طلبی ہو جائے، وہ شاہی بجرے
کی طرف رُخ ہی نہیں کرتا۔ وہ یوں کہتا ہے۔ عالی جاہ!
خداوندا! معاف کیجئے گا! میں تو شراب کا ـــــ دیوتا ہوں۔
چانگ سو بڑا مشہور مصوّر ہے۔ تین ساغر پی کر اُسے اپنی قابلیت پر پورا
قابو ہو جاتا ہے۔ وہ بغیر کسی قسم کے ادب آداب کی پروا کئے ہوئے
شاہزادوں کے سامنے اپنی ٹوپی اُتار پھینک دیتا ہے۔
اور چند یا ننگی کئے ہوئے برش کو ہاتھ میں تھام لیتا ہے۔
اور ایک ہی پل میں، ہاں، ایک ہی پل میں کاغذ کے صفحے پر بادلوں کے
جھرمٹ اکٹھے ہونا شروع ہو جاتے ہیں،
چاؤ۔ سو ایک اور لافانی انسان ہے۔ پانچ صراحیاں چڑھا لینے کے بعد وہ
خوش خوش نظر آتا ہے اور فصیح و بلیغ گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔
دعوت کے منڈپ میں ہر شخص اُس کی اُن تقریروں کو سُن کر حیران رہ جاتا ہے۔"

پوچو آئی

لی پو کی قبر

"سائی شیح، دریا کے کنارے

"لی۔پو کی ڈھیری ہے۔!

گھاس کے اُن غیر محدود میدانوں کے درمیان

جو بادلوں والے آسمان کے نیچے پھیلتے چلے گئے ہیں!

افسوس، گھاس پھوس کے اُس کھیت کی زمین کے نیچے

اُس انسان کی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں،

جس کی تحریروں نے، ایک وقت تھا کہ

زمین اور آسمانوں کو ہلا ڈالا تھا!

سبھی شاعر بد قسمت ہوا کرتے ہیں

لیکن اے میرے آقا!

تم سے بڑھ کر بد قسمت کوئی نہیں۔

گیشاؤں کے گیت

"ان گیتوں کا ترجمہ انگریزی ترجمے کی طرح آزاد نظم میں کیا گیا ہے۔ تاکہ اصل کی طرح ایک غیر منظم گیت کی صورت رہے اور نفسِ مضمون اور رُوحِ موضوع کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ نیز ایک آدھ جگہ فضا کو ہندوستانی رکھا گیا ہے تاکہ نامانوس اسمائے معرفہ مطالعۂ شعری میں ایک ناگوار رُکاوٹ پیدا نہ کرسکیں۔" (میراجی)

---

(۱)

اسلوب

کسی تیتری کی طرح پھڑ پھڑاتے،
کسی گرتے پتے کی مانند تھرکتے،
میں کس طرح ناچوں ؟

---

(۲)

اختلاط

یہ دو دل، یہ خلوت!
بہت دُور ہر ایک سے، زندگی سے،
خموشی، سکون ہے!
وہ کہتی ہے "سننا ہواؤں کا نغمہ"
"صنوبر کی شاخیں بھی لہرا رہی ہیں"

---

(۳)

تنہائی

میں اُٹھتی ہوں اور دیکھتی ہوں،

میں سوتی ہوں اور دیکھتی ہوں،

مسہری کے پردوں کی وسعت میں کھوئی ہوئی ہوں!!

---

(۴)

نیند کے دھوکے

یہ سپنوں کی ملاقاتیں

اُداسی ان پہ چھائی ہے!

اچانک چونک کر آنکھیں کھلیں جس دم۔

اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا،

مگر معدوم تھا وہ ہات، لحظہ بھر

چھُوا جس کو!

---

(۵)

یادِ ایّام

خزاں آ کے چھا جائے لوگوں کے دل پر،
بسنتی سمے کے مسلسل خیال،
نہ بھولیں گے مجھ کو، نہ بھولیں گے مجھ کو

---

(۶)

ننھّے سونے لمحے

گئی نیم شب، جاگ اٹھی نیند سے اب،
اِدھر دیکھتی ہے، اُدھر دیکھتی ہے؛
کوئی بھی نہیں ہے!
فقط اور جھولا دراز آستیں کا
اِدھر جھولتا ہے، اُدھر جھولتا ہے!

---

(۷)

برہا

ساون کی برکھا کا دن ہے،
ایک اکیلی عورت اپنے گھر کی کھڑکی سے تکتی ہے!

---

(۸)

گھاٹ

دھوپ میں سوکھیں گیلے کپڑے،
کیا آتے ہیں سُکھ سیجوں سے؟

---

(۹)

آخرِ شبِ عشرت

پیلے چند امرجھائے،
کوئل کوکے، تڑپائے،
لمحے آئے،
جدائی کے!

---

(۱۰)

سنّیاسن

گھر سے کبھی نہ نکلی، لیکن
برساتی طوفان میں آئی،
تنہا!
مندر کے زینے پر!

---

(۱۱)

واسوخت

زرد اور پژمردہ دن!
پردہ ہائے روزن و دَر چیر کر،
چھا رہا ہے شام کے ماحول پر،
میرے دل میں نشترِ غم بھی یونہی،
چُبھ کے جاری کرتے ہیں پژمردگی!
اور میں گنتی ہوں اُن کرنوں کے تار،
ہو رہی ہیں روزن و دَر سے جو اس دم آشکار!
گنتی جاتی ہوں میں یوں کرنوں کے تار،
بے خیالی میں یونہی،
ہاں یونہی ـــــ!

---

(۱۲)

شامِ انتظار

جلسۂ عشرت کی شام،

اپنے بالوں میں سجائے میں نے پھول،

آہ! لیکن وہ نہ آیا لوٹ کر!

اور یونہی بیٹھی رہی میں منتظر!

وقت کی عادت ہے یہ

ایسے لمبے سُونے دن

سُونے سُونے دن کے ڈھیر،

کرتا جاتا ہے اکٹھے سال میں!

(۱۳)

اشنان

آج دریا میں نہائی!

جسم اپنا میں نے دھویا پاک پانی کی مصفا لہر میں!

اب ہماری باہمی رنجش دُھلی!

ہاں اُھلی!

اور اُس نے آکے اُلجھایا مرے بالوں کا جال

بے قرینے ہے مرا سارا سنگار!

میں اُسے دل سے بھُلا دوں گی یونہی!

لیکن اپنے دل سے میں یکسر نہ بھولوں گی اُسے!

منتظر ہوں میں، بہار!

آئے اور دونوں کے دل کا حال کر دے آشکار

---

(۱۴)

میرا دل

مرا دل ــــ مرا دل، یہ ساون کی برکھا!

بہت شوخ، چنچل ہے جیون کا جھولا،

گھٹاؤں کے دُھندلے سے پردے میں گم ہے!

کوئی خُوب صُورت،

کوئی خوب سیرت،

مگر، میں نہیں آہ! قسمت کی پیاری!

گراتی ہے پتّوں کو بادِ بہاری!

تو کیا زندگی بھر میں تنہا رہوں گی؟

کہیں پیڑ پر کُوک اُٹھتی ہے کوئل!

یہ ساون کی برکھا، مرا دل! مرا دل!!

---

(۱۵)

ناپائدار

آہ فانی ہے محبت، اور میں
دیکھتی ہوں خواب سطحِ آب کے!
جب چلائی ہم نے کشتی، اور مہماں تھے شبِ مہتاب کے
جسم ہے محدود اور محصور، آہ!
اور خیالوں کا ہے جھُرمٹ بے کراں!
آہ! میری زندگی کے واقعات،
مانتے ہی کب ہیں میرے دل کی بات؟!
میں اُسے خوابوں میں یوں دیکھا کروں،
سُونی سیجوں پر یونہی رویا کروں،
اور مندر میں بجیں یوں گھنٹیاں!

(۱۶)

تاریکی

رات ہے تاریک،
میرے دل کے تار؛
جاگ اٹھے ایک گہری نیند سے!
میرے دل میں چاہ کا طوفان ہے۔
اور تم کہتے ہو خلوت میں چلیں!
رات کی تاریکیوں میں آہ! پنہاں ہیں کئی اسرار بھی!
اور ہے خوابوں کا جھرمٹ بھی سیاہ!
کالی کالی سایوں والی سیج پر!
اور ہماری گفت گو سرگوشیوں میں کھو گئی!
آہ! یوں گم ہو گئی۔

---

(۱۷)

نشۂ گل

ہرکارہ سیاں سے لایا،
جوہی کے پھولوں کی ڈالی،
اور سندیسہ بھول گیا!

---

(۱۸)

پھُلواری میں بسنت

میں آئی چمن میں،
کھلے پھول دیکھوں
مگر دیکھتی ہوں،
کہ پھولوں کے پرزے لٹکتے ہیں ہر سُو!

---

(۱۹)

تنہائی

وہ آئیں گے پھولوں کو ہاتھوں میں لے کر،

اِسی نرم، ورصاف سے راستے پر!

اُسی رات چاند آئے گا آسماں پر!

(۲۰)

جمنا کے تیر

جمنا جل کی چال یہی ہے، دھیرے دھیرے ہلکی سی!

اور کنارے پر کھلتی ہیں کلیاں ننھی ننھی سی!

کلیوں کے کھلنے میں یہ راگ سنائی دیتا ہے!

کوئل کے گانے میں جیسا راگ سُنائی دیتا ہے!

کلیاں خوشبو کی مستی سے، کوئل گیت سے متوالی!

لہریں، ہوائیں ناچے جائیں جھوم رہی ڈالی ڈالی!

ہم دونوں بھی آج ملے ہیں، برہ کی تلخی بھولے گی!

اور ہماری ناؤ دھیرے دھیرے کنارا چھولے گی!!

کوریا کی قدیم شاعری

۱
قدیم ترین گیت
۱۷ قبل مسیح

سنہرے راستے پر زرد کرنوں میں

کھڑا ہوں میں تن تنہا!

یہ سب میرے ہیں' میرے! — کھیت چاول کے!

سنہرا راستہ میرا!

یہ سب میرے ہیں' میرے ہیں!

مگر اک بات حاصل ہی نہیں مجھ کو،

تمنا دل میں ہے جس کی!

یہیں اک پیڑ پر دو زرد طائر پیار کرتے ہیں۔

مگر یہ کس نے گاتے ہیں اتنی شادمانی سے؟

لی چونگ ۲

چین کو سفر پر جاتے ہوئے

(۱۵۵۴ء)

"یہ کارواں سرائے اک مثال ہے سکون کی،

کنارِ جوئے آب پر!

کنارِ جوئے آب پہ ہیں زرد زرد پیڑ سر نکال کر کھڑے ہوئے،

فضائے نیستان سے!

یہاں یہ نرم نرم نیلگوں غبارِ آسمانِ صبح کو

شکستہ کر رہے ہیں پارہ ہائے ابرِ دُر فشاں!

یہاں پہ شام ایک ریشمی علم بنی ہوئی،

چھا گئی۔

کوہ کی چٹان پر!

سفر کے دن خطوط بن کے جلوہ گر ہوئے رُخِ فسردہ پر،

مگر میں جانتا نہیں،

کہ کوئی ساعت اس سے ہو سکون میں رچی ہوئی،

مرے خیال اس طرح ہیں جس طرح ہوں جھاڑیاں،

کنارِ جوئے آب پر چھاں چھاں!

یہ میرے نغمے موجہ ہائے آبشارِ خواب ہیں!"

لی ان لو ۲

عہدِ نو پر خیالات

شمع جلتی ہے، یہ شعلہ ہے کہ تو مرمر کی،
شانہ جاتا ہے مرے بالوں میں ایسے . . . . ایسے . . .
اب چلا ایک طرف، — اب یہ چلا ایک طرف۔
سر ہے اب صاف مرا!
مُردہ جو بال تھے وہ گر کے زمیں پر بکھرے!
تازہ اور چُست کیا، باندھ لیا پھر سے انھیں[1]
کاش! اس طرح سے ہم ملک میں شانہ کر دیں،
حرص کو اور حماقت کو روانہ کر دیں،
ہاں اسی طرح سے پژمردہ خیالوں کو نکالیں دل سے!
اور نئی قوتیں پیدا کریں دشمن سے نبٹنے کے لئے!
شمع جل جل کے بجھی، لو وہ بجھی — لو وہ بجھی!
مرمریں شعلہ لرزتا ہوا خاموش ہوا،
نیند میں ڈوب گئیں ساری امنگیں دل کی!

---

[1] کوریا کے مرد بھی پنجاب کے سکھوں کی طرح بلکہ جنوبی ہند کے باشندوں کی طرح سر کے مختصر بالوں کو جوڑے کی صورت میں لپیٹ کر باندھ لیا کرتے تھے۔

چوانگ چونگ

۴

رات کا وقت

مشعلِ سیمیں کا نور

نور ــــ بے دود و فغاں!

ساتویں طبقے سے گہری نیند کے،

مجھ کو لے آیا اشاروں میں یہاں!

ایک سایہ ہے صنوبر کا در و دیوار پر،

اور چلمن پر مری،

سایہ آسا کوہ ہے!

میرے گھر میں زندگی بھی آج اک سایہ سا ہے!

مجھ کو کچھ احساسِ بیداری نہیں،

نیند کا احساس بھی معدوم ہے!

ایک موسیقی ہے اس گہری خموشی میں رواں!

کیا صنوبر میں ہے یہ بادِ پریشاں کی صدا،

اور یا پارہ ہے ایسے گیت کا،

جس کا حامل ہے کوئی سازِ نہاں؟

کواک کو

۵

دُور و نزدیک

(بارھویں صدی عیسوی)

پربت کی فضائیں،
اک عرصہ گزرنے پہ ہیں ہم دونوں ملے آج،
ہم دونوں — جوانی میں جو اک جان تھے — اک جان!
چندا کے اُجالے میں کئے کام — کئے کام،
ہم دونوں نے مل کر،
حتیٰ کہ ہوئی صبح، گئی رات کی رانی!
لیکن ہمیں اب دُور کیا بیتے دنوں نے،
ہاں، تم نے نگاہوں کو ہٹایا،
"گلزار"[1] کے در سے!
"گلزار" کا ہر برگ بلاتا رہا بے کار،
تم لوٹ کے کب آئے؟ — نہ آئے!
بس، چرخ پہ اُڑتی ہوئی کونجیں،

---

[1] گلزار کے معنی زنان خانہ ہے۔ (میر جی)

اور ابر کے پارے،
تھے سر پہ تمہارے،
تم چلتے گئے، چلتے گئے، چلتے گئے تم!
تھے شام و سحر پیرہنِ جسم تمہارے،
اور ساغرِ مہتاب تھا تمہاری رضا پر،
تم نوش کرو تاکہ مئے ماہ کے ساغر!
اب دیکھتا ہوں تم کو، جھجکتا ہوں،
مرے لب پہ ہے اک قفلِ خموشی!
اب کیسے ملیں روحیں ہماری؟

لی چان یون

۲

کنجِ عزلت میں دوست سے ملاقات

(بارھویں صدی عیسوی)

"رات ــــ ہاں کل رات تھا ماہِ خزاں،
اور پروازِ وداع[1] تھی عیاں!
آج آمد[2] ہے تری،
لوٹ کر آئی بہار؛
جب تلک فرقت مری ساتھی رہی،
میں تھا اور تیرے خیال،
رات کو کہتا تھا میں یوں چاند سے،
جھانک کر روزن سے دیکھ آئے تجھے!
تاکہ جب لوٹ آئے پھر اس کوہ پر،
دوست کی حاصل ہو مجھ کو کچھ خبر!
آہ! لیکن چاند چپکا ہی رہا!
وہ نہ پہنچا، وہ نہ لوٹا اور نہ اُس نے کچھ کہا!

---

[1] کونجوں کے اڑ کر رخصت ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ (میراجی)

[2] آمدِ بہار سے مسرت کی تازگی مراد ہے۔ (میراجی)

جب کبھی دھیان آ گیا مجھ کو ترا،

میں نے بس سوچا یہی،

جب تنگ آ جائے گا تو اپنی مصروفیتوں سے، اے ندیم!

آ، اُتار اپنی کلاہ،

گیسوؤں کو اپنے آزادی دلا!

دُور کر دے گی ہوا سر سے ترے گردِ جہاں!

اور اس سنگین بستر پر ذرا آرام کر،

پُرسکوں دل اپنے پہلو میں لئے۔

میں نہیں کہتا صنوبر کے شجر خاموش ہیں،

ان کی ہلکی ہلکی سی سرگوشیاں کوئی نہیں!

لیکن ان کے دل میں سازش کا گماں کوئی نہیں!

پاسبانِ انجم تلاشِ عیب میں لرزاں نہیں!

ابر کے دامن میں خنجر کوئی بھی پنہاں نہیں!

نئی دھانگ

گورو کا خیال کرتے ہوئے

(۱۹۵۰ء)

"شام کا وقت ہے آکاش پہ بھورے بادل،
جمع ہو ہو کے چلے، ان سے بنا اک جنگل!
جھومتا جھولتا دریا بھی چلا جاتا ہے!
سمت پچھم کی وہ چپ چاپ بہا جاتا ہے،
قلبِ لرزاں کو لیے پہلو میں ہوں میں بھی رواں!
اُسی رستے پہ، وہ اک روز خراماں تھا جہاں!
میرا آقا! انہیں رستوں میں، یہیں رہتا تھا،
ہل چلاتا ہوا کھیتوں میں یہیں رہتا تھا!
ایسے گیانی کے خیالوں میں جو ڈوبے کوئی!
وقت دُھندلا کے مٹے، یاد نہ پھر آئے کبھی!
ماہ سے جیسے ہر اک لمحۂ فلک ہے روشن،
رُوح اس کی بھی یونہی نور کا تھی اک مخزن!
قلۂ کوہ کی مانند تھی، اس کی ہستی،
تھی بلندی کو رواں بھول کے ہر اک پستی!
ان پہاڑوں کی خموشی کا شکوہِ ابدی،

عمر بھر کے لئے اس روح کا تھا اک ساتھی!
اُس کے دل میں نہ تھی دُنیا کی تمنا کوئی،
ہیچ تھی دہر کی ہر بات نظر میں" اس کی!"

پی کیو یو

۸

صبح کی آمد

(بارھویں صدی کے آخر میں)

زاغ اپنے آشیاں میں محوِ گویائی لبِ دریا پہ ہے،
جانتا ہوں میں سحر ہونے کو ہے،
زرد ہوتا جاتا ہے سیمیں رُخِ ماہِ تمام!
ہیں یہ لہریں خراماں!
جیسے سائے بادلوں کے چاند پر،
اور نسیمِ صبح گاہی جاگ اُٹھی!
اس جگہ ___،
جس جگہ کھاتے ہوئے خم جھولتے ہیں کچھ شجر!

اور اس گہری خوشی میں کہیں سے ــــ دُور سے ـــــ
ایک نغمہ آرہا ہے بے نشاں رفتار سے بہتا ہوا،
رفتہ رفتہ ہوتا جاتا ہے وہ یوں آتے ہوئے۔
نزد سے نزدیک تر!
رات کا ہر اک مچھیرا جا رہا ہے اپنے گھر کو لوٹ کر،
اُجلے پھُولوں سے ہیں اُن کے پیرہن!
جس طرح اجلی ہیں کرنیں چاند کی!
دونوں گویا ایک ہیں!
یہ کوئی روحیں ہیں یا انسان ہیں، مجھ کو نہیں اس کی خبر!
رفتہ رفتہ اُن کے نغمے مٹ گئے!

پی کیو یو

۹

رخصت

گرے پتوں سے، پھولوں سے بنا گلزار میں بستر،
ہے سویا موسمِ گل کا بسنتی دیوتا اس پر!
فلک پر چاند ب دُھندلا چلا ہے، آخرِ شب ہے،
مگر سویا ہوا ہے دیوتا، وہ ہوش میں کب ہے؟
یکایک نیند میں اُس نے کیا محسوس یوں، گویا
کوئی گُل نکہتِ شبنم کو اُس کے پاس لے آیا،
ہوئی جب نیند سے دوری وہ ہنستے ہنستے جاگ اُٹھا،
اور اپنے بسترِ گلہائے تر کی قید سے نکلا؛
بنا تھا بوئے گُل کے نشّے سے مخمور، مستانہ،
تلاشِ عشق میں ہر سمت وہ پھرنے لگا تنہا!
وہ اپنی کیفیت کا اب کسے ہمدم بنائے گا؟
وہ شفتالو سے اپنے عشق کا اظہار کر دے گا!
مگر عشووں نے اُس کے دیوتا کو ہے تھکا ڈالا!
تو کیا خوبانیوں کا پیڑ اُس کے دل کو بھائے گا؟

'نہیں اس میں بھی اک تندی ہے دل اس پر نہیں آتا!
مگر اک پھول کے پودے کا پیراہن تھرکتا ہے،
چمکتا ہے کہ گویا کوئی پروانہ لرزتا ہے!
اور اس کے برگہائے سُرخ میں لرزش ہوئی پیدا!
بسنتی دیوتا کا نام اِس لرزش میں جاگ اٹھا
یہی اب ہمدمِ کیفیتِ مخمور ہو جائے،
یہی گل جس سے بڑھ کر آسماں بھی پھول کب لائے؟
فلک پر چاند اب مٹنے لگا ہے، آخرِ شب ہے،
وہ شعلے صبح کے آئے، وداعِ ماہ کوکب ہے!
صدا آتی ہے دُھندلی سی کسی دوری سے قدموں کی!
سحر کی اب حکومت چھا گئی، گلزار خالی ہے!
جلوسِ رنگ و گل کی گونج ہی محسوس ہوتی ہے!
گری جاتی ہے ہر پتّی یہ اب حالت ہے پھولوں کی!
سحر کی اب حکومت چھا گئی گلزار خالی ہے!
صدا کچھ آنسوؤں کی کان میں رہ رہ کے آتی ہے!

پی کیو یو

۱۰

ننھّی بچّی کی موت پر

(منثور ترجمہ)

میری ننھی بچی، چمکتی ہوئی برف سے چہرے والی،
خاموش صحن کیسا سُونا معلوم ہوتا ہے،
ایک دن یہیں اُس کے رنگین پیراہن پھولوں میں نظر آیا کرتے تھے!
ابھی دو ہی سال کی تھی کہ میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگی،
جب تین برس کی ہوئی تو بڑی پیاری، بڑی شرمیلی، چپ چاپ تمیز والی،
اس سال وہ چار برس کی ہو جاتی۔ وہ اپنے ننھے سے ہاتھ میں قلم لیتی اور
اور میں اُسے لکھنا سکھاتا!

لیکن وہ تو چلی گئی صرف قلم ہی باقی رہ گیا،
اس گھر کے آشیانے میں رہنے والی میری منّی سی چڑیا!
تو اتنی جلدی کیوں اڑ کر چلی گئی؟
جیسے بجلی چمکے۔ تو آئی اور یونہی چلی گئی، جیسے بجلی چمکے!
گزرتے ہوئے دنوں کو چپ چاپ دیکھتے رہنا میں نے سیکھا ہے،
میں یہ گزرتے ہوئے دن کاٹ سکتا ہوں۔

۱۱

لی سونگ اِن

دوست کا نوحہ

(۱۴۰۰ء)

(۱)

دل ہے بھرپور غموں سے میرا!
جھینگروں کی یہ صدا بارش میں
شادماں شادماں خرّم خرّم
تہقہے یاد دلاتی ہے ترے!

(۲)

چشم لبریز غموں سے میری!
لالہ گوں صبح کا رنگیں پردہ
کوہِ شفاف پہ آویزاں ہے،
گویا ہے تیری عبائے زرّیں،
سُرخ اور سبز سے رنگوں والی!

(۳)

گھر ہے بھرپور غموں سے میرا!
گھر میں جتنی بھی صدائیں ہیں مجھے
طنز کرتی ہیں، سں آواز یہ سب
خواب آسا ہے جو میرے دل میں!

۱۲

لی سونگ ین

خزاں کا گیت

بگولوں کی طرح اڑتے ہیں پتے صحنِ گلشن میں :—
گذشتہ سال تھی آوازِ محوِ رقص قدموں کی ۔
مگر امسال آتی ہے صدا آنسو کے نغموں کی ۔
سیاہ و سُرخ سایہ پیڑ کا پانی کے دامن میں :—
گزشتہ سال قلبِ شادماں مسرور شاعر کا ۔
مگر امسال خونِ سُرخ ہے ہر فردِ لشکر کا !

۱۳

پول۔ کوک

وطن کے مصائب کے خیال میں

(سولھویں صدی عیسوی)

تین مہینے آج سے پہلے!

تین مہینے آج سے پہلے
میں نے کہا تھا اپنے دل سے
"اب کے چاند پہ کٹ جائے گا،
اے دل! تیری دُکھ یہ تیرا!"

آئی بہاریں، چھائی بہاریں،
سوکھے اور مُرجھائے پتّے،
ان سب پر ہریالی چھائی؛
پھول کھِلے، کھِل کر مسکائے،
چاند نیا آکاش پہ آیا!

ساون کی برکھا نے اپنا گھیرا سارے جگ پر ڈالا!
پربت کی چوٹی سے بہتی ہر اک دھارا زور سے گرجی!

برکھا نے جب ایک ہی پل کو،
سانس لیا، اور بیٹھی چپ ہو،
پھلواری میں دادر بولے،
آنسو بن جل نینوں سے برسا،
پھر سے جاری ہو گئی برکھا!

۱۴

(گمنام)

دھوکا

کئی بار دیکھے ہیں میں نے،
ترے لوٹ کر آتے قدموں کے سپنے:
مگر آنکھ کھلنے پہ دیکھا،
صدا تھی وہ بارش کی روزن کے پردے پہ،
اور پیڑ کی ٹہنیوں پر!
یہ کیفیتیں اس قدر دیکھ بیٹھی ہوں ڈر نے،
کہ اب راہ تکتے ہیں، چپ سے،
کہیں آنہ جائے تو برسات کا اک دھندلکا ہی بن کر؛

سیفو

(۶۰۰ قبل مسیح)

ایک عظیم یونانی شاعرہ

۱

ایتھیس[1] کے نام

"میں نے بھی ایک زمانے میں تم سے الفت کی ہے
ایک زمانے میں جس کو اب مدت ہی گزری ہے،
جب کہ میرا بالاپن بھی تھا پیارے پھولوں ایسا،
اور تمہیں دنیا کہتی تھی نادان ہے، ننھی ہے!"

---

[1] پہلے شعر کا ترجمہ منصور احمد کا ہے۔

۲

گیت

دیوتاؤں کی طرح مجھ کو نظر آتا ہے،
سامنے بیٹھ کے جو دیکھتا ہی جاتا ہے،
تری صورت کو۔ تری میٹھی صدا سنتا ہے،
قہقہے کی ترے مستانہ ادا سنتا ہے،
میرے سینے میں مرا دل بھی لرز اٹھتا ہے،
آہ! اک جذبۂ بسمل بھی لرز اٹھتا ہے!
گھٹ کے رہ جاتی ہے سینے ہی میں آواز مری،
دیکھ لیتی ہوں جو اک لمحہ بھی صورت تیری!
گویا منہ ہی میں نہ تھی ایسے زباں ہوتی ہے،
آگ سی جسم میں اک میرے تپاں ہوتی ہے!
میری آنکھوں کو نظر آتی نہیں کوئی شے،
اور کانوں میں بھی اک شور چلا آتا ہے،
لیکن افسوس کہ قسمت میں "نہیں" لکھا ہے،
دکھ ہی سہتی رہوں میں بیٹھی یہیں لکھا ہے۔
زندگی دکھ سے رہائی نہیں دیتی مجھ کو،
موت بھی دور دکھائی نہیں دیتی مجھ کو!

۳

بندِ عشق[1]

اب مجھ کو گرفتارِ محبت نے کیا ہے
سرتا بقدم خوف سے میں کانپ گئی ہوں
تلخی ہے تو شیریں ہے، ستم ہے تو مروّت،
اس راحتِ جاں سوز کو میں بھانپ گئی ہوں
لیکن میری آنکھیں مجھے چھوڑ چکی ہے،
اک غیر سے وہ رشتۂ دل جوڑ چکی ہے!

۴

جل پریوں کا باغ

سیپیوں کی جھڑیوں سے پانی بہتا جاتا گاتے گاتے،
نرمی سے ناچتے جاتے ہیں دھرتی پر پھیلے ہوئے پتّے
یہ نرم بہاؤ پہ چھائے ہیں، کہ نیند کے مستانہ جھونکے،
اور اپنے بس میں کئے جاتا ہے جادو سے دل کو میرے!

---

[1] پہلے دو شعر منصور احمد کا ترجمہ ہیں۔

۵

رات

چاند بھی اب چل دیا ،
اور ستارے بھی گئے ،
رات آدھی چل بسی !
رفتہ رفتہ چلتا ہے
وقت ، لیکن مجھ کو کیا ؟
میں تو ہوں لیٹی ہوئی ؛
چُپ ، تنِ تنہا ، اداس !

۶

ایک نغمہ [۱]

مری اماں! میں کیسے آہ اب چرخہ چلاؤں گی؟
نہیں اٹھتے ہیں میرے ہاتھ، انھیں کیسے اٹھاؤں گی،
مدن کے تیر نے گھائل کیا دل کو، میں ہوں مجنوں،
میں اپنے نوجواں محبوب کی چاہت میں کھوئی ہوں!

۷

گیت

جب رات کی گھڑیاں بیت چکیں آنے کو اُجالا صبح کا ہو
جب کچی نیند ہو آنکھوں میں اک دیوتا سپنے لاتا ہو
یہ بات کٹھن ہے کیسے سہے میرا دل دکھ اور بپتا کو،
میں کیسے ادھورا رہنے دوں اس اپنے دل کی آشا کو؟

---

[۱] "یہ ٹکڑا غالباً سیفو کے ان نغموں سے ہے جو سے آئے دن لوگوں کے شادی بیاہ کے موقعوں پر لکھنا ہوتے تھے۔ (میراجی)

من میں ہے امنگ مرے ایسی میں دُکھ کو آنے نہ دوں ڈل میں
آکاش سے سُکھ جو آن ملے ایسے سُکھ کو تو بھروں دل میں:
جس وقت میں ننھی ناداں تھی، ماں نے کھلونے مجھ کو دیئے:
پھیلا کر ہاتھ لئے میں نے۔ ایسا نہ ہوا میں نے نہ لئے
آکاش سے اب سُکھ ملتا ہے۔ وہ جس کی من میں آشا تھی:
پروان چڑھی ہے بھینٹ مرے ناچوں اور میٹھے گیتوں کی:

متفرقات[1]

۱

"جن سے میں نے بھلائی کی وہی مجھے دُکھ دے رہے ہیں":
شاید انہی بے وفاؤں سے مخاطب ہو کر اُس نے یہ بھی لکھا ہو:
لیکن اس کے باوجود مجھے کلام کے فرشتوں سے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے
اور جب میں مر گئی تو لوگ مجھے بھول نہ سکیں گے":

۲

"میں تمہارے حُسن کو اپنے خیالوں کی بھینٹ چڑھاتی ہوں اور تمہیں
اپنے تمام احساسات کے ساتھ پوجتی ہوں"
ایک جگہ کسی دوشیزہ کو، پکے ہوئے میٹھے سیب سے تشبیہ دیتی ہے:
"جو جھاڑی کی ایک ایسی شاخ پر لگا ہو، جو پھل توڑنے والوں کی
نظروں سے اوجھل رہی ہو، نہیں اوجھل نہ رہی ہو بلکہ وہاں تک
ان کی دسترس ہی نہ ہو سکی ہو":

---

[1] یہ ترجمہ نثر میں ہیں (مرتب)

۳

"دھرتی رنگ رنگ کی مالاؤں سے سجی بیٹھی ہے"۔
اور بلبل کو "بہار کا اشتیاق آمیز آواز والا ہرکارہ" سمجھتی ہے
آشیانوں کے قریب پہنچتی ہوئی فاختاؤں کے بارے میں
"ان کا مقصد پورا ہونے کو ہے، اور وہ اپنے پروں کو ڈھیلا چھوڑ
دیتی ہیں"
اور ایک جگہ رات کا منظر:

جب چاند کی اجلی کرنوں سے سب دنیا جگ مگ کر اٹھی
تب چاند کے ساتھی تاروں کی سب جوت ہوئی پھیکی پھیکی

کیٹولس

۸۷ ق م — ۵۴ ق م

روما کا عظیم رومانی شاعر

۱

بوسوں کی کہانی

کتنی بار بھنورا جا بیٹھے رس پا کر ہر بار ؟
کتنی بار بتا دے پریمی کر لے تجھ کو پیار ؟
اتنی بار بتاؤں، آؤ، کر لے پریمی پیار ،
جتنے ہیں صحرا میں ذرے ۔ اتنی اتنی بار!
چھپ کر رات کو پریمی پریتم بھولیں سب سنسار،

اُن کو دیکھیں جتنے تارے، اتنی ۔ تنی بار،

چاہے پریمی پیار!

جب تاروں سے بڑھ کر تیرے ہونٹوں کا مرت پائے،

تب یہ تیرا پیاسا پریمی من کی آگ بجھائے،

تب جانے، پاگل پن پریمی کے دل سے تب جائے،

دُکھ چنتا پھر لوٹ کے اپنے پاس کبھی نہ آئے،

گن لے جب آکاش کے تارے، تجھے پریم آدھار،

پھر تُو جانے، جی بھر دیں پریمی کا کتنے پیار،

رس پار، ہر بار

۲

پریم بُلاوا

پرتیم پیاری! آؤ جٹیں اور پریم کریں جگ منڈل میں

گیانی، س پر باتیں بنائیں دھیان میں اُن کو لائیں نہیں۔

سورج چاند ستارے سارے اس آکاش کے جنگل میں!

دیکھو یہ پچھم میں چھپ جائیں اپنا روپ دکھائیں نہیں!

دن بیتے، اندھیارا چھائے، سورج ڈوبے مغرب میں
صبح سویرے لوٹ کے آئے جوت جگائے پورب میں،
لیکن جیون جیوتی کا کچھ رنگ انوکھا ہے جگ میں،
بُجھ جائے تو رین اندھیرا، نیند کا جادو رگ رگ میں!
سب دُنیا گر میری مانے، پریم ڈگر کو اپنا لے،
کوئی نہ ہو پھر جھگڑا باقی، ٹوٹیں برچھی اور بھالے۔
جب تک آئے نہ پریم بُلاوا، بولے نہ میٹھے بول کوئی،
جگ کے باسی چین سے سوئیں نیند نہ توڑے ڈھول کوئی
مورکھ سب گیانی اگیانی، پریم کو کیوں بھولے ہیں، ہائے،
یوں تو دُکھ میں جیون بیتے موت سندیسہ سُکھ کا لائے!
جس دم میری جیون جیوتی تھر تھر کانپے اور بجھ جائے،
روتی صورت لے کر اُس دم کوئی نہ میرے گھر پہ آئے!
آئیں جگ کے سارے پریمی اپنی پیتم کو لے آئیں
مل کر سب آنند سے بیٹھیں، پریم کے میٹھے گیت سُنائیں!

۳

ترکِ تعلّق

بُھلا دے عاشقِ ناشاد چھوڑ اب اُس حماقت کو،
جو کھویا، بھول جا اُس کو، کہ یوں پائے گا راحت کو
یہ مانا ہم نے سورج تیرا تاباں اور درخشاں تھا
مگر بیتے، وہ دن بیتے کہ لمحہ لمحہ شاداں تھا
وہ دن بیتے کہ جب تو اُس کے پیچھے پیچھے جاتا تھا
جب اُس کے اور تیرے دل میں بس اک دھیان آتا تھا
وہ عورت جس کو تو نے اس وفاداری سے چاہا ہے
مقابل آج تک جس کا سُنا ہے اور نہ دیکھا ہے
وہ دن تھے جب ترا سورج درخشاں اور تاباں تھا
وہ دن تھے جبکہ گوشہ گوشہ تیرے دل کا فرحاں تھا
مگر اب وہ نہیں ویسی، زمانہ ہو چکا تیرا
بدل دے کیفیت دل کی نہ اُس کے پیچھے پیچھے جا
بنا لے دل کو پتھر اور جو دُکھ آئے اسے سہہ لے!
دُکھوں کے جال میں اب زندگی کو مت اُلجھنے دے

خدا حافظ مری جھوٹی محبت! اب خدا حافظ!
مری محبوب، اے بے رحم عورت! اب خدا حافظ!

میں دل کو آج سے فولاد کے ایسا بناؤں گا ،
ملے گر، ور سے تُو ، دل میں رنجش تک نہ لاؤں گا
مگر آئے گا ایسا ایک دن جس دن کہ تُو ہوگی
اکیلی اور نہ ہوگا پاس تیرے کوئی بھی پریمی !
خدا حافظ ، مگر میں سوچتا ہوں ، زندگی تیری
کسے معلوم مستقبل میں کروٹ کس طرح لے گی
ترے گھر کون آئے گا ، کسے ہنس کر ملے گی تُو ،
کسے وحشی بنائے گی ، یہ تیرے جسم کی خوشبو ؟
ترے حسن و ادا کو کون جی بھر بھر کے دیکھے گا !
وہ ہوگا کون جو ان رس بھرے ہونٹوں کو چومے گا !
مگر خاموش ہوجا ، تھام لے دل کو نہ رو پریمی !
اور اپنے دل میں بھر لے آج سے سختی چٹانوں کی

۴

دوست سے

زندگی روٹھ چکی ہے مجھ سے،
مشکلیں ختم نہیں ہوتی ہیں،
درد بڑھتا ہی چلا جاتا ہے،
ہر گھڑی درد ہے دل کا اور میں

گرچہ آسان تھی یہ بات تجھے
کچھ تو آرام مجھے ہو جاتا
تو نے کوشش ہی نہیں کی، سن کی
تیرے دو لفظ تھے درد دل کا۔

رنج ہے اس کا مجھے، ہاں اب بھی
مجھ کو دو لفظ ہی کہلا بھیجو
دل پہ ہے ایک اداسی چھائی
کچھ تو آرام ملے اس دل کو

۵

بھائی کی قبر پر

کئی سرزمینوں کو چھوڑا ہے پیچھے
سمندر کئی پار میں نے کئے ہیں،
مرے بھائی آیا ہوں تیری لحد پر
کہ جس پر غم و رنج چھائے ہوئے ہیں۔

تری روح کے واسطے چند تحفے
میں ساتھ اپنے اس وقت لایا ہوا ہوں
تری روح کے ساتھ جو اب ہے سایہ
میں کہنے کو دکھ سکھ کے آیا ہوا ہوں۔
چُرا کر تجھے اندھی دیوی، یہاں سے،
جہاں لے گئی رات چھائی ہوئی ہے
وہاں میری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں
تری شکل، جو دل کو بھائی ہوئی ہے
اسی واسطے چند تحفوں کو لے کر،
ترے آخری گھر پہ آیا ہوا ہوں۔
یہ تحفے مرے آنسوؤں سے ہیں بھیگے:
بس اب الوداع یاں سے، میں جا رہا ہوں!

۶

وعدہ

تُو کہتی ہے چاہت اپنی بھرپور مسرّت سے ہو گی
تُو کہتی ہے اس چاہت سے ظاہر ہے رنگ ہمیشہ کا
میں کہتا ہوں، یہ بات تری اک قول بنے پکّا، سچّا
جو بات کہی ہے ہونٹوں سے یہ گو نجے تیرے دل میں بھی
اور جیون کے رستے پہ سدا ہاتھوں میں تھامے ہاتھوں کو،
دونوں چلتے جائیں، دل پر چاہت کا سُنہری بندھن ہو

۷

محبّت کی مسرّت

آرزو میں جب اچانک اک نشے کا رنگ ہو،
زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی راحت ہے کہاں!
میری آنکھیں دیکھتی ہی جائیں تیرے روپ کو،
میں یہ کہتا ہوں کہ بہتر اس سے دولت ہے کہاں

آرزوئیں میرے دل کی آخری دم پر ہی تھیں
جب اچانک لوٹ کر تو پاس میرے آگئی ،
اب تو میرے دل میں غم کا نام بھی باقی نہیں
عیش ہے اب عیش ہے، دن عیش کا رات عیش کی،
اس سے بڑھ کر کوئی نعمت دیوتاؤں نے نہ دی،
مجھ سی خوش بختی کہاں پائے گا کوئی آدمی؟

متفرقاتِ کیٹولس

۱

"مجھے معلوم ہے میں اب ہی پری ہو نہیں سکتا ،
مجھے اُس کی وفا نا آشنائی دیکھنی ہوگی ،
حسد اور رشک کو اب دل میں آنے ہی نہیں دونگا،
کہ اندھا بن کے اس کی بے وفائی دیکھنی ہوگی"

۲

"اس دل کو نہیں اب پاس ترا، چاہے تو سچا سونا ہے
میں تجھ کو پوجتا جاؤں گا، مجھ کو تو رونا دھونا ہے
اپنی من مانی کرتی جا، جو ہونا ہے وہ ہونا ہے"

۳

ایک اور نظم میں بھی یہی بات ہے:

"یہ بات یہاں کہہ دیتا ہوں، ہاں اب میں تجھ کو جان چکا
اب قدر ہے کم اس دل میں تری، بڑھ کر ہے جوش محبت کا!"

۴

محبت بھی ہے مجھ کو اور نفرت بھی مگر اس کا سبب کیا ہے
مجھے معلوم ہی کب ہے یہ حالت ایک رہتا ہے۔

۵

سِسرو سے خطاب

"روما کے ان تمام عالم سپوتوں سے،
جو اس وقت ہیں، جو پہلے ہو چکے اور جو آئندہ ہوں گے،
کوئی بھی تیرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔
اس لئے میں جو ایک معمولی غزل خواں ہوں۔
تجھے کہ وکلا میں بہترین ہے۔
تیرے مرتبے کے مطابق دعا دیتا ہوں"

۶

سیزر

"اے سیزر! میں تیری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا،
مجھے اس کی پروا ہی نہیں کہ تو گورا ہے یا کالا،
کیونکہ مجھے تیری خوشنودی منظور نہیں ہے۔"

سہ نمبر ۵، ۶ نثری ہیں۔

جہاں گرد طلبا کے گیت

(بارہویں صدی عیسوی کے جہاں گرد اور خانہ بدوش یورپی طلبا کے لاطینی گیت)

۱

شرمیلی محبّت

بسنت رُت کی شوبھا دیکھو، پھولی سب پھلواری!
پیارے پیارے دن ہیں سارے، راتیں بھی ہیں پیاری!
سجی ہوئی ہے سُندرتا سے موہن دھرتی ساری!
بیت گئیں پت جھڑ کی گھڑیاں، اب ہے سُکھ کی باری!
لیکن پریم کا گھاؤ ہے من میں میرے پریتم پیاری!
رہ رہ کر اک درد ہے اٹھتا، آنسو بھی ہیں جاری!

کیسے دُکھ سے پیچھا چھوٹے، آئے سُکھ کی باری!
جب تک دُشمن جائے نہ مجھ سے، کیسے مٹے دکھ بھاری؟
دَیا کرو، ہاں، دَیا کرو، اب آکر مجھے سنبھالو!
اپنے ننھے، پیارے دل کو میرے دل میں پاؤ،
اپنے پریم کے رنگ میں میرے پریم کا رنگ ملاؤ،
پریم پجارن بن کر یوں جیون کے انت کو پالو!

Hasnain Sialvi

۲

آمدِ بہار

لو آگیا ہے لوٹ کے موسم بہار کا،
راحت سے درد مٹ گیا قلبِ فگار کا،
غم گیں خیال دُور ہوئے، کھو گئے تمام
احساس اب نہیں ہے کسی اضطرار کا،
زرّیں شعاعِ مہر نے پھیلا دیا ہے نُور،
منظر ہرا بھرا ہے ہر اک سبزہ زار کا،
دورِ خزاں کو آج ہوئی ہے شکستِ فاش،
نیزہ لگا ہے دل میں بہاریں سوار کا،

اب ابرِ غم فضا میں کہیں بھی نہیں رہا،
ہر دل پہ کیف چھا گیا ہلکے خمار کا،

۳

دعوتِ عمل

صحیفوں کو اٹھا ڈالو   تفکّر کو بھلا ڈالو
کہ ہیں نادانیاں شیریں   جنوں سامانیاں شیریں
بہار آئی ہے — آئی ہے   مسرّت ساتھ لائی ہے!
اب آغازِ جوانی ہے   محبت کی کہانی ہے!
تفکّر کام پیری کا   تفکّر نام پیری کا۔
جوانی ... اور آزادی   سُبک بادِ صبا ایسی!
جوانی ایک سپنا ہے،   یہ بس دو پل کو اپنا ہے!
صحیفوں کو اٹھا دو تم،   تفکّر کو بھلا دو تم!
جوانی پھر نہ آئے گی   جوانی آہ! فانی ہے!
مسرّت مُنہ چھپائے گی   یہ اک شب کی کہانی ہے!
جوانی کو نہ یوں کچلو!   نہ ان پھولوں کو یوں مسلو!

صحیفوں کو اٹھا دو اب!
تفکّر کو بھلا دو اب!

۴

خلوت

چار سو چھائی خزاں، چلتی ہے سرما کی ہوا،
برگ پژمردہ گرے جاتے ہیں پیڑوں کے تمام
اب تو خاموشی ہے، خاموش پرندے سارے
جب تک اس دہر پہ طاری تھا بہاروں کا سماں
آنکھ کے واسطے گلزار کھلے تھے ہر سو،
لیکن انسان کے غم کی تو حقیقت ہی نہیں
اس سے سو درجہ زیادہ ہے پرندوں کا الم
ان کے دل کو نہ ہوئی، اور نہ ہوگی تسکیں
میرے دل کا ہے مگر آج جدا ہی عالم
ہاں، مرے دل کو کوئی غم ہی نہیں، غم کیوں ہو
جب مرے پہلو میں وہ ہستیِ پُر افسوں ہو
آج وہ مان گئی، مان گئی بات مری
آج تو دن ہے مرا دن ہے مرا رات مری

آج تو جیت ہی لی پریم کی بازی میں نے!
آخر کار کیا ہے اُسے راضی میں نے!
اس کی چتون میں تبسّم ہے ہمیشہ قائم!
شوخیٔ و عشوہ گری کام ہے اس کا دائم!
سانس میں کیف ہے، ور آنکھ میں اک نور بھی ہے!
نرم سے سینے میں اس کا دلِ مخمور بھی ہے!
وہ مجھے دیکھتی ہے، دیکھتی جاتی ہے مجھے!
اور ہر لمحے میں دیوانہ بناتی ہے مجھے!
آہ روکے کوئی روکے کوئی میری مستی!
اس نے تحلیل ہی کر ڈالی ہے میری ہستی!
ایک بوسے میں مری روح کا رس چوس لیا
ایک بوسے میں مجھے بے خود و بے ہوش کیا
اس سے بڑھ کر ہے بھلا کھیل کوئی من بھاتا!
دل پہ قابو ہی نہیں، دل ہے یہ نغمہ گاتا!
آہ، لو مان گئی آج وہ باتیں میری!
اب تو دن میرے ہیں، دن میرے ہیں راتیں میری!

محبّت کے شبہے

کیا ہے وعدہ جو اس نے، وہ شیریں ہے،
مرے بے چین دل کو وجہِ تسکیں ہے،
اسی وعدے سے دل میں گرمیاں پیدا ہوئی ہیں اک تمنا کی!
اُمیدیں مجھ سے کہتی ہیں کہ آئے گی،
کرے گی آج وہ اقرار کو پورا ۔۔۔۔ تسلّی رکھ!
مگر شک لوٹ آتے ہیں۔
مرے دل کو ستاتے ہیں،
کہ شاید تیری امیدیں نہ بر آئیں،
کوئی بے رحم لمحہ پھول کو دل کے کچل ڈالے!
اچانک ٹوٹ جائے رشتۂ اُمید ہی سارا!
بس اک ہے، ایک ہے مرکز خیالوں کا،
کہ جیسے اک ستارہ ہو فلک پر ۔ دور ۔ وسعت میں!
ہیں اس کے ہونٹ مدھ والے،
ملائم، پھول کی پتی سے، اور میٹھے،
تبسم میرے ہونٹوں پر بھی آتا ہے اسی کی مسکراہٹ سے!
اور اس کی آرزوئے عشق دل میں آگ بھر دیتی ہے اک پل میں،
جب عشقِ آتشیں سے جامِ دل لبریز ہو جائے،

تو پھر درد و اذیت کی تھکن سے رُوحِ انسانی،
تنزل گیر ہوتی ہے!
دلِ عاشق کو مہلک آرزوئے عشق تڑپاتی ہے فرقت میں!
یونہی میں بھی شکوکِ تلخ کا مغموم ہوں ہمدم،
کوئی دُکھ اِس سے بڑھ کر اس جہاں میں ہو نہیں سکتا،
میں عشقِ بدگماں کے آتشیں طوفاں میں جلتا ہوں... جلتا ہوں!
ذرا دیکھو، کہ یوں بیکار بیتے جا رہے ہیں مختصر لمحے!
بس اب ہے اک ذریعہ زندگی کا، میں جو پیتا ہوں،
شرابِ آتشیں جامِ محبت سے!

۶

سُونا موسم

چپکے چپکے جنگل،
جن کی بو میں اب کب تھرکے اس پنچھی کا راگ!
جو ساون میں کہتا تھا یہ "جاگ، نیند کو تیاگ!
روتے، روتے جنگل،

سرو و صنوبر اُونگھ رہے ہیں، تھک کر ہیں ہلکان،
پہلی بات مٹی ہے ایسی، گویا ہیں بے جان —!
پت جھڑ والے جنگل،
کیسا غم ہے؟ پت جھڑ فانی، ساون ہے کیا دور؟
جلد آئے گا پھر وہ سماں بھی، سب ہوں گے مسرور!
خوشیوں والے جنگل!

ناکام

تلخیٔ ایّام کو نغموں میں کھو دیتا ہوں میں،
درد بڑھتا ہے مگر حد سے تو رو دیتا ہوں میں!
ہنس اپنے آخری لمحوں میں جیسے گائے گیت
موجِ موسیقی میں یوں غم کو ڈبو دیتا ہوں میں!
میرے چہرے پر نہیں باقی جوانی کی بہار!
اشتیاقِ آرزو سے دل ہے پژمردہ، فگار!
ہر گھڑی رنج و الم بڑھتے ہی جاتے ہیں مرے!
شمع بجھتے ہی فضا ہو جائے گی تاریک و تار!
آہ یارو! مرنے کو ہوں، مرنے کو ہوں ناشاد میں!
ہو گیا برباد میں، لو، ہو چکا برباد میں!

عشق ہے فطرت مری، اتنی ہے مجبوری مجھے
اُس کی چاہت دل میں ہے جس کو نہیں ہوں یاد میں!

۸

انکارِ محبت

گوری پریت کرے، پر بولے — "کون آنسو کے موتی رولے؟
پیت نہیں ہے میرا کام!"
دل کا بھید چھپائے دن میں — جیسے بیلے ہو، مخمل میں!
لیکن، انگ انگ یوں بولے — سو لے، پیت کی نیند میں سولے
پی کر مدھ مستی کا جام!
اتنی ضدی اور کٹھور! — یوں اٹھلائی، جیسے مور!
لیکن دل پی بِن ہے خالی! — انگ انگ جوں ڈالی ڈالی!
ہلتی، جھومتی، اور لہراتی — نامعلوم سے نغمے گاتی!
بات کرے تو کھوئی ہوئی سی! — آنکھیں جیسے سوئی ہوئی سی!
آنکھوں پہ حلقے چھائے ہیں! — پتلی پتلی، کالی دھاری!
چاند ہیں دو، درد والے ہیں! — روپ کی راتیں ہیں اجیاری!
پیلے پیلے بے رس گال! — ہلکی، سوچتی سوچتی چال!
ٹھنڈی آہیں چغلی کھائیں! — دل کا سارا بھید بتائیں!

پھولی پھولی سانس ہے کیسی! — کیوں دل کی دھڑکن ہے ایسی!
کام دیو! آؤ! آجاؤ! — آؤ! تیر پہ تیر چلاؤ!
پیت کا اگنی جال بچھاؤ! — ایسی بھڑکتی آگ لگاؤ!

مُنہ سے بول اٹھے بے چاری
ہاں تم جیتے، اور میں ہاری

۹

پیت کا گیت

گاؤ! گاؤ! پیت کے گیت!
جن سے من کو ہو آرام،
آج مرے کومل من میں،
دُکھ کا نہیں ذرا بھی نام!
خوشی، محبت اور ہنسی،
آج بنے ہیں میرے میت!
آج مرا من شاداں ہے،
گاؤ، گاؤ، پریت کے گیت!
گاؤ، گاؤ، پیت کے گیت!

جیون سُکھ ہی سُکھ ہے سارا!

ساون آیا اور چلی ! !

من کی ندی ، پریم کا دھارا

آخر اس دل کی بر آئی !

آج ہوئی ہے اپنی جیت!

جیت ہوئی ہے آج ہماری

گاؤ ، گاؤ پیت کے گیت!

۱۰

مے خانہ

حیات گرم رو ساکن ہے، ساکن زندگی ساری

چمکتی ہیں شعاعیں روشنی کی سطح مینا پر!

شرابِ آتشیں مینا میں ساکن ہے!

ہیں ساکن دست و بازو مے کے متوالوں کے مستی میں!

پھلوں کا رس نکل کر چھوڑ کر گہوارۂ طفلی

ہوا ہے منجمد ذہنوں سا کی لہروں میں،

در و دیوار ساکن ہیں!

ہیں آدھ رہ ہوئیں ساکن و معدوم سی ہستی!

غم و افکار ساکن ہیں
نشاط و عیش کی ہستی نہیں باقی!
ہر اک انسان کے جذبے،
عدم سے جا ملے ہیں چند لمحوں کے لئے اور یوں
فضائے ہائے دہر یکسر،
بنی ہے مرمریں منظر!
اکیلا ایک ساغر ساکن عہدِ فراموشی!
شرابِ آتشیں مینا میں ساکن ہے!
حیاتِ گرم رَو ساکن ہے، ساکن زندگی ساری:

فرانساء وِلاں

(۱۴۳۱ —— ؟)

پندرھویں صدی کا عظیم فرانسیسی شاعر

۱

محبُوبہ کی موت

موت سے، موت ہی سے شکوہ شکایت ہے مجھے
موت ہی دہر میں اک وجہِ مصیبت ہے مجھے!
موت نے چھین لیا مجھ سے مری راحت کو،
موت سے ہو نہ سکا دیکھے مری راحت کو!
دشمنی اب تو رہے گی مرے دل میں تیری،
جب تلک جانِ جہاں مل نہ سکے گی میری!

موت ہی میری طریقہ ہے، ملا دے ایسے!
دشمنی اپنی مرے دل سے مٹا دے ایسے!

جب سے سینے سے مرے تو نے جدا اس کو کیا،
مجھ میں قوّت ہی نہیں باقی، تو جینا کیا ؟
دو تھے ہم، دو تھے، مگر دل تو ہمارا اک تھا،
سانس بھی ایک تھا، جینے کا سہارا اک تھا،
اور جو وہ مر گئی، اب مجھ کو بھی مرنا ہے ضرور!
مجھ کو بھی موت کے رستے سے گذرنا ہے ضرور!
ورنہ جینا مرا جینا نہیں، مرنا ہوگا!
زیست بھی موت کے صحرا سے گذرنا ہوگا!

(۲)

الوداع

الوداع! اشک سے لبریز ہیں آنکھیں میری
الوداع! اب نہ نظر آئے گی صورت تیری
الوداع! مہر و محبّت! تجھے اب سے رخصت!
الوداع! قلبِ حزیں، درد و کرب سے رخصت!
الوداع! جانِ جہاں، رُوئے حسیں، اب رخصت!
تیرگی آئی ہے، اے ماہ جبیں! اب رخصت!
اب تو تقدیر میں ہی لکھی ہے فرقت تیری!
الوداع! اشک سے لبریز ہیں آنکھیں میری!

---

(۳)

جو ہوتا میں راجہ!

جو ہوتا میں راجہ، مری جاں!

جو ہوتا میں راجہ!

کئی مُلک قبضے میں کرتا میں،

پھر تیرے قدموں پہ جھکتے،

ہر اک ملک کے رہنے والے!

وہ کھاتے تری مست آنکھوں کی قسمیں،

ترے کالے بالوں کی، ہونٹوں کی قسمیں،

ترے نرم ہونٹوں کی، بالوں کی قسمیں،

وہ کھاتے!

ہمیشہ وفادار تیرے وہ رہتے،

ہمیشہ وفادار میں تیرا رہتا،

ہمیشہ وفادار تو میری رہتی!

تو لاتا میں ہیرے،
میں لے آتا موتی،
کئی لعل نیلم تجھے لا کے دیتا،
یہ دُنیا انگوٹھی کا ہوتی نگینہ!
ستاروں کی مالا گلے میں لٹکتی
یہ چاند اور سُورج بھی ہوتے،
ترے نرم اور گرم سے جسم کے بے بہا اور انمول گہنے!
تجھے لا کے یہ کچھ میں دیتا مری جاں!
جو ہوتا میں راجہ مری جاں!
جو ہوتا میں راجہ!

مگر میں بھلا دوں یہ وحشی سے سپنے!
جنوں خیز الفاظ دل میں نہ آئیں،
اور اونچے خیال آسماں کے نہ لائیں!
زمیں کے ہیں تُو اور میں رہنے والے!
کہیں دور تن میں،
برانداکے بن میں،
مجھے دے رہی ہے سُنائی
کنھیا کی بنسی!

یہ سُر ہیں کہ جادُو
جنہیں سُن رہی ہے۔
کوئی سالونی، مست، رَس والی گوپی،
کنھیا کی رادھا، کہ گوکل کی رانی!

یہ سُر ہیں محبّت کی باتیں کہ جن سے
پریتم کو سُندر سے سُندر بنادیں۔
پریمی کی آنکھیں!
یہ سُر ہیں محبت کے جادو کہ جن سے۔
پریتم کو اپنا بنالیں،
پریمی کے جذبے!

تجھے بھی میں اک گیت ہی لا کے دیتا مری جاں!
جو ہوتا میں راجہ مری جاں!
جو ہوتا میں راجہ!

---

(۴)

موت

گدا کی موت ہو یا شاہ کی، جس کی بھی موت آئے،
یقینی بات ہے اتنی کہ موت آئے تو دُکھ لائے!
ہر اک دُکھ سے ہے بڑھ کر موت کا لمحہ اذیّت میں،
نہیں ہے موت کو تفریق غُربت اور امارت میں!
جب آئے سانس کی تنگی، ہوا معدوم ہو جائے،
نظام جسم میں، ہل چل سی اک معلوم ہو جائے،
پسینہ چھوٹے پیشانی پہ، ہر رگ میں تشنّج ہو،
بہاؤ خون کا رُک جائے، اک اُلجھن پڑے دل کو!
خدا محفوظ رکھے سب کو اس دن کی اذیّت سے،
خدا کس کے بس میں مخلصی کا اس مصیبت سے!
کسی بھی شخص کو مرنے کے دُکھ سے کب رہائی ہے؟
مرا وہ جس کی آئی، اور مرے گا جس کی آئی ہے:
نہیں ماں باپ کے بس میں چھڑانا اس مصیبت سے،
نفس جو آخری ہوگا، ملائے گا وہ راحت سے!

ہر اک انسان کے دل میں ہے لرزش موت کے ڈر سے
جب آیا موت کا لمحہ، گئے ہوش و خرد گھر سے!
عجب اک بے حسی کا کیف چھایا ذہن پر یکسر!
اور اک زردی نے اپنا گھر بنایا آکے چہرے پر!
رگیں سب تن گئیں اور سانس نے بھی ہار ہی مانی
ہوا سب گوشت ڈھیلا جسم کا، ہر چیز ہے فانی!
گلوئے نرم پھولا اینٹھ کر تندی سے شدت سے!
پڑا اعصاب پر اک زور، اس کاری اذیت سے
وہ ہر اک جسم جو اب زینتِ آغوشِ عاشق ہے
جو اس دم حسن و خوبی میں مسلّم ہے کہ فائق ہے
وہی ہر جسم جس کو نرم اور شیریں سمجھتے ہیں
وہی ہر جسم جس پر سینکڑوں افراد مرتے ہیں!
اُسے بھی آخری لمحے میں دُکھ کا سامنا ہوگا!
سفر پر آسماں کے ساتھ سب کے اک خدا ہوگا!

---

(۵)

بُلاوا

سُندر ناری! گوری کاری! ہلکی بھاری! سب آؤ تم!
دُبلی پتلی، چھوٹی موٹی! کچھ مجھ سے بھی سُن جاؤ تم۔
لمبی پھوٹی سی گردن، ابھرا سینہ، موہن جوبن،
یاں آؤ تم، یاں لاؤ تم، یاں آؤ! مجھے دکھلاؤ تم!
یہ نین نشیلے، مدماتے، یہ گال رسیلے للچاتے،
یہ بال رنگیلے لہراتے... ہاں اِن میں مجھ کو پھنساؤ تم!
یہ روپ جوانی دو دن کی، پھر قدر نہیں ہوگی ان کی،
اب دل کا سودا کر لو تم، چاہو اور چاہی جاؤ تم:
جب رُوپ نہیں تو پریت نہیں، جب پریت نہیں جینا کیسا؟
اس جوبن سے کچھ کام بھی لو، برتو بھی اور برتاؤ تم!
کیا دیر ہے اب؟ کیا سوچ ہے اب؟ یہ وقت نہ پھر سے آئے گا،
اب وقت تمہارے ہاتھ میں ہے، ہاں اس میں چین اُڑاؤ تم!

• • • •

اک دن دُھولے ہو جائیں گے جو بال تمہارے کالے ہیں،
نینوں کا نشہ ہلکا ہوگا، جوبن سے جو متوالے ہیں!
سب جسم میں جُھرّیاں دیکھو گی، اور خود سے نفرت ہوگی تمہیں
یہ باہیں ایسی سوکھیں گی جیسے کہ سوکھے ڈالے ہیں!
آنکھوں کا رس بہہ جائے گا، یہ گال تمہارے پچکیں گے!
کانوں کو سنائی کیا دے گا، جن میں سونے کے بالے ہیں!
یہ موہن جوبن ڈھلکے گا، یہ سیدھا قد جُھک جائے گا،
یہ روپ جوانی فانی ہے، یہ دھوکے مٹنے والے ہیں!
کیا سوچ ہے؟ آؤ عیش کرو، اک دن یہ مُنہ سے نکلے گا،
"جو ساون تھا اب پت جھڑ ہے، جو نغمے تھے وہ نالے ہیں!"

---

(۶)

نازنینوں کا نوحہ

کہاں ہیں کنھیا کی اب گوپیں؟
برندا کے بن کی ہری ڈالیاں؟
ہواؤں سے ہل ہل کے ہیں نوحہ خواں!
یہی کررہی ہیں وہ ہر دم فغاں!

کہاں وہ زمانے، کہاں اب وہ دور!
ہے بن کا سماں اور اب رنگ اور!

کہاں ہے مراری کی رادھا کہاں؟
کہاں ہے وہ جنگل کی شاما، کہاں؟
کہاں رام چندر کی سیتا، کہاں؟
وہ میواڑ بستی کی میرا کہاں؟

وہ جلوے نگاہوں سے اب کھو گئے!
کہیں دور جا کر سبھی سو گئے!

کہاں ہیں وہ اِندر کی پریاں کہاں؟
کہ جن سے بنا رنگ سارا جہاں؟
جوانی سے اُن کی جہاں تھا جواں؟
جوانی گئی، اب، جوانی کہاں؟

ہیں تاریکیاں ذہن پر چھا گئی!
اُداسی سے ہے رُوح گھبرا گئی!

کہاں ہے وہ اُوما؟ کہاں ہے سَتی؟
کہاں بھگوَتی اور پاَروتی..؟
کہاں ہے بہادُر کی رُوپاستی؟
جو تھی عشق کی آگ میں جوستی!

نہیں، آہ دُنیا میں اب رانیاں!
یہ دنیا ہے رہنے کی بستی کہاں؟

سونمبر کی سنجوگتا ہے کہاں؟
بتائے کوئی آج اُس کا نشاں؟
برندا کے بن میں جو تھیں نغمہ خواں!
کہاں ہیں کنھیّا کی سب گوپیاں؟

ہوا عشق کا نام، بیتی سی بات!
عدم ہو گئی زندگی کی وہ رات!

پرانا عروجِ شہانہ گیا ؛
جوانی کا رنگیں فسانہ گیا ،
وہ اندازِ روز و شبانہ گیا !
زمانہ گیا ، وہ زمانہ گیا !
گیا حُسن خُوبانِ دل خواہ کا !
ہمیشہ رہے نام اللہ کا ..!

پُشکن

(۱۷۹۹ء۔۔۔۱۸۳۷ء)

روس کا ملک الشعرا

(۱)

اکیلی سندری

طوفانوں کا دن بیتا !

طوفانوں کی اندھی رات !

کالا کاجل سا گھونگٹ !

گھونگٹ اوٹ چھپا آکاش !

دھندلے جھنڈ درختوں کے ؛

پتلی ، سوکھی ہر ٹہنی ؛

جیسے بازو بھوتوں کے ؛
دھندلے جھنڈے پردے سے ،
نکلا چاند مسافر سا ،
ہر شے ، ہر منظر میری روح میں لائے تاریکی !
دور ہی دور دھندلکے میں چاند بکھیرے کرنوں کو ؛
اور ہوائیں ساری ہے شام کی گرمی لہروں میں !
اونچے پربت کا دامن ،
پہلو میں اک وادی ہے !
وادی میں اک ندی ہے ،
نیلے منڈل کے نیچے ،
ہلکے ہلکے بہتی ہے !
اور ندی کے کنارے پر ،
بیٹھی ہے اک سندرتا !
سندرتا سی اک دیوی !
چپکی چپکی کھوئی سی ؛
محزون اور اکیلی ہے !
کوئی نہیں ساتھی اس کا !
.... کوئی نہیں پریمی اس کا .
جو اس کا دل بہلائے ،

اپنے دل کی باتوں کو نغموں میں کہتا جائے !
کوئی نہیں ہے پریمی جو ،
چھُو لے ننھے ننھے پاؤں !
دھیرے دھیرے پھر پھر کر
رس کی مستی میں کھو کر ،
چُومے ننھے ننھے پاؤں !
کوئی نہیں جو شانوں پر ،
بکھری زلفوں کو چھیڑے !
چُنے پھول محبّت کے !
اور جوانی سے نم دار
ہونٹوں کے رس میں کھوئے !
ننھے ننھے آموں کے مدھ مستی میں جھُولے لے

کوئی نہیں پریمی اس کا ،
اس کو حاصل کوئی نہیں ،
کوئی نہیں ہے کوئی نہیں !
اس کے قابل کوئی نہیں !
لیکن گر یوں ہو ، گر یوں ...
(چپکے چپکے میں جاؤں)

(۲)

زِندگی

خمارِ بادۂ دوشیں کی تلخیاں لے کر،
مرے دماغ میں ہے یادِ عشرتِ ماضی،
مگر شرابِ کہن سال ہو کے رہتی ہے،
یوں ہی ہیں عمر کے ہمراہ تلخیاں گہری،
ہے راستہ مرا تاریک، اور مستقبل،
بس ایک بڑھتا ہوا فکر کا سمندر ہے،
مگر اذیتیں سہہ کر ہوں نقشِ نو تخلیق،
یہ اک اکیلی تمنّا ہی دل کے اندر ہے!
مجھے تو زندگی جاوداں سے رغبت ہے،
گریز موت سے ہے مجھ کو، اور نفرت ہے!
میں جانتا ہوں مسرت وہیں نہاں ہوگی،
ہزار غم ہوں، اذیت ہو، اور اندیشے؛
سنوں گا نغمہ میں پھر سازِ آسمانی کا،
اثر کے آنسو نکل آئیں گے تخیل سے!

یہاں تک آخری غمناک لمحہ آئے گا،
اُجالا پھیلے گا اک عشق کے تبسّم کا!

---

(۳)

پیغمبر

(منثور ترجمہ)

"میری روح پژمردہ تھی اور تشنہ اور تاریک ویرانی میں میں راہ سے بھٹک گیا اور دوراہے پر مجھے چھ پروں والا ایک فرشتہ دکھائی دیا اور اس نے میرے پپوٹوں کو چھوا اور اس کی انگلیاں نیند کی طرح ملائم تھیں اور کسی گھبرائے ہوئے عقاب کی مانند میری آنکھیں کھل گئیں اور فرشتے نے میرے کانوں کو چھوا۔ اور انہیں شور اور آوازے سے لبریز کر دیا اور میں نے عرش اعظم کو تھرتھراتے ہوئے سنا اور بلندیوں پر فرشتوں کے اڑنے کی آوازیں بھی میں نے سنیں۔ اور زیرِ آب حیوانوں کی حرکت مجھے سنائی دی اور وادی میں اُگتی ہوئی انگور کی بیلوں کی آہٹ میرے کانوں میں آئی۔ وہ فرشتہ مجھ پر جھکا اور اس نے میرے ہونٹوں کو دیکھا۔ اور اس نے میری گناہوں سے آلودہ زبان کو اکھیڑ پھینکا۔ اور اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے تمام بے کار باتیں اور برائیوں کو دُور کر دیا۔ اور اس کا دایاں

ہاتھ خون سے بھر گیا۔ اور اس نے میرے زخمی ہونٹوں کے درمیان سانپ کی دانا زبان لگا دی۔ اور اس نے تلوار سے میرا سینہ چیر ڈالا۔ اور اس نے میرے لرزاں قلب کو نوچ لیا، اور میرے سینے میں ایک بھڑکتی ہوئی آنچ رکھ دی میں صحرا میں کسی نعش کی طرح لیٹا ہوا تھا ـــــ اور پھر مجھے صدائے ربانی نے پکارا اور مجھ سے کہا "پیغمبر! اٹھ اور ہوشیار ہو جا۔ اور سُن :۔
میری رضا کو دل میں لے کر بحر و بر پر جا اور میرے کلام سے لوگوں کے دلوں میں اجالا پھیلا۔

---

(۴)

سنجوگ

مستِ عشرت کا کوئی مول نہیں

میرے قریں!
نفس کی بہجتِ مستانہ، غضب، سرجوشی،

ان کی قیمت ہی نہیں!

بازوؤں میں مرے اک سانپ کی مانند کوئی

جسمِ حسیں

اینٹھتے اینٹھتے بل کھاتا ہوا اک اُلجھن میں،

اس کی قیمت ہی نہیں

میرے قریں،

تیز تر ہاتھوں کے سہلانے سے

زخم کے خوف سے، اور ہونٹوں کے چھُو جانے سے

ایسی تحریک سے وہ پاس ہی لے آتی ہے۔

کھیل کی آخری پیچیدگیوں کے لمحے!

اس جھجک سے مجھے تم اور رِجھا لیتی ہو

درد انگیز مسرت کا مجھے

جلوہ دکھا دیتی ہو!

ایک خوں ریز خوشی ہوتی ہے پہلو میں تمہارے حاصل:

کئی لمحے مرے جاری ہی رہے عرض و نیاز

آخر کار تمہارے دل میں

جاگ اٹھا نغمۂ راز

بجھ گیا شعلۂ ناز

اور تم مان گئیں، مان گئیں، مان گئیں!

ایک نرمی سے تھے لبریز تسلیم و رضا،

شائبہ ان میں کوئی مست مسرت کا نہ تھا!

سَرد مہری تھی حیا کی دل میں،
تُم کو پروا نہ تھی اس کی کوئی،
ہے مرا کیفِ جلی ایک سوال!
تُم کو لازم ہے کہ دو اس کا جواب!
تُم کو پروا نہ تھی اس کی کوئی،
سَرد مہری تھی حیا کی دل میں!
لیکن اک بار اٹھا شعلۂ جرأت تمہارے دل میں!
ایک تیزی سے بغل گیر وہ پھر ہو ہی گیا،
مرے شعلے سے!

---

(۵)

اِختلاط

حریفِ نگہ، پیرہنِ جسمِ سیمیں کے پسپا ہوئے ہیں،
اور اب مسلا مسلا، سہانا سا اک ڈھیر ہے فرشِ مخمل پہ ظاہر!
کسی نے سنی ہلکی ہلکی صدا خامشی میں؟

صدا میٹھی باتوں کی، سرگوشیوں کی،
صدا لب کی گل چینیوں کی۔
ادھوری سی اک گنگناہٹ
تھی احساس کی ایک خاموش آہٹ!
حجابِ معطّر کی گم گشتہ لہریں
نہیں رقص کی شوخیوں میں!
سنو! تم سنو تو!
یہ دو دل ملے ہیں
کہ بجلی کے طوفان گہری فراموشیوں سے اٹھے ہیں؟!

---

(۶)

بے اعتمادی

اپنی باہوں کا حلقہ، سُندر انگ پہ جب ڈالا،
اور مُنہ سے بولی باتیں، (پریم کی میٹھی برساتیں)
خاموشی کے نغمے میں، تو اس نازک لمحے میں،
ہٹ کر میرے پہلو سے، توڑ کے بندھن حلقے کے،
کلیاں پیارے گالوں کی سُنبل کالے بالوں کی،
مُجھ سے دور ہٹا کر یوں، بولی، سُن، کیوں ہے مجنوں
مرد، وفا؟ یہ ناممکن! ناممکن یہ باتیں ہیں؛
یہ سب تیری گھاتیں ہیں؛ تو بھولا یہ ناممکن!

---

(۷)

انجام

شبِ عشرت کے آخری دم تھے!
ہم جُدائی کو ہو گئے تیار!
دورِ جامِ شراب ختم ہوا!
آہ! مثلِ حباب ختم ہوا!
رات کی بات خواب ہونے لگی!
اور عدم کا جواب ہونے لگی!
کھویا خاموشیوں میں نغمۂ زار!
پھر بھی لب حاملِ تبسم تھے!
رُخ پہ دونوں کے اجنبی سے نقاب!
چھلیے، لیکن تھا بے قرار شباب!
ہم نے ہل جُل کے شب میں گائے گیت
آہ! دو ملے، مختصر سی پریت!
اپنے ذہنی فضا میں دہرانے!
ہار تھی دو دلوں کی یا تھی جیت؟

جس نے دامِ خیال پھیلائے!
رات کی یاد رہ گئی باقی،
اب نہ وہ مے ہے اور نہ وہ ساقی!

---

(۸)

تیاگ

چل دے، چل دے، چل دے دوست
میں تیار ہوں، چل دے دوست!

جس بستی کو جی چاہے   تیرا، مجھ کو لے جائے!
میں تیار ہوں چلنے کو   تیرا ساتھی بننے کو،
پیچھے پیچھے چل دوں گا   اس بستی کو چھوڑوں گا!
چھوڑوں گا یہ تنہائی!   بن جاؤں گا ہرجائی!
چھوڑوں گا اس خلوت کو   اک دیوی کی مورت کو
چاہے اتر کو جائے،   خون جماتی سردی میں!
چاہے پورب کو جائے   نین لبھاتی، زردی میں!

جس بستی کو چل دے گا　　میں بھی ساتھ ہی چل دوں گا!
میں تیار ہوں، جاؤں گا،　　اس بستی کو چھوڑوں گا!
چھوڑوں گا اس بستی کو،　　اپنے دل کی دیوی کو!
لیکن اتنی بات بتا،　　اس نکتے کو تو سلجھا،
یوں پردیسی ہونے سے　　یوں دوری میں رونے سے
بوجھل دل ہلکا ہوگا؟　　اور دیوی کو بھولے گا؟
یا لوٹے گا رستے سے　　رک کر آگے جانے سے؟
واپس پھر ان قدموں میں　　جن کو چھوڑ رہا ہے یوں،
اور گر گر کر سجدوں میں
ہو جائے گا پھر مجنوں؟

---

(۹)

سپنا

اب ہیں پیارے ! اب ہیں مجھے

دل کہتا ہے کلفت جائے   سُکھ کی رت ہو، سکھ لوٹ آئے !
دن کے پیچھے دن آتا ہے   پہلا دن چلتا جاتا ہے !
میں اور تو ، کہتے ہیں ، آؤ   جیون کا نقشہ تو بناؤ
دیکھو اوجھے ، نیارے بھاؤ   جیون مَدھ سے مستی لاؤ !
لیکن یہ سب تو مایا ہے   اک چلتا پھرتا سایہ ہے
جگ میں کیوں جینے پہ بھروسہ   جینے کے ہے ساتھ ہی مرنا !
جگ میں خوشیاں کس نے دیکھیں؟   سکھ کی گھڑیاں کس نے دیکھیں؟
مکتی ، سکھ ، آنند کے جلوے   مَرجانے پر ہی دیکھوگے !
بیتے سالوں اور جنموں سے   ذہنی خلوت کے سپنوں سے
میں نے سُن رکھا ہے نغمہ   سُکھ کی من موہن گھڑیوں کا !
میں نے دیکھ لیا ہے رستہ   سُکھ سندرتا کی بستی کا !

سکھ کی مے کے جام وہاں ہیں
راحت اور آرام وہاں ہیں !

---

(۱۰)

محبّت

تجھے اک الم ناک جذبے سے رغبت ہوئی ہے!
تجھے چشم خوں ریز کیسے پسند آگئی ہے،
گر تجھ پہ چاہت کی دیوانگی کی
گھٹا چھا چکی ہے
اگر زہرِ غم تیرے خوں کے ہر اک ذرۂ بے ثمر سے لپٹ کر جدا ہو چکا ہے
اگر ذہنِ فانی میں فرقت کی راتوں کے بے رنگ لا انتہا، تلخ لمحے گزر کر چکے ہیں،

کبھی سولی سیجوں سے پہلو ملا ہے،
تمناؤں کا بوجھ دل نے اٹھایا ہوا ہے،
فریبِ مسرّت نے دھوکے دیئے ہیں،
محبّت کی بوندوں سے لبریز آنکھیں،
یوں ہی رو کے مدہوش ہوتی رہی ہیں،
یوں ہی بسترِ غم کی بے کیف سی سلوٹوں میں،
تمنائے ناکام الجھن سے آلودہ ہو کر سلجھتی رہی ہے،

اگر ایسی حالت سے صحبت رہی ہے،
تو پھر غم کے خوابوں میں تسکین کیسی ؟
تجھے چشمِ خوں ریز کیسے پسند آگئی ہے ؟
بہانے ہیں بے کار افسردہ دل سے ؛
یہ سُن لے ، یہ سُن لے ، میں کہتا ہوں تجھ سے ،
نہیں تیرے دل میں محبت کا نشہ !
تجھے اک المناک جذبے سے رغبت ہوئی ہے !
اگر ایسی حالت میں مدہوش ہو کر گذارے گا — !
یہ انجام ہوگا ،
کہ تو اپنی بے مہر، محبوب ہستی کے قدموں کو چھوکر ،
یونہی اپنی خوں رنگ شبنم بہاکر ،
یوں ہی تھرتھراتے ہوئے ، زرد ، پژمردہ ہونٹوں سے تو
دیوتاؤں سے فریاد ، نالے پکاریں کرے گا
مجھے میری دُھندلی بصیرت ہی دے دو !
مرے سر سے بے مہر ، ظالم تصور مٹا دو !
بہت سال چھائی محبت کی وادی
مگر پھول آرام کے میرے دل نے نہ پائے !
مجھے میرے بچھڑے ہوئے چین سے پھر ملا دو !
مگر آہ ! تاریک یادیں
محبت کے بے رنگ نقشے ،
ہمیشہ ترے سُونے پہلو میں ہوں گے !
اور آزادیاں خواب ہوں گی !

فریڈرک ہولڈرلن

(۱۷۷۰ء — ۱۸۴۳ء)

منثور ترجمہ

میں چُپ چاپ اکیلا بیٹھا ہوں،
دُنیا کے توہین آمیز رویے نے مجھے رنجیدہ کر دیا ہے۔
میں آوارہ گردی کرتا ہوا جنگل میں آنکلا ہوں۔
اے قدرت تیرے شاعر بہت زود رنج ہوتے ہیں۔
وہ بہت جلد آنسو بہانا اور نوحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔
یہ برکت والے شاعر اُن بچوں کی طرح ہیں،
جنہیں، ممتا کی ماری، ماں سینے سے چمٹا لیتی ہے۔
اگر یہ تمام شاعر جو بد دماغ ہیں، و رما لکانہ خود دار دیوں سے لبریز ہیں،
تھوڑے عرصے کے لئے چُپ چاپ خاموشی سے بھی راستے پر چلتے جائیں تو جلد ہی پھر بھٹک جائیں گے
یہ تجھ سے کشمکش کرتے ہوئے جاتے ہیں لیکن تُو انھیں چھُوتی بھی نہیں، اے محبوب قدرت!
اگر اِن پر مہربانی کی نظر رکھی جائے تو یہ خوش اور نیک رہتے ہیں۔
اور بہت خوشی سے ہر ایک حکم بجا لاتے ہیں،
اے ماں! تو بھی جس طرح چاہتی ہے نرمی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

ایڈگر ایلن پو

(۱۸۰۹ء——۱۸۴۹ء)

امریکہ کا تخیّل پرست شاعر

(۱)

اکیلا

دائیں بائیں جو لوگ تھے اُن سا نہ تھا بچپن ہی کے زمانے سے

مری آنکھ نہ اوروں کی آنکھ سی تھی مرے جذبوں کا رنگ نرالا تھا

مرے دُکھ کو کوئی نسبت ہی نہ تھی لوگوں کے رونے رلانے سے

مرے عیش و مسرت کی لہروں کا سب سے ڈھنگ نرالا تھا۔

جو کچھ بھی مجھے مرغوب ہوا۔ وہ صرف مجھے مرغوب ہوا،

جو شخص مجھے محبوب ہوا وہ صرف مجھے محبوب ہوا
وہ دورِ طفولیت جس کو اندھا طوفاں بن جانا تھا۔
وہ دور جو زیست کے دن سے پہلے آنے والا سویرا تھا،
اُس دور میں ہی اِس بھید کے بندھن نے میرے دل کو گھیرا تھا
یہ بھید کہ جس کو نیکی بدی کی گہرائی سے آنا تھا۔
آنا تھا اندھے دھارے سے، آنا تھا مچلتے چشمے سے،
آنا تھا چٹان کے دوارے سے، اونچے پربت کے پردے سے
سرگرداں سورج سے آنا تھا، میری زیست پہ چھانا تھا،
وہ سورج جس کو خزاں میں افق پہ سونے کا رنگ چڑھانا تھا
اُس برق سے آنا تھا اُس کو جو چمک اٹھتی ہے گھٹاؤں سے
اور شور سے رعد کے آنا تھا، آنا تھا روتی ہواؤں سے۔
آنا تھا ان طوفانوں سے جو سب کا دل دہلاتے ہیں
اور اک آوازِ مجسم بن کر دنیا پر چھا جاتے ہیں
اُن بادلوں سے آنا تھا جو آکاش پہ ڈیرا جماتے تھے،
اور میری نگاہوں میں کالے بھوتوں کے جھنڈ بناتے تھے۔

(۲)

مرے ہوؤں کی روحیں

(۱)

تاریک خیالوں کا جھرمٹ بے رنگ لحد کے کونے میں
تیری ہستی کو لپٹائے گا تنہائی کے بچھونے میں
اُن لمحوں میں اِس دنیا کا گستاخ ہجوم بے پایاں
جانے گا نہ کوئی بات تری تُو ہوگا ہر ایک نظر سے نہاں

(۲)

وہ کُنجِ عزلت ہوگا لیکن اُس میں نہ ہوگی تنہائی
چپ چاپ ہی تکتے رہنا ہاں، ہونٹوں پہ ہو مہرِ خاموشی
اُن لوگوں کی روحیں جاگیں گی اِس دنیا میں سامنا تھا جن سے
کچھ سائے نظر آئیں گے تجھے چلتے چلتے ---- اور ساکن سے
پھر دیکھے گا تو اُن کی رضا تیری ہستی پر چھائے گی
آواز رہے سینے میں نہاں، ہونٹوں پہ ہو مہرِ خاموشی!

---

(۳)

آکاش کا منڈل رات کو صاف تو ہوگا، مگر غم آئے گا
اور انجمِ رخشاں میں بھی یہاں کا اُجالا نظر نہیں آئے گا
یہ اُجالا جس میں آس دمکتی مورت بن کے جھلکتی ہے
یہ اُجالا جس کی ہر اک کرن اونچے منڈل میں چمکتی ہے
وہ نجمِ رخشاں لہو کے دھبّوں ایسا رنگ دکھائیں گے
وہ تھکن جو تجھ پر چھائی ہوگی اُس کو اور بڑھائیں گے
اور تیرے لہو کی گردش میں اک ایسی گرمی لائیں گے
جس کی سوزش سے خون کے ذرّے انگارے بن جائیں گے

(۴)

سب اک پل میں مٹ جائیں گی یہ باتیں جو تیرے دل میں ہیں
وہ گھڑیاں پھر نہ دکھائیں گی نظارے جو اس محفل میں ہیں
جیسے شبنم کے اڑنے پر شبنم کا نام گیاہ میں ہے
ان باتوں کا ہے حال یہی اُن کا حاصل اک آہ میں ہے

(۵)

وہ سامنے دور پہاڑی ہے اور اُس پر کہرا چھایا ہے
اور بہتی ہواؤں نے اپنے ہونٹوں پر قفل لگایا ہے

یہ کُہر دھندلا دھندلا ہے ذرّے ذرّے میں سمایا ہے
اَن مِٹ ہے، لافانی، جیسے لوہے سے کسی نے بنایا ہے
یہ کہرا ایک اشارہ ہے پیڑوں کے سروں سے چھلکا ہے
بھیدوں کے بھید نہاں اس میں، یہ تو بھیدوں کا دھندلکا ہے"

۳

سورگ باشی، سے

یہ تُو ہی تھی جس کی خواہش کا — جذبہ مرے دل کے اندر تھا
سرسبز جزیرہ سمندر میں — اک چشمہ تھا، اک مندر تھا

پھل پھول تھے پریوں کی بستی کے
پھل پھول تھے سب میرے میرے!

سندر سپنا تھا، مٹ بھی چکا — اُمید کا شعلہ راکھ بنا
"بڑھتا جا، آگے نکلتا جا" — آگے ہی آگے چلتا جا"

آتی ہے یہی آواز مجھے
اب آنے والے زمانے سے

لیکن ماضی اب آنکھوں میں　　اک دھندلی خلیج کی صورت ہے
رہتی ہے وہیں پر روح مری　　حیران ہے چپ کی مورت ہے

آرام کی مے کا پیمانہ
ماضی ہی بنا ہے کاشانہ

لیکن، افسوس کہ مجھ میں نہیں　　اب زیست کے وہ انوارِ حسیں!
وہ شمع بجھی، وہ نور مٹا　　اب کچھ بھی نہیں اب کچھ بھی نہیں

ساحل کی ریت پہ آتی ہیں
لہریں یہ بات سمجھاتی ہیں

کیا سوکھا پیڑ ہرا ہوگا؟　　گھائل پنچھی پَر تولے گا؟
ناممکن - میں تو سمجھتا ہوں　　آئندہ دَور بھی بولے گا!

"اے دکھیا دل" ماضی کے مکیں!
اب کچھ بھی نہیں اب کچھ بھی نہیں!

---

(۴)

ایک خواب

شب کے تاریک تصور میں مجھے لاکھوں بار
خواب آئے ہیں مسرت کے جواب دور ہوئے
خواب بیداری کے جب لائے مگر نُورِ حیات
دل مرا ٹوٹ گیا ــــــ روح مری چوُر ہوئی

اُس کو ہر چیز نظر آتی ہے دن میں اک خواب
جس کی آنکھیں ہوں لگی بیتے زمانے کی طرف
اس کی آنکھوں سے نگاہوں کی کرن مائل ہے
حال کی باتوں کو ماضی میں چھپانے کی طرف

آہ! وہ خواب، وہ اک خوابِ مقدّس میرا،
میں اسے دیکھتا تھا لوگ ہنسا کرتے تھے،
ہاں اسی خواب نے اب تک مجھے خوش رکھا ہے
اس کے ہی نور سے رستے بھی کٹا کرتے تھے

اِس کی کیا فکر مجھے اب ہے جو طوفانی رات
اور وہ نور بہت دور سے آتا ہے نظر
پوچھتا ہوں میں کہ سچائی کے تاروں میں کبھی
ایسی تابانی کا دیکھا ہے کسی نے منظر؟

---

(۵)

کسی کے نام

غرض نہیں مجھے اس سے کہ خاک میں میری
نہیں ہے خاک کا ذرّہ بھی اب کوئی موجود
نہ اس کی فکر ہے: نفرت کے ایک لمحے سے
ہزاروں سال محبت کے ہو گئے نابود!

میں اس کا غم نہیں کھاتا کہ دہر میں جو لوگ
اکیلے رہتے ہیں، مجھ سے زیادہ ہیں مسرور،
مجھے یہ سوچ ہے: میں تو فقط مسافر ہوں
مرے نصیب کی برگشتگی پہ تُو رنجور؟

---

(۶)

جیون کی ندّی

دھیرے دھیرے — دھیرے دھیرے — جیون ندّی بہتی جا
اے عنابی لہو کی بوندو! رُک جاؤ، اب رُک بھی جاؤ
دیکھنے دو تم، دیکھنے دو تم مجھ کو یہ سُندر سپنا،
اُن لمحوں تک جن میں رُکے گا اس بہتی دُنیا کا بہاؤ۔

دیکھو دیکھو! میری آنکھو! اُس کا درد اذیت گھاؤ،
دیکھو کیسے ہر اک آنکھ کی پتلی تیز چمکتی جائے
سُن لو، سُن لو. ان چیخوں کو، یہ آدر کا پیار اگھاؤ
جن میں اُس کی ناامیدی دھندلی دمکتی جائے۔

اُٹھو، اُٹھو اے پاتال کی روحو! اٹھو اٹھ بھی جاؤ،
تیر کے ایسے آنکھ جھپکتے اُس کے دل میں ڈیرہ جماؤ۔
ہیبت! — وحشت! اپنی خون جماتی چیخوں کو لے آئے
جلدی آئے، آکر اپنا نحوست والا جال بچھائے

ہاں، اے میرے دل کی نہرو! خوش ہو جاؤ، خوش ہو جاؤ،
اب بدلے کی مٹھاس کو چکھو، اس کے نشے میں کھو جاؤ،
اور ہاں، تم بھی میرے دل کی نفرت کو دیکھو چپ چاپ؛
کیا ملعون تھا وہ لمحہ بھی جب کہ ہوا تھا اپنا ملاپ۔

---

(۷)

جھیل

جب آئی بہار جوانی کی (من موہن ـ میٹھی کہانی کی)
اس پھیلی پھیلی دُنیا کا اک کونا میں نے ڈھونڈ لیا،
اس کونے سے جو رغبت تھی ویسی نہ کسی سے چاہت تھی؛
ہر ذرہ دل کو لبھاتا تھا اور آنکھوں کو گرماتا تھا،
اک جھیل تھی بن میں کھوئی ہوئی اور گہری نیند میں سوئی ہوئی
اُس جھیل کے سُونے کناروں کو کچھ کالی چٹانوں نے گھیرا تھا
اور ساتھ صنوبر کے لمبے اونچے پیڑوں کا ڈیرا تھا
لیکن جب رات آجاتی تھی اور دُنیا پر چھا جاتی تھی

بے چین ہوائیں چلتی تھیں — اور اُن سے چیخیں نکلی تھیں
وہ گریہ تھا، وہ نغمہ تھا، — وہ نغمہ بھی اک نوحہ تھا،
میں اس نوحے کو سُنتا تھا — اور پہروں ہی سر دھنتا تھا،
اُن روتے روتے نغموں میں — اُن چیخوں والے لمحوں میں
پل بھر جادو مٹ جاتا تھا — ور دھیان مجھے یہ آتا تھا!
یہ کیسی وحشت چھائی ہے — تنہائی ہے؛ تنہائی ہے!
احساس مگر ناگفتہ تھا، — ظاہر تھا پھر بھی نہفتہ تھا،
ہیروں کی کان ملے مجھ کو — یا سارا جہان ملے مجھ کو
میں جھیل کہانی کیسے کہوں؟ — بہتر ہے یہی خاموش رہوں،
وہ سب لہریں تھیں زہر بھری، — ان لہروں میں تھی موت چھپی
جو گہرائی میں بچھونا تھا — اک ایسی قبر کا کونا تھا،
جس میں اُس شخص کو راحت ہو، — (اور ذہنِ رسا کو مسرت ہو)
جو بڑھ کے اس گہرائی کو، — اپنے دل کی تنہائی کو
اس کے ذرّوں میں سمو ڈالے — پہلے منظر کو دھو ڈالے
وہ دھندلی جھیل سنور جائے — اور باغ عدن کا نکھر آئے

طامس مُور

(۱۷۷۹ء ــــ ۱۸۵۲ء)

مغرب کا ایک مشرقی شاعر

(۱)

اب تک نہیں آئی وہ کیوں؟

اب تک نہیں آئی یہاں، اب تک نہیں آئی وہ کیوں؟
کب تک رہوں میں منتظر، کب تک یونہی بیٹھا رہوں؟

دو بار اس گھر کا دیا میں نے جلایا بجھ گیا!
آخر چراغِ عمر بھی، اک دن یونہی بجھ جائے گا!
جانے کہاں ہے اس گھڑی؟ جانے کہاں ہے کس کے گھر؟
ہوگا نہ اس کے دل پہ بھی کب تک مرے دل کا اثر؟

اب تک نہیں آئی وہ کیوں؟ اب تک کہاں ہے کس جگہ؟
اب تک کہاں ہے، کس جگہ؟

دو بار اس گھر کا دِیا میں نے جلایا بجھ گیا!!
اُس کی محبت کا دِیا بھی اس طرح کیا بجھ گیا؟
لیکن مجھے چین آئے کیوں؟ لیکن چراغِ دل مرا،
اس میں نہ ہوگی کچھ کمی، یہ یوں ہی جلتا جائے گا،
یہ یوں ہی جلتا جائے گا۔

افسوس! اُس نے کس قدر کھائی مرے سر کی قسم!
کہتی رہی وہ مجھ سے یہ، آؤں گی میں، کرنا نہ غم!
لیکن جو ہو یوں بے وفا، اُس کی قسم کا اعتبار؟
اس کی بلا سے میرا دل اس کے لئے ہو بے قرار!
کیا فکر اُسے؟ بیٹھا رہوں میں شام سے تا بہ سحر!
مغرور، اور خود کام کو کیسا خطر؟ کس دل کا ڈر؟
کیسا خطر؟ کس دل کا ڈر؟

(۲)

طلسم جاوداں

جس طرح شبنم خموشی میں گرے،
گرتے ہیں آنسو مرے تیرے لئے
جس طرح ماضی میں تھی ہے آج بھی
یادہی آرامِ جاں میرے لئے!

مجھ پہ طاری ہے طلسم جاوداں
تو ہمیشہ ہے خیالوں میں مرے!
نقش ہے دل پر وہ منظر آج بھی،
جیسے پہلی بار دیکھا تھا تجھے!!

تلخ شیرینی مرے جذبات کی
وجۂ دردِ مستقل مجھ کو ہوئی!
جیسے تو آئی اچانک کیوں نہ ہوں
زندگی سے دُور تر بھی ہو گئی؟[1]

---

[1] طامس مور نے یہ دو نظمیں یونانی سے انگریزی میں ترجمہ کیں اور میرا جی نے انہیں اُردو کے قالب میں ڈھالا۔ (مرتب)

(۳)

کسوٹی[1]

شاما کی آنکھوں کے اندر جیسا ہے اُجیالا،
کوئی نہ جانے کس کے کارن ایسا ہے اجیالا!
دائیں بائیں جب شاما اپنے نیناں بان چلائے،
کوئی نہ جانے اُس کے دھیان میں کونسا پریمی آئے!

میرا کے نینوں کو پریمی جب دیکھے رس پائے،
ان کی نیچی پلکیں جن کو لاج جھکاتی جائے!
بھولے سے ہوں اونچی نظریں جیسے بجلی چمکے،
اک پل کے چمکارے ہی سے پریمی کا من دھڑکے!
جگ میں ایسے نیناں لاکھوں جن میں ہے اُجیالا،
لیکن پریم کا میٹھا موہن، ان میں ہے اُجیالا!

---

[1] ترجمے میں اسی نے معرفت کی تبدیلی ہندوستانی ذہن کے لئے رومان انگیزی کی بنا پر کی گئی ہے — میراجی

شاما کا ملبوس سنہرا، جیسے پیلا سونا،
تن کے ساتھ لگا، مانو جل پریوں نے پہنایا!
سندرتا کے سب گن چھپ گئے، دھیان سے تو دیکھو!
روپ کی شوبھا ماند ہوئی، سنگار بھی کام نہ آیا!

میرا کا ملبوس نرالا، ہر اک بات نرالی،
لہرائے، بل کھائے جیسے پون ہو پربت والی!
سندرتا کے سب گن، اپنا روپ انوپ دکھائیں،
تن من دونوں آزادی میں پریم کے تیر چلائیں!
سیدھی سادی، بھولی بھالی، موہن میرا میری!
پیراہن کا روپ بڑھے، ایسی سندرتا تیری!

شاما جب دو چار میں بیٹھے ایسی بات بنائے،
جو سن لے تکتا رہ جائے، تکتا ہی رہ جائے!
کوئی نہ جانے سوچ سمجھ کر گھاؤ لگائیں باتیں!
رنگ جمانے کو ہی یا بجلی چمکائیں باتیں!

میرا کا من ہے، یا ہے اک پریم دیا کا مندر،
سکھ آنند کی مورت اس میں چین ہے اس کے اندر!

سُکھ کی سیج پہ بھی ہے تتی بات تو رو بھی پھیکی
بوجھ سے دب کر ہوتی ہے جو حالت اک پتّی کی!
باتوں سے، اتنا تو مانا سب جگ پچل جانے
پریم دَیا کے رس کو جو پائے، بس وہ پہچانے!

---

(۴)

زود پشیمانی

وقت جو کھو دیا محبت میں
دُور سے دیکھنے میں حسرت میں
نورِ جاں بخش چشمِ میگوں کا
تھا سبب میرے دل کے شُگوں کا
کیف باقی نہیں اُس افسوں کا
بس یہی غم ہے تیرے مجنوں کا
اب ہے ہمدم خیال کا سایا؛
عقل نے لاکھ بار سمجھایا؛

میں نے اک بار بھی نہیں مانی
اور کھائے فریبِ نسوانی!
اس کے ملبوس تھے کتابیں تھیں!
سلوٹوں میں کئی شرابیں تھیں!
وقت کھوتا رہا حماقت میں
دُور سے دیکھنے میں حسرت میں!
دل تھا میرا ڈرا ہوا آہو!
جس کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو!
بوئے نافہ فضا میں بہتی تھی!
ہوش معدوم کرکے رہتی تھی!
مجھ پہ جس وقت وہ نگہ کرتی!
کیسی حالت مری ہوا کرتی!
پھر بھی دُوری میں کہتا تھا اس سے
یہ جنوں اور اور اور بڑھے!

کیا ہوئیں وہ حماقتیں معدوم؟
اب ہے خود دار یہ دلِ محروم؟
پھول وہ زرد ہو چکا ہے کیا؟
جوش وہ سرد ہو چکا ہے کیا؟

اب برانگیختہ نہیں کرتیں؟
دل میں وحشت کو اب نہیں بھرتیں؟
چشمِ میگوں کا وقت بیت گیا؟
زہرِ افسوں کا وقت بیت گیا؟

آہ! کیسے کہوں کہ ہاں بیتا!
وہ زمانہ ابھی کہاں بیتا!
اب بھی جب مجھ کو یاد آتی ہیں
جوش و وحشت کو ساتھ لاتی ہیں
عقل کی ایک بھی نہیں چلتی
دل سے بہتی ہے خون کی ندی!
فرق اتنا ہے پہلی باتوں میں
حسن و نکہت کی مست راتوں میں
وہ مناظر تھے پہلے آنکھوں میں
اور اب ہیں فقط خیالوں میں!

---

(۵)

گیت

میں روتا ہوں مری جاں! آہ میں آنسو بہاتا ہوں،
اور ایسے ملبے، سُونے دن کا ہر لمحہ گذرتا ہے!
جب آئے رات، پھر بھی ہے وہی کام آہ! رونے کا،
نہ تاریکی میں راحت ہے، نہ راحت ہے اُجالے میں!

تسلّی کوئی بھی باقی نہیں ہے، بس تری یادیں
خرابے میں مرے برباد دل کے شور کرتی ہیں،
اور اپنی وحشیانہ چال سے مجھ کو ڈراتی ہیں!!

مرے پژمردہ دل میں کچھ نہیں، بے جان ہے یکسر!
فقط اک بازگشت عہدِ رفتہ قیدِ ہستی میں،
تڑپتی ہے مری جاں اور میں آنسو بہاتا ہوں!

---

(۶)

گیت

ایک دوشیزہ مجھے محبوب ہے،
جس کو اوروں نے کبھی دیکھا نہیں؛
نُور میں آتی ہے، سائے میں کبھی؛
نُور میں، سائے میں، دونوں میں حسیں؛

اس کو اکثر دیکھتا ہوں خواب میں؛
کان میں کرتی ہے کچھ سرگوشیاں؛
لفظ وہ گر میں کسی سے جا کہوں؛
آہ اس کے لب پہ ہوتی ہے عیاں!

جان سکتے ہو اگر، تو جان لو!
میرے خوابوں کی پری پہچان لو!

چھا رہی ہوں دل پہ جب تاریکیاں،
اس کی آنکھیں دیکھتا ہوں خندہ زن؛
یاد آجاتی ہیں وہ سرگوشیاں،
گونج میں جن کی میں ہوتا ہوں مگن؛

رنج و غم پھر پاس آتے ہی نہیں!
اور مرے دل کو ستاتے ہی نہیں!
اُس کی آنکھوں کا اُجالا پھیل کر،
آنسوؤں میں نور بھرتا ہے مرے!
جب اذیت کوش ہو زخمی جگر،
روشن اُن زخموں کو کرتا ہے مرے!
جان سکتے ہو اگر تو جان لو،
میرے خوابوں کی پری پہچان لو!

---

(۲)

گیت

ابھی بھی تو ہے گریزاں، میں اشتیاق لئے
حسین خیال! — یہ بے فائدہ تگ و دو ہے!
تصورات ہمیشہ ہیں اک تعاقب میں،
تری طرف سے وہی سرد، دور گن رَو ہے!

کشادہ بازوؤں میں میرے آکے جاتی ہے،
مجھے فریب تصور سے کیوں ستاتی ہے؟
نظر میں آنے سے پہلے ہی، پھر وہی گہری،
ہویدا غم کی ہے بے باک چشم تاریکی.
یہ دیکھتا ہوں کہ جس درجہ نور افشاں ہے
بس اتنی میرے تصور سے تو گریزاں ہے،
گھٹا میں برق کا جلوہ ہو جیسے اک لمحہ،
بس ایسے دید بھی تیری ہے مختصر نغمہ؛

---

(۸)

گیت

آج کا دن ہے ہمارا پیاری!
آج کا دن ہے ہمارے بس میں؛
ہم نہ کھوئیں گے اسے یوں بیکار!

رنج و غم، در مسرت ہیں جہاں میں یکساں
جو بھی ممکن ہو کسی سے اسے حاصل کر لے!
عمر میں غم کے لئے اور بھی ہے وقت بہت
جب ہوں پژمردہ مسرت کی سہانی کلیاں
چشمِ نم کر کے بہائیں گے ہم آنسو بھی یہاں!
شاخِ دیروز پہ اس دم گلِ راحت یکسر
خار کی صورتِ قاتل میں نظر آئے گا!

کس لئے یونہی گنواتی ہو یہ شیریں لمحے؟
آج ہے تم پہ جوانی کی بہار!
اور میں بھی ہوں تمہارا طالب!
وقت ایسا نہ ہو کل ہم سے یہ باتیں لے لے
دن جوانی کے، جوانی کی یہ راتیں لے لے
نغمۂ حسن تمہارا نہ مجھے کل بھلائے!
اور یہ عشق کا جذبہ ہی نہ دل میں آئے!

---

(۹)

دوام

محبوب ہو، ہاں تو سنو، گرچہ نہیں ہو تم مری،
پھر بھی مجھے جانِ جہاں! حد سے سوا مرغوب ہو
اور رشتۂ امید جو دھندلا تھا اب معدوم ہے
طالب ہوں لیکن میں تمہارا، تم مری مطلوب ہو
یہ دل تمہارا جس قدر بھی مجھ سے ہٹتا جائے گا،
میری نگاہوں میں تمہارا حُسن بڑھتا جائے گا!
گو اور کی چاہت میں ہی سرشار ہو جاؤ گی تم،
پھر بھی دلِ ناکام میں شوق اپنا ہی پاؤ گی تم!
بے التفاتی جس گرہ کو کھول سکتی ہی نہیں،
کیا تم سمجھتی ہو کہ موت عقدہ کشا ہو جائے گی؟
ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، آئندہ عمر دل میں یہیں
اس دل کے اندر ہی تمہاری یاد پھر لوٹ آئے گی!

---

(۱۰)

ہم تم

نہ پوچھو مجھ سے کہ اب بھی ہے دل میں وہ جذبہ
مری نگاہوں نے سب راز کہہ دیا ہے تمہیں
لبِ فسردہ نے چھیڑا تھا جو کبھی نغمہ
وہ آج تک ہے رواں رُوح کے تسلسل میں
جو اشک چشمِ ملول و حزیں سے گرتے ہیں
وہ اک زبانِ خموشی میں بس یہ کہتے ہیں
"تمہیں ہو، آہ! تمہیں، آج تک مجھے مرغوب!

شعاعِ ماہ سے کرنیں نگاہ کی اچھی!
مسرتوں سے اذیت اس آہ کی اچھی!
اگر یہی ہے محبت، تو سن لو اس دل میں
خیال ایک تمہارے ہی چھائے رہتے ہیں
مسرتوں میں محبت کی آزمائش کیا؟
غمِ فراق سے اس دل کو آزما لینا!

یہ دل تو تم کو کبھی بھول ہی نہیں سکتا،
یہ اختیار تمہیں ہے، کہ تم بھلا دینا!!

انجام محبت کیا ہے، غم! لیکن ایسا غم عشق کر!
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، دردِ لا دوا پایا..."

---

(۱۱)

یکتائی

ایک ہی بار ہوئی اُن کی ملاقات، مگر،
ایک دن وہ کہ جوانی سے تھا شیریں یکسر!
وقت اور فرقتِ قاتل کے غمِ پیہم نے
لاکھ اس خوابِ جوانی کو مٹانا چاہا
خوب کی آج بھی باقی ہے وہی تابانی
کسی طاقت سے بھی وہ حُسن نہیں مٹ سکتا!

نت نئے دیس میں سورج کی شعاعیں دیکھیں،
اجنبی رنگِ مسرت کی بھی کرنیں دیکھیں،
لیکن ان دونوں نے پھر خواب نہ ویسا دیکھا!
بے بہا خواب جوانی کا جو اک بار آیا!
ایک ہی بار ہوئی اُن کی ملاقات اُن کے
قلبِ سرشار جواں سال مسرت بھی ہوئے!
آج بھی اُن کے دلوں میں ہے وہی کیف حسیں؛
جس نے اک بار کیا رُوح کو اُن کی شیریں!

الوداع! آج سے رخصت دلِ زخمی! تجھ کو،
آخرِ کار ترے عیش کا لمحہ آیا!
جلد آجائے گا منظر ترے ابدی گھر کا!
الوداع! آج سے رُخصت دلِ زخمی تجھ کو!

ایک لمحے کی اذیت اے دل!
مستقل درد سے کم تر ہوگی!
ایک لمحے کو گذر جانے دے،
پھر نہ حالت تری ابتر ہوگی!
الوداع! آج سے، افسردہ شکستہ دل کو!

درد اب ختم ہوا، بیت گیا! بیت گیا!
چشمِ ترسے نہ بہے گا کبھی اب خونِ جگر؛
ملائی ہے موت تری رحمتِ ابدی کا پیام!
اب سے ہمدم ہے ترا ایک بہشتی آرام

بحر کی موج کوئی جس طرح ساحل دیکھے!
اور پژمردہ مسافر گُلِ منزل دیکھے؛
جلد آجائے گا منظر ترے ابدی گھر کا!
آخرِ کار ترے عیش کا لمحہ آیا،
الوداع۔ آج سے رخصت دلِ زخمی تجھ کو!
الوداع! آج سے، افسردہ، شکستہ دل کو!

---

(۱۳)

حسن اور نغمہ[۱]

۱

گلستاں میں بلبلِ آشفتہ نے،
گل سے اِک نغمے میں یہ شکوہ کیا
گیت میں رس ہے بہت مانا، مگر،
گیت ہے بے کار سی، بے کار شے،
گر نہ اس کو ساتھ حاصل ہو ترا'

۲

سن کے شکوہ بلبلِ آشفتہ کا،
گل نے پتی کی زباں سے یوں کہا
پھول میں ہے دل کشی، مانا، مگر،
پھول ہے بے کار سی بے کار شے،
گیت گائے تو نہ گر اس حسن کا'

۳

اس طرح، بس اس طرح گیتوں سے ہے
حسنِ نسوانی کی افزوں دل کشی،
اور یونہی حسنِ نسوانی سے ہے،
نغمۂ شاعر میں نورِ سرمدی!

۴

جس طرح انجم کا بکھرا قافلہ،
چرخ پر حرکت میں رہتا ہے سدا
اس طرح جب تک جہاں باقی رہے
حسن و نغمہ میں ہم آہنگی رہے

۱؎ "یہ ایک خالص مشرقی گیت ہے جو انگریزی کے بجائے فارسی سے ترجمہ معلوم ہوتا ہے"

میرا جی

(۱۳)

وعدۂ فردا

۱

ہو گیا قسمت کا میری فیصلا!
تو نہ اب تمکیں حقیقت کو چھپا!
وعدۂ فردا شکستہ ہو چکا
دل نے تیرے رنگ بدلا ہے نیا!
تجھ کو اب مجھ سے محبت ہی نہیں
اب ترے دل میں وہ چاہت ہی نہیں!

۲

ملتفت گرچہ نگاہیں ہیں تری
وہ چمک اب عہدِ رفتہ کی نہیں
اب بھی حاصل ہے ہم آغوشی وہی
لیکن اس کی کیفیت پہلی نہیں!

۳

آج تک میں خواب تھا دیکھا کیا
جذبِ ماضی کا نہیں باقی ترا
روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوا
دل نے تیرے رنگ بدلا ہے نیا!

۴

پھر وہی لے آ مسرت رنگ و بو
جن سے کامِ جاں مرا تازہ ہوا
اور بلا لے پھر اسی ہستی کو تو
جس نے ماضی میں مجھے چاہا کیا!

---

(۱۴)

جب رات آئے

جب رات آئے،

تاروں کی کرنیں، ساتھ اپنے لائے

اور شادمانی دنیا پہ چھائے

کٹیا پہ میری

آتی ہے پیاری خوابوں کی دیوی

آنکھیں رسیلی!

وحشت بھری ہیں، جن کی نگاہیں،

بس ایک پل میں، لوگوں کے دل کو

اپنا بنائیں

لب جیسے پھانکیں میٹھے پھلوں کی،

چاہت کے لاکھوں بھیدوں کے راگی،

ملبوس اس کے!

کیا جانتے ہو، ہے کون ہستی؟

بولو، بتاؤ، نام اس کا لاؤ،

اپنی زباں پر!

گر اس کو جانو مجھ کو بتا ڈ،
بدلے میں اس کے
بوسے ملیں گے!
جس جس جگہ پر، رکھتی ہے پاؤں،
پھولوں کے جھرمٹ ملتے ہیں واں پر!
ایسے ہے آتی،
جیسے گھٹا میں، بجلی چمکتی!
گیتوں کو میرے
شعلے بنا کر، ہوتی ہے اوجھل،
آنکھوں سے میری،
کیا جانتے ہو ہے کون ہستی؟
گر اس کو بوجھو مجھ کو بتا ڈ،
بدلے میں اس کے
بوسے ملیں گے!

---

(۱۵)

میری محبوب

سب سے اچھی، سب سے میٹھی، موہنی!
میری محبوب، اوّلیں اور آخری!
جب یہ دل، بے التفاتی جس پہ ہے،
دُور ہو جائے گا اپنی زیست سے،
کیا کوئی اک مہرباں اچھا خیال،
آئے گا اُس کا، جیسے تیرا خیال،
زندگی میں بھی ہمیشہ ہی رہا!
آخری دم بھی اسی کے ساتھ تھا!

یوں اگر ہو خوش نصیبی سے کبھی،
اور ہوں آنکھیں تری نمناک سی،
ہاں، چھلکنے ہی نہ دینا یہ سبو،
دل میں لانا مت پشیمانی کو تو!
اک چتا پر آ کے کہہ دینا میری
جل گیا وہ دل جو میرا تھا۔ کبھی!

(۱۶)

تواتر

یہ نہ کہنا زندگی مُرجھا گئی ،
اور دن شیریں امیدوں کا گیا !
جب تک اس دل میں محبّت ہے تری
یہ چراغِ حسن جلتا جائے گا،

یہ نہ کہنا حُسن افسانہ ہوا،
(گرچہ پہلی سی وہ رعنائی نہیں !)
مستقل ، دل کش ترانہ عشق کا،
تجھ کو رکھے گا یونہی دائم حسیں!

حُسنِ رفتہ کا ترے اک شائبہ
مجھ کو اوروں سے کہیں محبوب ہے!
ایک سے بڑھ کر اک آئے ساحرہ
تو ہمیشہ کو مری مطلوب ہے!

---

(١٧)

تنوّع

مگس پہ قوتِ آوارگی کا غلبہ ہے،
ہمیشہ ایک گُلِ نَو ہی اس کا مسکن ہے،

یہ تازگی کا عجب دل پسند نغمہ ہے،
کہ جس کا بحر تنوّع ہی ایک مخزن ہے!

ذرا خیال کرو چشمِ وا کو ساتھ لئے،
بدلتے رہتے ہیں منظر جہاں میں قدرت کے

تغیّرات زمانے کے اور موسم کے،
کبھی ہیں عیش و مسرت کے دن، کبھی غم کے!

اک انقلاب ہی سلطان کائنات کا ہے!
غلام بن کے رہے، کام یہ ثبات کا ہے!

مجھے بھی، مجھ کو بھی، ہر دو جہان کے والی!
یونہی زمانے کی آزادیوں میں رہنے دے!

مجھے تنوّع کے اک موجۂ پریشاں کی
کہانی جذبۂ آزاد کو سنانے دے!

مگر، وہ راحتِ جاں، آہ میری محبوبہ
جہانِ رنگ و تبسم بھی ہیچ ہے مجھ کو!
اُسی کا پہلو تنوّع کا مجھ کو ہے نغمہ
نہیں ہے بڑھ کے کبھی اس سے کوئی شے مجھ کو

---

(۱۸)

ایک گیت[1] کی کہانی

جو کبھی آتی ہیں، ہاں بس ایک بار،
ایسی شب ہائے منوّر میں سے ایک،
اس فضائے نیلگوں پر چھائی تھی،
نغمۂ عشرت تھا جس کا ہم کنار!

آئی کانوں میں دریچے سے مرے،
اک تھکی سی، نرم، دُکھ والی صدا،

---

[1] "اس گیت میں پرتھوی راج چوہان اور سنجوگتا ہماری طرف سے ہیں۔" میراجی

ہاں کوئی پروا نہ تھا جو یوں مجھے
تھا خراجِ حُسن لگا کر دے رہا!
کان دھر کر میں نے جب اس کو سنا
اس سے ملتا، جلتا سا اک گیت تھا

دیوتاؤں کی طرح ہے وہ رقیب؛
"تجھ کو، جس کے اتنے اچھے ہوں نصیب!
دیوتاؤں کی طرح ہے شادماں،
جس کے پہلو میں ہو تو آرامِ جاں!"
پرتھوی نے بھی یہ گایا تھا کبھی،
اور دریچے میں کھڑی سنجوگتا،
بھیج کر داسی کے ہاتھوں اک کلی،
ہار بیٹھی تھی دلِ نازک ادا!
میں یونہی چپکی کھڑی سنتی رہی؛
مجھ میں ہمت ہی نہ تھی جا کر وہاں؛
جس جگہ گاتا تھا میرا پرتھوی
مضمحل دل کی ہوں آرامِ جاں!
اور وہ نغمہ بہے آتا ہی رہا
مجھ کو افسردہ بناتا ہی رہا!

---

(۱۹)

عبرت

(الوداعی گیت)

وہ اب کہاں گئے وہ جنہوں نے سنا گئے

(محلوں میں جن کے اب ہیں خرابے بنے ہوئے)

بیتی ہوئی گھڑی کے عجب دلنشیں سے گیت

اک روز اس جہاں میں تھی مشہور جن کی جیت'

وہ رنگ ہیں مٹے ہوئے، نغمے چھپے ہوئے!

وہ سب چلے گئے، وہ سبھی اب چلے گئے!

وہ دل رُبا جوان جنہوں نے کہا گئے،

افسانہ ہائے دل، کہ جنہیں سب سُنا گئے،

اور وہ کنواریاں کہ جو تھیں جانِ داستاں؛

ہاں جن پہ وہ جوان مٹے اور مٹا گئے!

افسوس اُن کی شکلِ حسیں اب نہیں یہاں؛

وہ سب چلے گئے، وہ سبھی اب چلے گئے

روزِ ازل سے ہیں یونہی منظر چھپا گئے،

آئیں گے اور جائیں گے، آئے چلے گئے!

ہاں ہم بھی ایک دن یونہی دنیا سے جائیں گے،

باقی رہیں گے بس یہی اپنے کہے سنے!

وہ سب چلے گئے، وہ سبھی کے چلے گئے!

ہائنے

(۱۷۹۷—۱۸۵۶ء)

جرمن شاعر

(۱)

تعلیل

لوگ کہتے ہیں کہ گیتوں میں مرے ہے تلخی،
اے مری جان! کہو، اور بھی کچھ ممکن ہے؟
جس کا دارو نہ ہو، تم نے ہی وہ جادو کر کے
تم نے ہی ان کو بنایا ہے مری جاں! زہری!
لوگ کہتے ہیں کہ گیتوں میں سم قاتل ہے،

یہ نہ ہوتا تو بتِ ڈگر بھلا کیا ہوتا ؟

ناگ رہتے ہیں ہزاروں مرے پہلو میں سدا،

اور اے جانِ جہاں! ان میں تمہارا دل ہے!

---

(۲)

مایا

پریم کا یہ دیوانہ میلہ　　نفس کے عیش کا وحشی ریلہ

ختم ہوا، ہم دونوں کھڑے ہیں،

ہوش میں اب تو آئے ہوئے ہیں۔

ایک تھکن ہے، اک بیزاری،　　وہ لو، وہ لو، آئی جمائی!

چپکے کھوئے ہوئے تکتے ہیں،

ہر شے سے بیزار ہوتے ہیں۔

خالی ہے، خالی ہے پیالہ،　　جس میں بھری تھی کام جوالا!

لیکن اب وہ نور نہیں ہے

خالی ہے، بھرپور نہیں ہے!

خالی ہے، خالی ہے پیالہ، جس میں بھری تھی کام جوالا!

ساز وہ اب خاموش ہیں سارے، گت پر ناچے پاؤں ہمارے،
ناچ وہ ڈھنڈلے پیارے پیارے،
ناچ رسیلے مدہ متوارے،
جیسے ناچیں گگن کے تارے! ساز مگر خاموش ہیں سارے!

اب فانوس نہیں ہیں روشن، چُپ ہے جگ مگ کرتا آنگن!
اب یہ سوچ ہے دل میں میرے،
مٹ جائیں گے جلوے تیرے!
تیری سُندرتا کا جادو، کب ہوگا؟ بس میرے آنسو
بہتے ہوں گے، کہتے ہوں گے:
"خاک میں جلوے رہتے ہوں گے"!

---

(۳)

نزاکتِ احساس

محبت تھی اک دوسرے سے، مگر
نہ آپس میں دونوں وہ بولے کبھی!
رہی اجنبی ہو کے اُن کی نظر،
محبت سے تھی گرچہ جاں پر بنی!

جدا ہو گئے، اور تصور میں ہی
ملے دونوں۔ سپنا مگر مٹ گیا۔
بالآخر جب آئی گھڑی موت کی،
انہیں موت کا بھی کب احساس تھا؟

(۴)

ساتھی

صنوبر کا اک پیڑ استادہ ہے ——— بہ طرفِ شمال،
ہیں بہتی ہوائیں جہاں رقص میں ——— بہ زورِ کمال!
ہے سویا ہوا نیند کی گود میں ——— صنوبر کا پیڑ
اڑھایا ہوا ہے اُسے برف نے ——— سفید ایک شال
اُسے نیند میں لو، نظر آیا خواب ——— کسی پیڑ کا!
کسی مشرقی ملک میں اک کھجور ——— ہے تنہا کھڑی!
اکیلی ہے وہ، اُس کے قدموں تلے ——— ہے صحرا بچھا
ہیں تپتی ہوئی ریت پر اُس کے پیر ——— وہ گھل جائے گی!

---

(۵)

دُکھ کا دارو

درد نے دل کو کچل ڈالا مرے
دیکھتا ہوں دیدۂ پُرآب سے
اُس گئے گذرے زمانے کا سماں
جب نہ تھا غم کا کہیں کوئی نشاں
جب نہ دیکھی تھی زمانے نے کبھی
شکل صورت ابتری کے دَور کی
جب ہر اک انسان کا دل شاد تھا
جب جہاں کا نام عیش آباد تھا

اب مگر دنیا پہ چھایا ہے جنوں
یہ کئے جاتی ہے ہر راحت کا خوں
دوڑنا آگے کو گھائل کر گیا
دیکھیں کیا حالت ہو اب انسان کی
آسمانوں پر خدا بھی مر گیا
اور زمیں پر مر گیا شیطان بھی

چھا گئی ہے زندگی پر ریل پیل
جس سے اُلجھن بن گئی ہر ایک شے،
آہ! اس اندھے ہجوم دہر میں
دوسرے کو سب ہی دیتے ہیں ڈھکیل!
وجۂ تسکیں اک اکیلا عشق ہے،
راحتیں ہیں جس کی ہر اک لہر میں!

---

(۶)

پرارتھنا

ننھی تو اک پھول ہے گویا
پیارا پیارا اور پاکیزہ!
تیری صورت کو جب دیکھا — میرے دل میں آئی اُداسی!
میں اک سرگوشی میں بولا! — ایک دعا ہے میرے دل کی!
تیرے ماتھے کو میں چھُولوں،
اور خدا سے اتنا کہہ دوں،
ایسے پھول کو ہر دم رکھنا — پیارا پیارا اور پاکیزہ!

(۷)

غزلیہ شاعری

(تین نظمیں)

۱۔ غموں سے، آنسوؤں سے پھول کھل کھل کر نکلتے ہیں
مری آہوں سے پیارے پنچھیوں کے گیت اُبلتے ہیں
مری پیاری، جو تو چاہے تو میں یہ پھول لاؤں گا،
ترے دُوارے پہ تجھ کو راگ پنچھی کے سُناؤں گا،

۲۔ میں نا اُمید ہو کر اوّل اوّل سب سے کہتا تھا ؟
میں سہہ سکتا نہیں اس کو، نہیں یہ بات سہنے کی
مگر سہتا ہوں نا اُمید ہو کر۔ کیسے سہتا ہوں ؟
نہ پوچھو مجھ سے، ہمّت ہی نہیں ہے مجھ میں کہنے کی!

۳۔ نازک پھول کنول کا چُپکا دیکھ رہا تھا اوپر کو،
دیکھتے دیکھتے اُس نے دیکھا پیلا چہرہ چندا کا!
پھول کی چاہت میں ڈُوبا تھا چاند نگاہیں روشن تھیں

پربتی کے چہرے جیسا تھا پیلا چہرہ چندا کا!
پھول نے دیکھا تو شرمایا اور جھکایا نظروں کو،
لیکن پانی میں پھر دیکھا پیلا چہرہ چندا کا!

---

(۸)

محبوبہ کا مکان

رات سکوں لئے ہوئے، مہر بہ لب گلی گلی،
سامنے گھر میں رہتی تھی، وجۂ سکونِ دل مری!
چھوڑ کے شورِ شہر کا عرصہ ہوا چلی گئی،
گھر ہے مگر کھڑا ہوا ویسے کا ویسا آج بھی!

اور بھی ایک شخص ہے راہ میں یاں کھڑا ہوا،
تکتا ہے آسماں کو وہ، یاس کا اک مجسمہ!
نورِ سفید چاند کا پھیلا جب اُس کی شکل پر
دیکھنا! دیکھتا ہوں کیا، عکس ہے میری ذات کا!

اے مرے عکسِ ناتواں! کس لئے آگیا یہاں؟
کس لئے اپنی آنکھ سے اشک بہا رہا ہے تو؟
میں بھی یہاں پہ رویا ہوں اب وہ زمانہ ہے کہاں؟
خالی کئے ہیں میں نے بھی یاں کئی چشم کے سبُو!

---

(۹)

اندیشہ

جب دیکھتا ہوں اِن آنکھوں کو، دُکھ درد سب ہی کھو جاتے ہیں
جب چومتا ہوں اِن ہونٹوں کو، مجھ کو بلوان بناتے ہیں
جب رکھتا ہوں، اپنے سر کو اس نرم، معطّر سینے پر،
میں دیوتا بن جاتا ہوں! مجھے آکاش کے سُکھ کب بھاتے ہیں؟
لیکن جب تم کہتی ہو مجھے "مجھ کو بس چاہ تمہاری ہے"
تب جی بھر آتا ہے میرا اور آنسو اُمڈے آتے ہیں!

---

(۱۰)

اَندازِ نظر

فسردہ ہو کے کبھی دل جو ٹوٹ جاتے ہیں۔
ستارے ہنستے ہیں اور قہقہے لگاتے ہیں
ہے اُن کا اپنا انوکھا طریقہ باتوں کا
وہ سوچتے ہیں، بس اور سوچتے ہی جاتے ہیں!

یہ خاکی عشق میں گُھل گُھل کے زیست کرتے ہیں!
ہمیشہ پھر بھی محبّت پہ ہی یہ مرتے ہیں!
مُحبت ان کو دکھاتی ہے درد کے جلوے
مگر یہ درد سے دامن کو اپنے بھرتے ہیں!

ہمیں تو ایسی محبت کا کچھ نہیں معلوم!
کہ جس کی ہستی بس ایک لمحے میں بنے موہوم!
مٹائے چاہنے والے کو اور مٹ جائے۔
یہی ہے وجہ، نہ ہوں گے کبھی بھی ہم معدوم!

---

(۱۱)

نور کا جادُو

رات نے چھاؤنی چھائی اندھیرے اور انجھنے رستوں پر،
دل میں تھکن ہے، انگ انگ میں روگ ہے میرے سانسوں پر
پیارے چندا! تو نے میرے دل کا بوجھ کیا ہلکا،
مجھ کو سہارا ہے بس تیرا، تیری کرنوں کے بل کا!
چاند! یہ تیرا نازک جادُو رات کے سب اندیشوں کو،
دُور بھگا دیتا ہے مجھ سے ڈر کے اندھے خیالوں کو،
میرے دل میں جتنے ڈر ہیں سب کے سب مٹ جاتے ہیں،
دل کے گھاؤ سہلاتے ہیں، سُکھ کے آنسو آتے ہیں،

---

(۱۲)

رازِ درونِ پردہ

اس کا اندیشہ کبھی دل میں نہ لانا ہرگز،
اپنی چاہت کو میں رسوا نہ کروں گا پیاری!
استعاروں میں ترے حُسن کے گُن گاتا ہوں،
غور کرتی نہیں، نادان۔ ہے دنیا ساری!
بھید اپنا ہے نہاں پردۂ خاموشی میں،
اُس نے اوڑھی میرے گلہائے سخن کی چادر!
راز پُر نُور ہے اور گرم ہے روپوشی میں،
علم ہو سکتا نہیں اس کا کسی کو یکسر!
خواہ یہ پھول بھڑک اُٹھے، جوالا ہو جائے،
پھر بھی اندیشہ کبھی آئے نہ تیرے دل میں،
جان سکتا نہیں کوئی بھی رہے گا پھر بھی،
شعلۂ حُسن نہاں شعر کے ہی محمل میں!

(۱۳)

چُغلی

تمہارے خط نے مرے دل پہ کچھ اثر نہ کیا،
اگرچہ اُس کا ہر اک لفظ زور والا ہے !
یہ کہتی ہو کہ نہیں اب سے دل میں چاہ مری،
مگر میں سوچتا ہوں خط یہ کتنا لمبا ہے ؟ !
ہیں پورے بارہ ورق صاف اور دونوں طرف،
یہ خط ہے یا کوئی مضمون تم نے لکھا ہے ؟
میں پوچھتا ہوں کہ جب "الوداع" ہی کہنی ہو
تو کون ہے جو مصیبت میں اتنی پڑتا ہے ؟

(۱۴)

بھروسا

نرم اُجیالے جسم کی چاہ کا میرے دل میں ڈیرا ہے،
انگ انگ کو جس کے کام دیو نے آ کر گھیرا ہے!
جذبوں والی آنکھیں ہیں اور من پہ ماتھا نورانی،
اور ماتھے پر زلفوں کی کالی لہروں کا بسیرا ہے!

دیس دیس میں ڈھونڈ کے آیا جس کو تم وہ رانی ہو،
آج ملی ہو، تم ہو اچھوتی (لیکن بہت پرانی ہو)
تم ہو بالکل میرے ڈھب کی، تم نے مجھ کو سمجھا ہے
آؤ زبانوں پر اب اپنے پریم کی میٹھی بانی ہو!

میں ہوں مردِ دہی، بیٹھی تکتی تھیں تم رستہ جس کا!
دو دن کی سنگت میں مل کر ہنسنا اور مل کر رونا!
پریم کی بات کی رات سہانی چاند چھپا تو بیتے گی،
تم بھی، جیسے ریت ہے جگ کی، مجھ کو دھوکا دے دینا!

---

(۱۵)

شدّتِ احساسِ غم

اکیلا آنسو مری آنکھ میں جھلکتا ہے
یہ آنسو پہلے پرانے غموں سے ڈھلا ہے
جو دن تھے رنج والم کے وہ سارے بیت گئے
مگر یہ آنسو ابھی تک وہیں پہ ٹھہرا ہے۔

تھے اس کے اور بھی ساتھی؛ وہ اک زمانہ تھا
مٹے وہ جیسے غم وعیش کا فسانہ مٹا!
ہر ایک شے ہے نہاں شب میں باد و باراں کی
رہا نہ کچھ بھی، مری زیست کا بہانہ مٹا

چھپے وہ اوس کی مانند سیمگوں حلقے،
ستارے تھے، کہ تبسم کناں وہ نیزے تھے!
مسرتوں کو، غموں کو اُنہی نے چھید اتھا،
وہ مسکراتے ہوئے دل میں میرے اُترے تھے!

’مٹے وہ، اور مٹی دل سے اب تو چاہت بھی‘
وہ چاہ سانس تھی میرا کہ جس کو کھینچا تھا!
میں تجھ سے کہتا ہوں، سُن میرے اشکِ کم رفتار
چلا جا آیا ہے اب لمحہ تیرے جانے کا!

---

(۱۶)

آمدِ بہار

کھلا کھلا یہ بن ہے ایسے جیسے کوئی کنواری ہو‘
سج کر اُس سے ملنے جائے جس کے دل کو پیاری ہو‘
ہنستی ہیں سورج کی کرنیں کیا کہتی ہیں کون کہے
آیا بسنتی سماں سہانا، جگ جگ اپنے ساتھ رہے

کان میں آئی تان سریلی، ایک پپیہا بول اُٹھا
میرے من کی بات ہی کیا ہے، سارا بن ہی ڈول اُٹھا
میں نے جان لیا ہے پنچھی! دکھ کی تیری کہانی ہے
تیرے مُنہ پر بس لے دے کر اک پی پی کی بانی ہے

---

(۱۷)

پریمی

تیتری کے دل میں چاہت پھول کی ہے بسی!
لیتی رہتی ہے بلائیں سارا دن پھول کی!
پھول کی متوالی سورج کی کرن، ناچتی،
ناچتی رہتی ہے اس کے پاس ہی، ہر گھڑی!

ہاں مگر ہے، کون پیارا پھول کو؟ سوچنا!
کس کی چاہت میں ہے وہ پیلا پڑا، کانپتا؟
کیا اُسے پیارا ہے تارا شام کا؟ بوجھنا؟
یا ہے وہ پنچھی کہ جس کا راگ ہو جانفزا!

پھول کے پریتم کا مجھ کو کیا پتا؟ کیا پتا؟
میرے دل میں سب کی چاہت ہے چھپی، برملا!
میرے گیتوں میں ستارا شام کا ہے چھپا!
تیتری، پنچھی، کرن اور پھول بھی نغمہ زا!

(۱۸)

منظر

ایک ستارا، ایک ستارا جگمگ کرتا ٹوٹ گیا،
پھیلے ہوئے نیلے آکاش کے دامن سے وہ چھوٹ گیا
دیکھ رہا تھا میں بھی اُس کو، تھا وہ ستارا چاہت کا،
ٹوٹا، گہرائی میں ڈوبا، اب تو نہیں وہ اُبھرے گا!

کلیاں پتے، کلیاں پتے پیڑ سے گرتے جاتے ہیں،
گرتے گرتے فضا میں سارے رُکتے، لرزتے جاتے ہیں!
دیکھ رہا ہوں، بہتی ہے یاں رنگیلی شاداب ہوا!
کلیاں پتے اس شاداب ہوا سے لپٹتے جاتے ہیں!

راج ہنس ہے راج ہنس ہے، من کی موج میں گاتا ہے
دیکھ رہا ہوں، گاتے گاتے سطح پہ بہتا جاتا ہے!
جُھکتا ہے جُھکتے جُھکتے اوجھل ہوتا ہے نگاہوں سے
گیت بھی چھپ جاتا ہے گانے والا بھی چھپ جاتا ہے!

خاموشی ہے خاموشی ہے اور ہر سُو تاریکی ہے
وہ جو ستارہ ٹوٹا تھا اب وہ اک خاک کی مُٹھی ہے!
راکھ بنے بکھرے ہیں سارے پتے اور ساری کلیاں
راج ہنس کا گیت بھی اب تو ختم ہے دنیا سونی ہے!

متفرق

۱۔ وہ درد جو اپنی تندی سے تن من کو گھلاتا جاتا ہے
مجھ کو تو مٹاتا جاتا ہے پر گیت بناتا جاتا ہے۔

۲۔ پیتم کو پیار نہیں ہم سے ہنس ہنس کے ہنسنا چھوٹ گیا
دکھ درد کا پردہ کوئی نہیں اب تو سسکانا چھوٹ گیا

پیتم کو پیار نہیں ہم سے اب ہم کو رونا یاد نہیں
دل ٹوٹا لیکن آنکھوں کو اشکوں سے دھونا یاد نہیں

بنتِ عم

۱ـــ پھولوں کو اگر معلوم یہ ہو کتنا دُکھ ہے میرے دل میں!
وہ دل کا بوجھ کریں ہلکا، اور ساتھ مرے مل کر روئیں!
گاتے پنچھی گر جان سکیں میرے دل کے دُکھ بپتا کو،
گا گا کر جنگل گونجا دیں اور دُور بھگائیں چنتا کو!
آکاش کے تاروں کو جو کبھی میرے دُکھ کا کچھ دھیان آئے
دینے کو تسلی راتوں میں ہر تار ٹوٹ کے آجائے!
لیکن انجان ہیں یہ سارے، اک دل کا دکھ پہچانتی ہے!
دل کو گھائل کرنے والی دل کے گھاؤ کو جانتی ہے۔

۲ـــ مصیبت، اذیت، غضب آرزو کا
دکھایا ہے میں نے چھپایا نہیں ہے
جو دیکھے گا ان کو مجھے جان لے گا
مرے دل کی ہر بات گویا یہیں ہے!

ایمیلی برونٹے

(۱۸۱۸ء — ۱۸۴۸ء)

۱

تشفّی

میں آؤں گی، میں آؤں گی جب تو دُکھیا ہو بے چین،
نور، اُجالا لے آؤں گی جیسے چندا والی رَین
یتیم! جب خوشیوں کے جھرمٹ تجھ کو تج کر کھو جائیں
اور ہنسی کی لہریں تیرے رُخ سے غائب ہو جائیں
شامیں رہیں غم کی، دن خوشیوں کے سارے سو جائیں
میں آؤں گی میں آؤں گی جیسے چندا والی رَین،

نور، اجالا لے آؤں گی جب تو دُکھیا ہو بے چین۔
ٹہنی ٹہنی سوکھے، ہر اک پھول کلی مرجھا جائے،
روح تری سُونے مندر جیسی صورت جب پا جائے
میں آؤں گی جیسے دیوی آئے ــــ سُکھ اور چین،
نور، اُجالا لے آؤں گی جیسے چندا والی رین۔

دیکھ یہی لمحہ ہے پیارے، دیکھ یہی لمحہ ہے جان!
تو تھم گیں ہے دُکھ سے تیرا ننھا جیون ہے ہلکان۔
تیری روح سے مُڑتے ہیں احساس انوکھے، اک طوفان!
لے میں آئی، لے میں آئی، کیوں دُکھیا ہے کیوں بے چین!
نور، اُجالا لے آئی میں، میرے چندا تیری رین!

۲

"... کیا یاد آیا"

کہاں گئے تھے تم سارے ور کہاں گیا تھا تُو!
میں نے نیناں دیکھے، جیسے تیرے چمکتے نین؛
لیکن اُس ماتھے پر بل کھاتے، کالے گیسو!
اُس کی ترچھی نظریں گاتی دُکھ کے پیلے بین۔

اک سپنے جیسے سُکھ سے یہ دل اور سُوکھے نین
ایسے بھرے جیسے بھیدوں سے سُونی اندھیری رین
کانپتے کانپتے، تھر تھر کرتے میں نے کان لگائے؛
تاکہ اُس کا نام میرے کانوں میں پل بھر آئے
وہ آواز سُنی تھی لیکن ہر اک بیتی بات
اک دم کہہ کر لوٹی جیسے آ کر جائے رات
وہ منظر تھا یا تھی وہ بیتے لمحوں کی باس
گرم آنسو آنکھوں میں آئے اور لے آئے یاس

۳

مجبورِ زیست

گہری کالی رات کی گود میں کھوئی ہے میری ہستی
وحشی اور بے مہر ہوائیں جوشیلی، اندھی، تیزی
میری ہر قوت کو اک ظالم جادو نے جکڑا ہے
آہ نہیں جا سکتی میں تو، آہ! نہیں میں جا سکتی!

اونچے اونچے دیو جیسے پیڑ جھکے ہیں رستے میں
ہر بوجھل ڈالی مجھ پر گر جائے گی ان دیکھے میں
طوفاں آنے والا ہے! آیا، آیا لو اب آیا!
لیکن میں کیسے جاؤں، افسوس نہیں میں جا سکتی!

کالے کالے بادل جھرمٹ بن کر ہر سو چھائے ہیں،
گھر تج کر ندی نالے .. یا رستوں میں آئے ہیں،
لیکن ان سب کے ڈر سے کیسے چھوڑوں گی میں دھرتی؟
میں نہیں جاؤں میں نہیں جاؤں، آہ نہیں میں جا سکتی!

۴

دُور بہت ہی دُور ہے بستی راحت کی

دُور بہت ہی دُور ہے بستی راحت کی،
سو میلوں کا پھیلا جال،
اونچے اونچے پربت رستہ روکے ہیں۔
لمبے سونے صحرا چُپکے سوئے ہیں،

تھکا ہوا پژمردہ راہی چلتا ہے،
آنکھیں دھندلی ہیں اور دل میں اندھیرا ہے۔
کوئی نہیں ہے آس، نہ ساتھی ہے غم کا،
رُکتے رُکتے، گرتے، سنبھلتے، بڑھتا ہے۔
گاہ نظر جاتی ہے، نیلے منڈل پر،
گاہ پہنچتی ہے رستے کے جنگل پر،
اکثر جی کہتا ہے، بیٹھے سستا لے،
اور جیون کا دُکھیا بوجھ بدل ڈالے۔
کیوں بے چینی، کیوں بیہوشی؟ ہوش ذرا!

دیکھ ذرا پچھلا رستہ خاموش پڑا۔
پچھلا رستہ جو تو چل کر آیا ہے،
بڑھتا جا، منزل آئی؟ کیوں رُکتا ہے؟
ناامیدی پر قبضہ پا، ہمّت سے،
یاس کی سرگوشی کم کر دے قوّت سے۔
تو پہنچے گا، پہنچے گا تو منزل پر،
چلتا جا محنت کا قابو رکھ دل پر۔

۵

رائگاں

اے خواب بتا اب تو ہے کہاں؟ دن بیتے، سال بھی بیت گئے،
جب دیکھا آخری بار تجھے تیری پیشانی سے تھا عیاں
نور ایسے ہی دُھندلاتا ہے
اور تاریکی بن جاتا ہے

افسوس ہے حالت پر میری — تیری نورانی صورت سے
میں اتنی بات نہ جان سکی — یاد عاری ہوگی راحت سے
سورج کی کرن ، اندھا طوفاں — اور موسم پیارا بہاراں کا
راتوں کی سُکوں بر دوش ہوا — اور صاف چمکتا چندرماں
ان سب کا ساتھ تجھی سے تھا
اے خوابِ منور ب مجھ کو — دُکھ یاد تو ہے سُکھ بھول گیا،
گم گشتہ تصور! اب مجھ کو — احساس ہے تلخ حقیقت کا،
احساس ہے اتنی اذیت کا
افسوس نہ اب تو آئے گا

۶

بدلتی ہوئی بات

ماہ بہ ماہ، سال بہ سال
سازگی کے ہیں ایک ملال ———— ہی رہا !
آج وہ گیت نکلا ہے
چلتی ہوئی ہے جس کی لَے ———— دیکھنا !

سارے ستارے چھُپ گئے

ماہِ تمام بھی چھپا ـــــــــــــــــ مٹ گیا!

صبح کی دُھند میں ملے،

کُہر میں کھو گئی فضا ـــــــــــــــــ سب فضا!

تحفے تھے وہ تو رات کے

رات گئی، چلے گئے ـــــــــــــــــ کیا ہوا؟

اے میری روحِ ناتواں؟

آ گیا دن کا اب سماں ـــــــــــــــــ غم نہ کھا!

بوڑھا بیراگی

دولت کی مری نظروں میں ذرا بھی قدر نہیں، کچھ قدر نہیں،

اور عشق و محبت کی باتوں پر قہقہہ ایک لگاتا ہوں ـــ

شہرت کی ہوس اک سپنا تھا، اک بے معنی سا خوابِ حسیں،

جو طفلی کے پردے میں چھپا، روپوش ہوا بچپن کا جنوں!

گر آج مرے ہونٹوں پہ کوئی آتی ہے دُعا تو اتنی ہے،
اور اس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی بھی تمنا مجھ کو نہیں
"اس دل کی مجھ کو ضرورت ہے رہنے دے یونہی اس دل کو مرے
اس کی ہی مدد سے دیکھوں کہیں آزادی کا روئے حسیں"

جیسے جیسے جیون کے دن انجام سے ملتے جاتے ہیں
پہلے سے زیادہ کثرت سے یہ لفظ زباں پر آتے ہیں
"اک ایسی ہمت میری روح کے ہر پردے پر چھا جائے
جو موت و حیات کے رستوں پر اک دُھن میں مجھ کو چلا جائے"

۸

شام اور شامِ حیات

جنگ کے ختم ہوئے ہنگامے
شام چپ چاپ چلی آئی ہے
نورِ شفاف کو پہلو میں لئے
سر پہ اک گنبدِ مینائی ہے

گھاس پتھر پہ پڑے ہیں ہر سُو
سینکڑوں جسم جو مُردہ ہیں تمام
کچھ سسکتے ہیں کہ بہتا ہے لہو
اُن کا انجام ہے دِن کا انجام

۹

فُقدانِ حیات

نیند لاتی ہی نہیں کوئی مسرّت دل کی
یاد مرتی نہیں ہر وقت جئے جاتی ہے
وقف ہے رُوح مری درد و الم ہی کیلئے
آہ پر آہ وہ ہر لمحہ کئے جاتی ہے

نیند لاتی ہی نہیں کوئی مسرّت دل میں
ہر گھڑی موت کے سایوں نے مجھے گھیرا ہے
آتے ہیں خواب میں کھو جاتے ہیں بیداری میں
ایسے سایوں کا مری سیج پہ ہی ڈیرا ہے

نیند لاتی نہیں اُمید کا جلوہ کوئی
ایسے سائے ہی مرے پاس چلے آتے ہیں
اُن کے غمناک تصور سے مری آنکھوں میں
پہلے دُکھ درد کے رنگ اور بڑھے جاتے ہیں

نیند دیتی ہی نہیں کوئی بھی طاقت دل کو
کوئی طاقت مری ہمت کو بڑھاتی ہی نہیں
ایک طوفانی سمندر میں ہے میری کشتی
پہلے سے بڑھ کے ہے موجوں کی ہر اک چین جبیں

نیند لاتی ہی نہیں کوئی تمنائیں نئی
دل مرا ایک تمنا ہی سے گھبرایا ہے
ایک ہی دل کی تمنا ہے کہ موت آ جائے
بھولے ہر بات کہ جس نے مجھے اُلجھایا ہے

چارلس بودلیئر

(۱۸۲۱ء — ۱۸۶۷ء)

انیسویں صدی کا عظیم فرانسیسی شاعر

۱

سانولا گیت

(منثور ترجمہ)

اس کی ہر بات کالے رنگ کی ہے۔ وہ تو روحِ شبانہ دکھائی
دیتی ہے، روحِ تیرگی۔ اس کی آنکھیں گپھائیں ہیں جن کی گہرائی
میں اَسرار درخشاں ہیں۔ لیکن ان آنکھوں کی نگاہیں بجلی کی
طرح ہیں، ایک چمکارا جو رات کے پردے کو چیر دے!

وہ ایک مہرِ آبنوسی ہے، ایک نجمِ سیاہ! اور اس کے باوجود نورد
مسرّت کی کرنیں اس میں سے پھوٹ رہی ہیں، بلکہ وہ ایک ایسے
چاند کی طرح ہے جس نے اُسے اپنا لیا ہے۔ وہ چاند کیٹس کا
دھندلا، پژمردہ سیارہ نہیں جو کسی کٹھور دُلہن کی طرح ہو، بلکہ وحشی،
سرگرداں اور مدہوش چاند جو کسی طوفانی رات کے آسمان میں
آویزاں ہو۔ وہ سیمیں سیارہ نہیں جو لوگوں کے مطمئن خوابوں میں
مسکراتا ہو، بلکہ ایک سانولی غضب ناک دیوی جسے جادو کے
اثر سے آسمانوں سے نکال دیا گیا ہو، جسے ساحروں نے ڈری ہوئی
دھرتی پر پُرانے زمانوں سے آج تک ناچنے پر مجبور کر رکھا ہو۔
اُس کے ننھے سے سر میں ایک آہنی قوتِ ارادی پنہاں ہے اور ایک
تشنگی شکار کی۔ پھر بھی اس کے وحشی چہرے میں، جہاں گپھاؤں جیسے
نتھنے طلسمی سانسیں لے رہے ہیں، سرخ و سفید اور پیارا شیریں
دہن رنگ سے دمک رہا ہے یوں ـــــ جیسے جوالا مکھی کے کنارے
پر کسی پھول کی شوبھا!

۲

پُکار

اے مسرت کے فرشتے !
تجھ کو کچھ اس کی خبر ہے،
درد اور شرم ہیں کیا شے
اور پشیمانی اور آہیں
دل کی الجھن کے بکھیڑے
اور مبہم سے وہ خطرے
جن سے بھرپور ہیں راتیں
جو مرے دل کو مسل دیں۔
درد اور شرم ہیں کیا شے
تجھ کو کچھ اس کی خبر ہے،
اے مسرت کے فرشتے؟
مہر و الفت کے فرشتے!
تجھ کو کچھ اس کی خبر ہے
تجھ کو احساس ہے اس کا؟

دل میں نفرت کا اندھیرا،
جب کہ سب بند ہوں راہیں
کیسے غم لے کے ہے آتا،
آہ! نفرت کی نگاہیں!
آنکھوں میں لاتی ہیں آنسو،
انتقام لینے بلاوے!
دل کو دیتا ہے کہ سُن لے
اور تاریکی سے اُٹھے،
جا کے اس نور سے لپٹے!
دل پہ اس وقت ذرا بھی،
اپنا رہتا نہیں قابو!
تجھ کو احساس ہے اس کا
تجھ کو کچھ اس کی خبر ہے
مہر و الفت کے فرشتے؟

۳

ہمت کی بلندی

وادیٔ خطرات پر، اور پُرسکوں جھیلوں پہ بھی!
جنگلوں پر، بادلوں، پیڑوں پہ اور ٹیلوں پہ بھی
دُور مہر و ماہ کے سودا زدہ اسرار سے
دور یکسر مضطرب انجم کے شعلہ زار سے،
سیر کر اے روح! جا کر اشتیاقِ تازہ لے،
اور کر احساسِ ہمت نور کے شیرازہ سے!
ایک ایسے شخص کے مانند جو مدہوش ہو،
ایک احساسِ ندائے غیب سے خاموش ہو!
تو بھی اُس کی طرح جا اب وسعتِ افلاک میں
نفسِ مردانہ کی تُندی لا دلِ بے باک میں!
تیرہ و تاریک دنیا کی پریشانی کو چھوڑ،
دہر کی بے رنگ اور آباد ویرانی کو چھوڑ!
چل نکل دامانِ قیدِ عارضی کو چاک کر
اپنی ہستی کو ہواؤں میں پہنچ کر پاک کر

اور وہاں آتش کی وسعت اور شدت نوش کر
بادۂ گلرنگ کا اک جامِ صحت نوش کر!
دہر سے دُور اور ساری کائناتِ غم سے دُور
دھند کے بارِ گراں سے، تلخئ پیہم سے دُور!
اُس کو حاصل ہے مسرت، جو پرندوں کی طرح
جا کے راحت سے ملے آزاد پرندوں کی طرح!
اُس جگہ پر رہ سکے جس میں گنہ کوئی نہیں،
جس جگہ جا کر کوئی دل رہ نہیں سکتا حزیں!
اُن مقاموں کی خموشی میں بھی اک اظہار ہے
واں پہ پھولوں کی زباں بھی مائلِ گفتار ہے

۴

اجنبی عشرتیں

مطمئن دل کو لئے چلتا گیا چلتا گیا،
کر لیا طے راستہ سب اس طرح ڈھلوان کا!
جس طرح منظر دکھائی دے کسی مینار سے

شہر کا جلوہ مجھے ایسے نظر آنے لگا!
اس جگہ سے اُن مقاموں تک گیا میرا خیال،
ہیں جو دوزخ کے نمونے، جیل، چکلے، ہسپتال!

ان مقاموں پر بدی کھلتی ہے پھولوں کی طرح
تجھ کو سب معلوم ہے شیطاں! مری وجہِ عذاب!
اِس کا تجھ کو علم ہے میں اُس جگہ پہنچا نہ تھا،
رائیگاں آنکھوں سے اشکوں کو کروں شاملِ گلا!
میں تو بوڑھا اور فسردہ قلب ایک عیاش تھا،
واں پہنچنا تھا وفاداری کا میری امتحاں!
دُور اس آوارہ سے کرنی تھی دل کی تشنگی،
جس کا حُسن دوزخی کر دیتا ہے مجھ کو جواں!

میرے دل کو ہے تعلق تجھ سے اے بدنام شہر!
خواہ تو خفتہ ہو، اک بوجھل نمی چھائی رہے
تیری وسعت پر نمایاں دن کے اُجیالے کی لہر
یا ہوں تیرے جسم پر ملبوس رنگیں شام کے!
صبح اور ضیا دیں ہیں لطف اپنے رنگ کے،
پستیوں کی عشرتیں اب تک نہ عامی پا سکے!

۵

پردیسی خوشبو

جب اپنی آنکھوں کو بند کرتے ہی، جیسے افیون کے نشے میں
کوئی تخیل کے خواب دیکھے!
میں نوش کرتا ہوں تیرے سینے سے ایسی نکہت کے مست جھونکے
کہ دل کے جذبات جن سے مچلیں،
تو میری آنکھیں یہ دیکھتی ہیں
کہ اک جہنم کی تیز ندی ہے اور اگنی رُخِ شفق کی
جو ایک پل بھی نہیں ہے رُکتی!

اور اک جزیرہ کہ جس کے اندر ہے غیر فطری نظامِ قدرت،
اور اس پہ اک بوجھ بن گئے ہیں وہ پھل جو کومل ہیں اور میٹھے؛
وہاں پہ مردوں کے جسم مہمان بنتے ہیں اُن کی عورتوں کے،
اور اصل میں اس سے مختلف ہے دکھائی جو دیتی ہے ہر عورت!

رسیلے گھونگھٹ کی گرمجوشی کی سمت کرتے ہیں رہنمائی

وہ تیری نکہت کے مست جھونکے،
اور ایک ساحل کی کاٹ کے اوٹ میں چھُپے دیتے ہیں دکھائی
مجھے کئی بادبان، بجرے!
چھُپے ہوئے ہیں وہاں پہ تنگ آ کے سارے ساگر کی آندھیوں سے!
ہے میرے دل کی بھی ایسی حالت شبانہ عشرت کی اُلجھنوں سے!

یہ تیرے سینے کی مست نکہت مجھے خبر کیا کہ کس طرح سے،
مرے دل و روح میں جگاتی ہے بہجت انگیز رس کے سپنے،
کہ جیسے ملاّح گیت گائے!

٦

آہنگِ شام

اب ہے وہ گھڑی کہ ہواؤں کے جھولے پر جھومتا جاتا ہے،
جو پھُول اگربتی کی طرح اپنی خوشبو پھیلاتا ہے،
بوجھل ہے ہوا خوشبوؤں سے اور میٹھے میٹھے گیتوں سے،
کیا ناچ کی نرمی جھلکتی ہے تیورا کے بہکتے قدموں سے!

ہر پھول اگر بتّی کی طرح اپنی خوشبو پھیلاتا ہے،
اور جاگ اُٹھی ہیں سازوں میں فریادیں دُکھیا روحوں کی!
کیا ناچ کی نرمی جھلکتی ہے تیورا کے بہکتے قدموں سے
اک موت اور حسن کے مندر سی آکاس کی صورت اب ہے بنی!

لو جاگ اُٹھی ہیں سازوں میں فریادیں دُکھیا روحوں کی،
وہ روحیں جنہیں اِس موت کی کالی کالی رات سے نفرت ہو!
اک موت اور حسن کے مندر سی آکاس کی صورت اب ہے بنی،
اور خون میں ڈوب کے سورج نے بھی چھوڑ دیا ہے رنگوں کو!

یہ روح جسے اس موت کی کالی کالی رات سے نفرت ہے،
اب یاد کئے جاتی ہے سہم سہم پہلے، بیتے زمانے کو!
اور خون میں ڈوب کے چھوڑ دیا ہے رنگوں کو اب سورج نے،
اور تیرا تصوّر جاگ اُٹھا ہے میرے دل کے ڈرانے کو!

۷

متفرق ترجمے

(۱) منثور ترجمہ

"ایک بار، صرف ایک بار، اے نرم دل عورت! تیرا بازو
میرے بازو سے چھوا۔ میری روح کی تاریک گہرائیوں میں وہ
یاد اب تک تازہ ہے۔ رات بھیگ چکی تھی اور چودھویں کا چاند
نمودار ہو رہا تھا اور سوئی ہوئی بستی پر رات کی متانت کا
حُسن کسی دریا کے وقار کی طرح چھایا ہوا تھا۔"

---

(۲) منظوم ترجمہ

سلام اُس کے نسائی حسن کو جس نے مرے دل میں
مسرت لانے والا جال پھیلایا اُجالے کا!
فرشتے کو، اُسی عورت کو جو یکسر ہے لافانی
سلام اُس عاشقِ ناشاد کے ناکام جذبے کا

وہ میری زندگی میں اس طرح گھل مل گئی جیسے'
نمک مل کر ہوا میں ایک ہو جائے سمندر کا!
پیاسی روح کو میری یہی احساس ہے گویا،
دوام اس حسن کا مجھ کو بھی لافانی بنا دے گا!

والٹ وٹمن

(١٨١٩ء — ١٨٩٢ء)

امریکہ کا ملک الشعرا

١

اے رام جنی

دلجمعی سے، بے خوف و خطر، سکھ چین سے رہ تو پاس مرے،

میں شاعر ہوں،

آزاد خیال اور آوارہ فطرت کی طرح،

اور زور آور قدرت کی طرح!

جب تک سورج اپنی کرنوں سے تیرے بوسے لیتا ہے،

میں بھی تیرے بوسے لوں گا،

جب تک پانی دھرتی پر رہ کر تیری پیاس بجھائیں گے
میں تیری پیاس بجھاؤں گا!
جب تک پتے ہل ہل کے ہوا سے جسم ترا سہلائیں گے،
میں جسم ترا سہلاؤں گا۔
یہ تیری نفرت انگیز اور ذلت سے بھری جو حالت ہے
مجھ کو اس سے نفرت ہی نہیں!
مجھ کو تیرے، تجھ کو میرے پہلو میں نہ دیکھے کوئی، مجھے یہ سوچ نہیں!
میں مرد ہوں اور تو عورت ہے،
دونوں کو بنایا قدرت نے،
دونوں نے خدا کا نام لیا،
دونوں جزو ہیں شہریت کے!
ہاں اے وہ کلی! جو وقت سے پہلے شگفتہ ہے،
میں تجھ سے وقت مقرر کر کے کہتا ہوں،
آ، ہم، تم باتوں باتوں میں کچھ کام کی باتیں بھی کر لیں،
کچھ پھولوں سے،
کچھ رنگ برنگے، ہلکے ڈھیلے اور باریک لباسوں سے،
جا اپنا جسم سجانے کی تیاری کر!
اور ایسی بن،
میں فطرت کی تکمیل کروں!

جا، آج ذرا، دل گرمانے والے اور من موہن سنگاروں کو اپنا کرلے،
اور مرے پہلو میں آجا، جب میں آؤں!
ہاں اُس لمحے تک معنی خیز نگاہوں سے میں تجھ کو اشارے کرتا ہوں!

۲

ہم دو لڑکے

ہر دم ساتھ اکٹھے رہتے
ہم دونوں آپس میں لپٹتے،
نئے نئے رستوں پر چلتے، پورب پچھم گاتے جاتے،
اپنے بازوؤں کو پھیلاتے!
مٹھیاں بھینچتے، کھولتے جاتے، زور اور بل سے لطف اُٹھاتے،
خوف و خطر کو دل میں نہ لاتے، عیش مناتے، سیریں کرتے،
کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، ہنستے گاتے، گلے لگاتے،
روٹھتے منتے، چومتے جاتے،
رسم و رواج کو دل سے بھلاتے، اپنی من مانی ہی کرتے!
موجوں میں ناؤ کو بہاتے، دریاؤں کے پار اُترتے،

گاؤں میں دہشت پھیلاتے، کنجوسوں کا دل دہلاتے،
ڈاکو بن کر لوٹتے جاتے!
قانونوں کی ہنسی اُڑاتے، فوجوں کو خاطر میں نہ لاتے!
ہر اک بستی، ہر اک صحرا، درہم برہم کرتے جاتے!
ہر لمحے، ہر وقت ہمیشہ، یونہی چلتے پھرتے پھرتے!
اپنے کھیل کو پورا کرتے!

۳

چولی اور دامن کا ساتھ

(۱)

اے عمرِ جوانی! دو لمحے، عیش و عشرت کے، چاہت کے!
ہاں دو لمحے! زیب و زینت کے، نشّوں والی طاقت کے!
جیسے دن ہو ہنستے چمکتے سورج والا، کاموں والا!
ہر دم نئی اُمنگیں ہی لاتا ہو جس کا اجیالا!

(۲)

وقتِ پیری کچھ لمحے، سُکھ چین، فراغت، فرصت کے،

کچھ لمحے روحانی خوشی کے، نیکی کے اور عظمت کے!

جیسے رات ستاروں کو اپنے نازک پہلو میں لئے!

رحمت، تسکین لاتی ہو کچھ ہلکی گہری نیندوں سے!

۴

رِستے، نکلتے، بہتے قطرو!

رِستے، نکلتے، بہتے قطرو!

میرے پیارے، اچھے قطرو!

میری لال اور نیلی رگوں سے رِستے قطرو!

دھیرے دھیرے نکلتے قطرو!

ان زخموں سے جن کے رَستے کھلے ہوئے ہیں،

رِستے جاؤ، رستے نکلتے قطرو!

ان زخموں سے! زخم کہ جو بندی خانے ہیں

بہتے جاؤ، نکلتے جاؤ، ان ہونٹوں سے، پیشانی سے، اس چہرے سے!

اور سینے سے!

ایسی تہوں سے جن میں کبھی میں پوشیدہ تھا!

بہتے جاؤ، ہاں اے سُرخ لہو کے قطرو!

بھر دو، بھر دو ہر صفحے کو، ان گیتوں کو جو میں گاؤں،

ان لفظوں کو جو میں بولوں!

خونیں قطرو!

ن سب کو اپنی عنابی حرارت سے آگاہ بن دو ——— اور چمکا دو!

ہاں ہاں، ان سب کو تم بھر دو، نم والے، شرماتے قطرو!

ہاں، چمکو اُس ہر شے میں جو میں نے لکھی ہے، یا میں،

لکھوں گا۔

ہاں ہاں، بھر دو، اپنی شعاعوں میں ہی میری ہر اک شے کو ظاہر کر دو

اے شرماتے لجاتے قطرو!

۵

اے اجنبی!

اے اجنبی

تجھ کو نہیں اس کی خبر،

دیکھا تجھے کن آرزوؤں سے ابھی،

بیشک وہی ہے تو

مجھے

تھی جس کی اب تک جستجو،

(یہ بات ایسے ہے کہ جیسے خواب ہو!)

ہمرازِ عشرت ہو کے تیرے ساتھ ہی

میں نے گذاری ہے کہیں،

کچھ زندگی؛

اس راہ کے ہلکے تعلق سے ترے

ہر بات یاد آئی مجھے؛

دل گرم اور چاہت بھرے،

پاک اور سجے سنورے چہرے

یوں آج رستے میں ملے!

ہاں عالم طفلی مرا

یک جا بسر ہوتا رہا!

میں نے گذاری زندگی،

ہمرازِ عشرت ہو کے تیرے ساتھ ہی،

اور ایک جا بیتی تھیں گھڑیاں رات کی ـ،

تیرا بدن تیرا نہیں، میرا بھی ہے،

میرا بدن میرا نہیں، تیرا بھی ہے،

تجھ سے مجھے حاصل ہوئی آنکھوں کی، چہرے کی خوشی!

مجھ سے تجھے حاصل ہوئی،
ہاتھوں کی سینے کی خوشی !
میں تجھ سے محوِ گفتگو
ہوں گا نہیں !
تیرا تصوّر آئے گا۔
راتوں کو، یا دن کو کبھی،
اور تیری یادیں لائے گا!
اب راہ تکنا ہے مجھے
لیکن ہے اس دن کا یقیں،
دل کے قریں،
جب پھر سے ہم مل جائیں گے،
اے اجنبی !

۶

جنون و مسرّت کا ایک لمحہ

ایک لمحہ جس میں جنون و مسرت میرے ہیں!
آشفتہ خیالی، درہم وبرہم بے باکی!
ہاں، مت روکو، مت روکو، مجھے کیوں روکتے ہو؟
یہ کیا شے ہے جو مجھ کو یوں آزادی دے کر، طوفانوں میں چھپ جاتی
ہے نگاہوں سے؟
برق و باراں میں، ہواؤں میں، یہ میری آہیں اور چیخیں کیا کہتی ہیں؟
مجذوبانہ مدہوشی میں یوں ہونا، جیسے کوئی نہ ہوگا دنیا میں!
اک وحشی اور گداز اذیت درد و کرب کی کیفیت!
(میرے بچّو! اے دولہا اور دُلہن! سن لو، یہ باتیں کام آجائیں گی)
ہاں، خود کو ترے بس میں دینا (کیا اس سے غرض، تو جو بھی ہو)
اور اپنے بس میں کرنا تجھے، ہر شے کو بھلا کر یادوں سے!
اے شوخ، نسائی پتلی سی! جنت میں پھر سے پہنچ جانا!
ہاں جب سینے سے سینہ ملے،
اک عزم راسخ دل میں لئے،
ہونٹوں سے ہونٹ ملا دینا!

اے بھول بھلیاں پہیلی سی!
اے دوہری، تہری گرہ جیسی!
اے پیچ، اے عقدے، اے اُلجھن!
اور گہری، اندھیری جھیلوں سی خاموشی بھی!
تجھ کو، ہاں تجھ کو ننگا ہونے سے چھلنی کرنا!
اور تیری چمکتی، چندھیاتی کرنوں سے نگاہوں کو بھرنا!
اور آہ وسیع فضاؤں میں اڑتے رہنا!
اور تازہ ہواؤں سے سانسوں کا نغمہ کہنا!
اور پہلی پرانی رسموں کے بندھن کی عقدہ کشائی بھی!
اور قدرت کی سب سے اچھی خوبی کو اپنا بنا لینا!
اور اپنے خیالوں سے جو تسکیں دور تھی، اس کو پالینا۔
اور جو رکاوٹ باتوں پر تھی، بوجھ نہ اس کا پھر سہنا!
آہ خودی میں شاکر رہنا خود میں تسکیں سے ملنا!
یہ کیا شے ہے؟ یہ کیا شے ہے؟ جو میری سمجھ سے باہر ہے؟
جیسے اک عالم رؤیا ہو یا وجد کا گہرا حلقہ ہو!
آزادی میں چلنا پھرنا!
آزادی میں ہنسنا، گانا!
آزادی میں چاہت کرنا!
آزادی بے پروائی سے، خطرے والے کاموں کو ہاتھوں میں لینا!

اپنی متوالی روح کو پہلو میں لے کر چاہت کی بلندی پر جانا!
اس لمحے کی تکمیل سے اور آزادی سے، آئندہ کے ساماں کرنا!
اور کھو جانا ہی لکھا ہو تو پھر کھو جانا!
لیکن آہ وہ لمحہ جس میں جنون و مسرّت میرے ہوں!!

۷

اے سمندر!

سمندر! اے سمندر! اپنی گمبھیر اور گھمنڈی سی صدؤں میں۔
ترے ہر دم انوکھے اور بے حد مختلف یہ شور سے
جب ذہن میں لیتا ہوا،
تیرے تھپیڑوں سے شکستہ ساحلوں پر میں گذرتا ہوں۔
تری باتیں سمجھتا ہوں!
اور ان پر غور کرتا ہوں!
یہ غصّے میں کف انگیزی!
سفید اور ڈھیلے ڈھالے دامنوں میں دوڑتے آتے ہیں ہر لمحے،
یہ دیوانے، ہجوم، اک منزلِ مقصود کی جانب!

ترا چہرہ جو سورج کی شعاعوں سے چمکتا، مسکراتا ہے!
تری چینِ جبیں اور تیرے ان بے باک طوفانوں کی جمعیت!
تری خودرائی، تیرا عزمِ راسخ، تیری خودبینی!
پھر اس عظمت کے ہوتے کبھی ترے بے انتہا آنسو،
جو اس وسعت میں ابدیت نہ ہونے پر بہاتا ہے!
یہ تیری کشمکش، یہ لغزشیں اور یہ شکستیں بھی،
یہی ہیں جو تری عظمت بڑھاتی ہیں.
یہ تنہائی، یہ تیری بے کسی، یہ سعیِ لاحاصل،
کہ جویا ہے کسی شے کا، مگر وہ شے نہیں ملتی!
تری پھیلی ہوئی یکساں سی تند و تیز سرجوشی!
یہ ہے آوازِ آزادی کے اک محبوس شیدائی!
کہ جیسے ایک سیارے کے مانند اک بڑا سا دل،
اسی ساحل کی ترچھی اور ظالم سی چٹانوں میں ہی اپنا سر پٹکتا ہو،
تری پھولی ہوئی سانسیں!
تری اینٹھی ہوئی موجیں!
یہ تیرے دل کی دھڑکن اور تری موجوں کی ساحل سے ہم آغوشی!
یہ ناگوں جیسی پھنکاریں!
بلند اور وحشیانہ قہقہوں کا اک تواتر،
دور سے آہستہ آہستہ چلی آتی یہ شیروں سی گرج تیری!

اس اونچے آسماں کے بہرے کانوں کی طرف جاتی ہوئی!

اور پھر اچانک راہ میں رکتی ہوئی! ——— یا لوٹ ہی آتی!

یہ سب کی خامشی میں مشورے تیرے!

زمیں کے دل کے خوابوں کی یہ تعبیریں!

یہ تیری روح کی گہرائیوں میں سے نکلتا جو سنائی دے رہا ہے ایک افسانہ،

یہ ہے اک کائناتی اور عالمگیر جذبے کا اک افسانہ، جو اپنے ہم نوا کو تو سناتا ہے!

۸

الوداع اے طائرِ خیال!

الوداع! ہاں الوداع اے طائرِ خیال!

الوداع اے یارِ غار!

لوداع محبوبِ من

جا رہا ہوں میں، نہیں معلوم لیکن کس جگہ

اور یہ خوبی ہے بس تقدیر کی؛

اور دیکھوں گا تجھے میں پھر کبھی؛

اس لئے اب

الوداع! ہاں! اے طائرِ خیال!

اور لو آخر کے لمحے آگئے،

ڈالنے دو مجھ کو ماضی پر نظر!

اب مرے رقصانِ دلرزاں قلب کی رفتار دھیمی پڑگئی:

آگیا ہے اب نکاس!

اور خاموشی اندھیری رات کی!

دیکھنا اب ہوگا یوں،

ایک پل میں دل کی ہر زش تھم گئی!

دہر میں تو اور میں

اک زمانہ ساتھ تھے:-

مل کے دیکھے ہم نے لمحے عیش کے!

خوب تھے وہ سارے لمحے خوب تھے!

اور اب آئی جدائی اس سمے۔

الوداع! ہاں الوداع اے طائرِ خیال!

لیکن اتنی جلد بازی کیوں کروں؟

دہر میں تو اور میں

اک زمانہ ساتھ تھے!

ساتھ ہی جیتے رہے اور ساتھ ہی سوتے رہے!

اس قدر مل کر کہ گویا ایک تھے!
اور اگر مر جائیں گے تو مل کے دونوں جائیں گے!
(ہم رہیں گے ایک ہی)
ہاں، کہیں بھی جائیں ہم، جائیں گے دونوں ساتھ ہی!
جو بھی ہو!
دور رہ کر تجربہ حاصل ہو کچھ!
ہاں سبق حاصل ہوں کچھ ہم کو نئے!
شائد ایسے تو تجھے اکسار ہا ہو گیت گانے کے لئے!
شائد ایسے تو ہی عقدہ ہائے فانی توڑ دے۔
اس لئے
آخری اب الوداع!
الوداع! ہاں الوداع! اے طائرِ خیال!

میلارمے

(۱۸۴۲ء——۱۸۹۸ء)

انیسویں صدی کا جدید فرانسیسی شاعر

"میں میلارمے کی ایک نظم کا ترجمہ درج کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی وہ شرح بھی لکھے دیتا ہوں جو چارس موروں نے کی ہے لیکن پہلے وہ لطیفہ سُن لیجئے جس کا اس نظم سے تعلق ہے۔

ایک دفعہ میلارمے ایک نوجوان عورت کے ساتھ سیر کرتا ہوا غیر متوقع طور پر ایک دیہاتی میلے میں جا پہنچا۔ پیرس کے نواحی دیہات صنعتی اور مزدور پیشہ غریب غربا کا مسکن ہیں۔ میلے کی ہماہمی اور رونق میں ایک اسٹال اُنہیں ایسا دکھائی دیا جو خالی پڑا تھا اور جہاں کسی طرح کی کارروائی نہ ہو رہی تھی۔ اس اسٹال کا مالک ایک بوڑھا آدمی تھا، اور اُس نے ایک پردہ لٹکا رکھا تھا کیوں کہ لوگوں کی توجہ کے

لئے وہاں کوئی بھی چیز موجود نہ تھی۔ اس خالی اسٹال کو دیکھ کر شاعر کے ساتھ والی عورت کے ذہن میں ایک عجیب خیال پیدا ہوا۔ اُس نے ڈھول پیٹنے کو کہا اور شاعر کے بُلانے پر لوگ جمع ہونے شروع ہوئے اور ٹکٹ لے کر اندر داخل ہونے لگے۔ لیکن اندر پہنچ کر جو تماشا حاضرین کے پیشِ نظر کیا گیا وہ صرف شاعر کی ساتھن تھی۔ جو فیشن ایبل لباس پہنے ہوئے اپنے سر پر پھولوں سے سجا ہوا ہیٹ رکھے ایک میز پر کھڑی تھی۔ لوگ اس تماشے پر متعجب تھے اور خاموش۔ شاعر نے محسوس کیا کہ کچھ نہ کچھ کہنا چاہیئے۔ اس سے غرض نہیں کہ کیا کہا جائے، کچھ نہ کچھ کہا جائے، کوئی بات، چنانچہ اس نے ہجوم کو مخاطب کر کے یہ نظم کہی:" (میراجی)

۱

ہجوم سے خطاب

(منثور ترجمہ)

"گیسوؤں کا انبار ایک شعلے کی لپک کی طرح
آرزوؤں کے پچھم کی آخری حد پر پہنچ کر، وہاں کھل کر
پھر بیٹھ جاتا ہے (اسے ایک سلطنت کا زوال کہہ لیجیے)
اُس تاج کی ایسی اونچی بھوں کی طرف بیٹھ جاتا ہے،
جو اس کا قدیم آتشدان تھی۔
لیکن افسوس! سنہرا پن چھن جانے پر بھی

اس زندہ بادل کو جو ایسی آگ کی مانند ہے جو ہمیشہ اندر رہتی ہے،
اور اصل میں جو ایک اکیلی اگنی ہے۔
آنکھ کے سنجیدہ یا طنز کرتے ہوئے ہیرے میں
جاری رہنا چاہیئے تھا۔

ایک نازک ہیرو کی عریانی اس بت کو عریاں کرتی ہے۔
جیسے نہ حرکت کرتا ہوا ستارہ اور نہ انگلی پر کی آگ
اپنی صورت سے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔
بلکہ جیسے وہ عورت تکمیل تک پہنچاتی ہے۔
جس میں شان کی سادگی ہے،

سُرخ پتھروں کے ساتھ
اس اشک کی بنیاد کا کارِ عظیم بھڑکاتے ہوئے۔
جیسے اُس نے یوں چھوا تھا۔
جیسے کوئی شاداں اور رہنما مشعل !"

۲

اُلجھن

آج آیا نہیں مفتوح بنانے کے لئے
اور تجھے دیوِ ہزیمت سے ملانے کے لئے

تو کہ حیوان ہے دُنیا کے گناہوں سے لدی!
جیسے پھولوں سے ہو بوجھل کوئی نازک ٹہنی!

اور نہ آیا ہوں کہ پیدا کروں طوفانِ حزیں
اپنے بوسوں کی گراں باری و بیزاری سے،
گیسوؤں میں کہ پریشاں ہیں جو مستانہ وار
آج اُس نیند کا مشتاق و طلب گار ہوں میں
آہ! آلودہ نہیں ہے، جو ہے خوابوں سے بری!
بند پردوں میں جو بستر کے حرارت ہے، کہیں
منتظر اس کا ہوں بن جائے وہ ہمرازِ مری!

موت سے بڑھ کے فراموش جو کر دے وہ نیند
تیرے بستر کی حرارت میں ہے ہمدوش تری!
وقت سے تیز گناہوں کی ہے نشترکاری!

تو، کہ بیہودہ، ہزیمت پہ مری ہے نازاں،
ایک جیسی ہے تری اور مری رسوائی!

یہ ترا دل کہ جو محفوظ ہے سینے میں ترے!
جُرم کے زخم سے ہوتا ہی نہیں ہے حیراں!
زرد رُو بادیہ پیمائی میں ہوں سرگرداں،
اور اس اندیشے سے ہر وقت ہے دل بھی لرزاں
"موت آلے نہ کہیں سوؤں اگر میں تنہا"
اس لئے آج میں خلوت میں تری آیا ہوں!

۳

گوالے کا سپنا

بقائے زندگی بخشوں گا ان جنگل کی پریوں کو

سبک مورت ہے ان کی اس قدر شفاف ـــ بہتی ہے ہواؤں پر،
ہوائیں جو گھنیری نیند کے جھونکوں سے بوجھل ہیں!

توکیا میں نے فقط اک خواب دیکھا تھا؟

گماں میرا پرانی رات کا انبار ہے اور ختم ہوتا جا رہا ہے
اب یقیں بن کر
بہت سی نرم شاخیں چھوڑ کر جنگل کو، سپنے میں
دکھائی دے رہی تھیں مجھ کو،
وہ اس وقت اظہارِ حقیقت ہیں!

انھیں شاخوں سے،
پریشاں، منتشر کرنے سے پہلے جو اُفق کے صاف میداں میں
شفق کے پار پہنچا تھا!

تُو اے چُپ چاپ جھاڑ جھیل کے ساکن کنارے کی!
جو میری خود پسندی کو
کہیں بڑھ کر تپِ خورشید سے، برباد کرتی ہے!
جو اں تاباں گلوں کے سائے میں خاموش رہتی ہے،
بیاں کر دے، کہ
"جب میں اس نیستاں میں
تلاشِ نے کی خاطر محو تھا یکسر،

تو کیا اُس دُور کے سبزے کے اک زرّیں دھندلکے میں
" جہاں بیلوں نے اپنے جال پھیلائے ہیں چشمے کے کناروں پر،
کسی زندہ سفیدی کی وہاں لہریں ہوئیں پیدا ؟ "
بیاں کردے ! کہ
" جب ہنسی کے پہلے سُر نے اُن ہنسوں کو چھیڑا تھا
(نہیں، اُن جل کی پریوں کو)
تو کیا زندہ سفیدی اُڑ گئی، یا تیر کر غائب نگاہوں سے ہوئی میری ؟ "

ہر اک شے تُند لمحوں میں جھلتی ہے بغیر احساس کے، ان کو
ذرا پروا نہیں اس کی،
اچھوتا سیمیں کس جادو سے غائب ہو گیا پل میں،
مجھے تھی جستجو جس کی !
ہوا بیدار میں اس وقت پہلی گرم جوشی سے،
تن تنہا — پرانے نور کے طوفان کے نیچے،
کنول کے پھول بھی تھے ہم نشیں میرے،
اور احساس حقیقت ہو گیا اُن سے مرے دل کو !

عدم جیسی وہ اک بے نام شیرینی
سکوں لاتی ہے نزہت جس کی اس درجہ وفا نا آشنا عشاق
کے دل میں

ہو گویا ایک بوسہ اُن کے ہونٹوں سے کبھی پیدا،
یونہی سینہ مرا گرچہ مبرّا ہے مگر اس پر
ہویدا نقش پُر اسرار ہے کوئی!

مگر رہنے دو، رہنے دو!
کہ ایسے پردہ دار اسرار نے اپنے لئے نَے منتخب کی ہے۔

وہ نَے جس کو میں چرخِ نیلگوں کے سائے میں ہر دم بجاتا ہوں،
وہ نَے جو کاوشِ رخسار کو، ہستی سے اپنی ملتفت کر کے،
ہوا کرتی ہے محوِ خواب لمبی تان کی لَے میں،
کہ ہم بہلائیں اپنے دل کو اس حُسنِ فراواں سے
جو چاروں سمت پھیلا ہے!
سرابی الجھنیں جو نغمۂ سادہ میں اور حسنِ فراواں میں ہویدا ہوں،
ہم اُن سے دل کو بہلائیں
ہوا کرتی ہے محوِ خواب لمبی تان کی لَے میں،
اور اک بے لطف، پرآو، زیکساں خط بناتی ہے،
اور اس خط کو جُدا کرتی ہے سادہ خواب سے میرے!
وہ سادہ خواب جو ہوتا ہے میری نیم وا آنکھوں کے پردوں میں،
وہ سادہ خواب جس کو جذبۂ دل وضع کرتا ہے!

چل آ، اے کینہ ورِ ہستی!
ذریعہ ہے جو پروازوں کا، تو پھر سے شگفتہ ہو،
کنارِ آب پر جا کر،
جہاں تو منتظر ہے میری ہستی کی!

فسانہ سازیوں پر بھی میں نازاں ہوں، نازاں ہوں!
کئی لمحوں تلک باتیں کروں گا دیویوں کی میں!
میں اُن کے پیرہن پھر سے اتاروں گا!
میں ان کو نور میں لے آؤں گا سایوں کی بستی سے!

یونہی، جیسے پشیمانی جو ہے باطل فریبوں پہ
اُسے دل سے مٹانے کو،
میں انگوروں کے رس کو، نور کو جب چوس لیتا ہوں،
تو خالی شاخ اپنے ہاتھ سے سوئے فلک اُس دم اٹھاتا ہوں،
اور اس کو شام تک میں دیکھتا رہتا ہوں دل میں بیخودی کی آرزو لے کر!

ہم اے جنگل کی پریو!
پھر سے اُن سو رنگ کی یادوں کو دل میں تازہ کرتے ہیں
نظر میری نیستاں سے نکل کر، چیر کر جاتی ہے — جاتی ہے،

نظر جاتی ہے میری ہر گلوئے غیر فانی پر،
گلوئے غیر فانی، سوز کو اپنے جو لہروں میں چھپاتے ہیں،
غضب کی چیخ جن میں سے نکل کر آسماں کی سمت جاتی ہے،
اور اُن کے گیسوؤں کا غسلِ تاباں بھی،
نظر سے دُور ہو جاتا ہے لرزش اور تابش میں!

میں جب دوڑا، نظر آئیں مجھے دو نازنینیں اپنے قدموں میں
"بہم بازو حمائل گردنوں میں تھے،
وہ تھیں سوئی ہوئی دونوں
میں لپکا، اُن پہ سلجھائے بغیر اُن کو،
پھر اس گلزار میں لایا،
گلوں کا رس جہاں پر سوکھتا جاتا ہے گرمی سے
وہ گرمی جس سے نفرت ہے نموں کیش سایوں کو،
جہاں ممکن تھا، مہرِ تند دن کی طرح عشرت کو ہماری جذب کر لیتا!"

مجھے دوشیزگی کا طیش بھاتا ہے،
پسند آتا ہے جوشِ پاک دامانی،
میں دوشیزاؤں کے جوشِ غضب کا اک پجاری ہوں!
مقدس اور عریاں جسم کی وحشی مسرت، جو پھسلتا ہے،

چمکتا ہے کہ جیسے ہو کوئی بجلی گھٹاؤں میں،
گریزاں میرے گرم اور چوستے ہونٹوں کی ورزش سے!
وہ پنہاں خوف جسموں کا۔
تھے جو نم دار وحشی آنسوؤں سے یا
ذرا کم درجہ غم انگیز قطروں سے!
بدن نم دار تھا قدموں سے لے کر ایک کا، ہاں وہ جو ظالم تھی،
مگر نم دار تھا جسم اس کا سینے تک جو خائف تھی،
چھوتا پن وہ کھونے کو تھیں دونوں ایک ملتے میں!

مرا یہ جرم ہے میں نے،
فریب انگیز ڈر کو جیتنے پر شادماں ہو کر،
کیا تھا منتشر بوسوں سے ہر زلف پریشاں کو،
کہ جن کو دیوتاؤں نے سجا رکھا تھا خوبی سے۔
اور اس دم جب کہ میں کھولنے کو تھا اک نازنین کے گیسوؤں کی شادماں عزت
میں اپنا آتشیں خندہ
(اور اس دوران میں چھوٹی کو جو سادہ طبیعت تھی،
حیا کی سرخیاں رخسار پر جب سے نہ آتی تھیں،
اُسے تھاما ہوا تھا اک طرف، تنہا، اکیلی، ایک انگلی سے،
سفیدی، تاکہ اُس کے دل کی بھی رنگین ہو جائے،

اُسی ہم خواب کے دل کی چہکتی آرزوؤں سے)
تو میرے بازوؤں سے کرلیا آزاد خود کو صید نے اک دم
تشکر کا اُسے احساس ہی گویا نہ تھا یکسر!
کسی مبہم سی کمزوری کی مجھ پر خستگی چھائی ہوئی تھی ۔ اور
میں جس سسکی سے بے خود تھا اُسے اُس پر نہ رحم آیا!
ہوا جو کچھ ہوا میں اور بھی جو اپنی زلفوں کو
مری آنکھوں کے پردوں سے لگائیں گی۔
مجھے لے جائیں گی عشرت کی جانب رہنما بن کر۔
مرے جذبو! تمہیں معلوم ہیں کلیاں
گلابی رنگ لے کر پختگی پا کر،
کھلا کرتی ہیں اور سرگوشیاں بھونروں سے کرتی ہیں؟
ہمارا خون بھی بہتا ہے ، لافانی ہجوم آرزو کے واسطے ،
اس نازنیں کے واسطے جو اس کو اپنا لے!
انھیں لمحوں میں اب جنگل
سنہرے اور نشیلے مناظر لے کے آتا ہے،
چمک اٹھتا ہے اک جشنِ مسرت برگ زاروں میں۔
کہ جو خاموش ہیں اور درماندگی میں کھوئے ہیں سارے!

اُداسی اور سکوں جب گونج اٹھتے ہیں،

تو شعلے، موت کے دامن میں یکسر ڈوب جاتے ہیں!
اُنھیں لمحوں میں ہیما وتی کی بیٹی برف سے ٹھنڈے
قدم رکھتی ہے آتش خیز سینے پر جوالا کے!
مرے پہلو میں ہے دیوی! . . .
یہی ہے انتقام اُن کا جو پہلو سے گریزاں ہوگئیں میرے!
نہیں لیکن
نہیں ہے طاقتِ گویائی میری روح میں یکسر،
بدن پر بھی مرے اک بوجھ چھایا ہے؛
سرِ تسلیم خم کرتے ہیں روح و جسم اُس نازاں خوشی کو،
جو دن کے آتشیں لمحوں پہ طاری ہے!

بس اب سپنے نہ دیکھوں گا،
مجھے نیند آئے گی، بھولوں گا میں اِس ظلمِ ناحق کو،
میں پیاسی ریت پر سو جاؤں گا خوابوں کے جھونکوں میں!

بس اب رخصت تمھیں، دونوں کو! ـــــ دونوں کو!
اب اُن سایوں کو دیکھوں گا کہ جن میں کھو گئی ہو تم!

سوئن برن

(۱۸۳۷ء — ۱۹۰۹ء)

بودلیئر کی موت پر

(منثور ترجمہ)

"اے بھائی!

اپنے گیتوں کے پرانے موسم میں

تو نے ان بھیدوں اور دکھ درد کو دیکھ لیا۔

جنھیں ہم نے کبھی بھی نہ دیکھا تھا۔

تند و تیز جوشیلی محبت،

رات کے وقت کسی ایسی جگہ

جہاں کبھی کسی نے سانس تک نہ لیا ہو۔
پیاری پیاری زہریلی کلیوں کی کھلتی ہوئی پتیاں،
تیری باریک نظر کے لئے ایک کھلی ہوئی بات تھیں۔
لیکن اور کوئی بھی انھیں نہ دیکھ سکتا تھا۔
زرخیز وقت کے پوشیدہ خزانے،
بے ہیئت گناہ،
بے مسرت باتیں،
اور وہ جگہ جہاں دکھیارے روحوں کی بند آنکھوں سے
جھکولوں والی نیندوں میں، انوکھے سپنوں کے ذریعے سے آنسو بہتے ہیں،
اور ہر چہرے پر تو نے ایک سایہ دیکھا۔
اور تو نے دیکھا کہ جو لوگ بوتے ہیں
وہی کاٹتے ہیں!"

جان میسفیلڈ

(۱۸۷۸ء — ۱۹۶۷ء)

انگلستان کا ملک الشعرا

۱

شام

جنگل میں ہر سُو چھائی خموشی
پیڑوں کی ساری سرسبز شاخیں
نورِ شفق میں دُھندلی ہوئی ہیں
خاموش خاموش اور چپکی چپکی!

کچھ دُور دیکھو سیبوں کی باڑی،
اور راستے میں تھک کر گوالا
گایوں کو گھر کے رستے پہ لاتا!

روشن ستارا آنکھیں جھپکتا!
اور چاند پیلا رُکتا، جھجکتا!
لیکن ابھی ہے منظر پہ طاری
پچھم کے رُخ پر سُرخی ہی ساری!
کالا دُھواں بھی چھایا ہوا ہے،
شعلوں کا جھرمٹ لہرا رہا ہے!
اور پربتوں کی ہر ایک چوٹی،
سر پر لئے ہے تاج اک سنہری!
اور رفتہ رفتہ یہ سارا منظر،
کالا دھندلکا بنتا ہے یکسر!

شعلوں کا جھرمٹ اب مٹ گیا ہے،
ہر سو دھواں ہی پھیلا ہوا ہے!
اور پیڑ سارے دھندلے سیاہی،
منظر ہے گویا سایوں کی بستی!

۲

آگاہی

اے جنگل کی وحشی ہرنی !
گھات میں پنہاں موت ہے تیری!
دیکھی بھی تو دیکھی ادھوری ،
جانی بھی تو جانی ادھوری!
شرمیلے قدموں سے چلتی !
مدھ متوالی ، مست مدھوری!
پیڑوں کے پتّوں پہ پھسلتی!
ہنس کی شیتل شوبھا والی
جیسے سونی ندی بہتی

سورگ کے سکھ کا ہلکا جھونکا
ایک دھندلکا ہٹتا جاتا۔
ایک مسرّت ، ایک اچنبا
ایک لمحے یا دو لمحوں کا!
ہستی کے سارے عرصے میں

اک لمحہ آئی دیکھنے میں !
اک لمحہ ہے جس میں کہہ لوں،
تیری سُندرتا کی باتیں ؟
اک لمحہ جیتوں میں رہ لوں!
میٹھی میٹھی موہن ماتیں

۳

جستجو

حُسن بغاوت سے میری، میرے قابو میں آئے گا

رات اندھیری کالی کالی جھُریوں والی عورت ہے
اور اس رات میں نیند نہیں آتی ہے دل کو ذلّت ہے
کوئل کو کو کے نغمے سے اور پپیہا پی پی سے،
اس کٹیا کے بندھن توڑنے پر دل کو اُکساتا ہے
شیطانوں کے ارادوں جیسا یک اندھیرا چھایا ہے
میں ڈرتا ہوں ہر شے سے، ہر شے سے، اپنی ہستی سے

حُسن بغاوت سے میری میرے قابو میں آئے گا
سونی اور اکیلی کٹیا پر اک وحشت چھائی ہے
یہ کیسی منحوس اندھیری رات کی عورت آئی ہے
لیکن میں دھرتی کا مالک ہمت والا انساں ہوں
ناممکن ہے فرشتہ ہونا! اچھا پھر میں شیطاں ہوں!
دھیرے دھیرے چپکے چپکے در کٹیا کا کھول دیا!
اور منہ سے بیباک انوکھا نعرہ چلّا کر مارا
کٹیا سے باہر نکلا اور دیکھے منظر قدرت کے،
دل پر ہلکے ہلکے نشّے لانے والی راحت کے،
کاجل جیسی گھٹاؤں سے لو! چاند بھی نکلا ڈرتا سا
نادانی میں دیکھنے والے دل پر جادو کرتا سا!
اور رسیلی ننھی منی کلیوں میں اور پھولوں میں،
جھول رہی ہے اک مستی ہی ان پھولوں کے جھولوں میں
لیکن ہر اک حسن سے بڑھ کر میرے دل میں اُجالا ہے
میرا دل ہے چاند انوکھا، یہ سب حسن اک ہالا ہے!
میں نے ہی سونی کٹیا کا بندھن دل سے ہٹایا ہے،
حُسن بغاوت سے میری میرے قابو میں آیا ہے!

۴

حُسنِ رفتہ کی یاد

کئی دن کئی سال صدیاں ہوئیں، جب
یہ دھرتی چمکتی ہوئی ایک جنت تھی گویا!
جب انسان پھرتے تھے رستوں پہ مست اور شاداں،
کہ جیسے ہوں وہ دیوتاؤں کے آقا:
اُمنگوں بھرے بے خود خوابگوں تھے مناظر
ندی کے کنارے اکیلی سی کٹیا میں بھگوان رہتے تھے تنہا!

اسی پہلے بیتے پرانے سمے میں
مجھے حسن نے روپ اپنا دکھایا
مری لڑکھڑاتی نگاہوں میں آکر،
مرے دل میں سو آرزوؤں کو لاکر،
چھلکتی ہوئی مختصر سی نظر سے،
مرے دل کو دیوانہ کر ڈالا اپنے اثر سے!

یونہی سارا دن ڈھونڈتا ہی رہا میں،

مگر میں نے اس کو نہ پایا،
سیہ چشم، انجان، جس نے مجھے اک اشارے سے اپنا بنایا!

ہر اک چیز میں، آہ! ہر شے میں موجود تھی وہ،
ہر اک چیز میں جلوہ افشاں تھی ہر سو،
اُسی کی ہر اک چیز سے بہتی آتی تھی خوشبو،
ہر اک چیز میں تھی،
ہوا میں، ندی میں،
ہر اک پھول میں اور کلی میں،
ہرے گھاس کی سادگی میں
ہر اک چیز میں، آہ! ہر شے میں محدود تھی وہ،
مگر آج تک بھید اس کا نہیں میں نے پایا

۵

زندگی

دیکھا، جیون بھی دیکھا
(رنگا رنگ دنوں کے موتی کی مالا)
لیکن یہ ہستی کی ڈوری چیز ہے کیا؟
موہ نہیں ہے اور نہیں ہے یہ سندرتا
کل بھی نہیں ہے کچھ بھی ہے یہ بہتیرا!
اس کا رنگ اور روپ نہیں ایسا ویسا
اس کے کان نہیں ہیں کوئی اور نہ جوڑا آنکھوں کا
ایک لہو کی جنگ ہے جس کا آنسو کرتے ہیں پیچھا
وقت کا ہے یہ اک لمحہ
اک لمحہ ہے رستے کا
نفس ہے اک نشتر اس کا
پھر بھی دکھ کی بستی میں
مرد عورت مل جاتے ہیں

دھرتی! ان کھلاتی جا*

آئے، چھائے کالی گھٹا۔
چمکے بھالا سورج کا!
ہم جو انساں آئے ہیں ان کے آگے ہے کام پڑا۔*

دھرتی کے اندر سے ہی
پھوٹی ندی جیون کی
ہات اَن جانی، اَن جیتی!

۶

شیریں رُوح

میں نے دیکھے چاند ستارے میں نے دیکھا ہے آکاس،
لیکن اُس ماتھے کی بندی اُس کا ڈھیلا ڈھالا لباس؛
ساون رُت کی بھیگی ہوا میں میں نے سونگھی بھینی باس!
لیکن سانس کی خوشبو کالے بال بجھائیں میری پیاس!
ناچ بھی دیکھے پریوں والے اور سُنے بنگالی گیت

---

* اصل میں جاپانی گیت ہے۔ میراجی

لیکن اس کی چال انوکھی اور اس کی باتوں کی ریت!
میں نے ایسے جادو دیکھے سب کے من کو جائیں جیت
لیکن اس کے من کی میرے من سے موہن سندر پریت!

اُس کو ہر شے میں دیکھا لیکن اُس میں ہر شے دیکھی
اور اُس کے ملنے سے میں نے جیون کی آشا پائی!

۷

اُس کے پیامی

بطیں اڑتی جاتی ہیں آکاش منڈل میں دکھن کی جانب
اور ان کے چمکتے ہوئے پر نظر آرہے ہیں خوش اور نیلی فضا میں!
اور اک جھیل دھرتی پہ سوئی ہوئی ہے خموشی، سکوں میں،
کنارے پہ ہیں نے کے ملبے سے پودے!
ہوا جن میں بھرتی ہے آواز کو ایک حرکت میں لاتی۔
نہیں روحِ انساں پر افسوں کوئی اس طرح کا
ہے وحشت سی چھائی ہوئی اس پہ ہر دم!

سکوں اس کو ہوگا نہ پل بھر میسّر
جو روحیں کہ ہیں عقل کی آخری حد پہ پہنچی۔
جہاں آسماں بند کرتے ہیں رستہ۔
اُنھیں سارے لوگوں کی نفرت ملے گی
اُنھیں دار پر جا چڑھائے گی دُنیا!

۸

فریبِ تصوّر

جام پر جام پیئے ہیں مئے عنّابی کے!
اور پھینکا ہے کئی بار اٹھا کر پانسہ!
باوجود اس کے مری آنکھوں نے دیکھا ہے اُسے
اور کانوں نے سُنا اُس کی صدا کا نغمہ!
زرد چہرہ ہے نگاہیں ہیں اَلمناک اُس کی
اور آواز کہ جیسے کسی طائر کی صدا،
ہاتھ نازک ہیں کہ جیسے کسی گُل کی پتّی!
آہ! وہ ہاتھ جنھیں میرے لبوں نے چوما!

انھیں ہاتھوں نے مری آنکھوں کو چھو کر، پل میں!
درد کو دور کیا، درد سے آرام دیا!
دونوں شانوں پہ دھندلکا تھا کہ گیسو کی گھٹا
جیسے فردوس کی خوشبو کی سُنہری لہریں

اس کی باتیں ہی تو تھیں آہ مداوا دل کا!
عفوِ شیریں سے گناہوں کا کیا میرے علاج
رات میں کھو گئی پھر، ڈھونڈھ رہا ہوں میں آج
تیرہ و تار ہیں رستے، نہیں ملتا ہے پتا!

۹

خرابہ

استخوانِ خستہ کی مانند ہیں اجڑے کھنڈر
ایسا منظر جس طرح پھیلے ہوئے ہوں ریت پر
پسلیاں اور ہڈیاں بازو کی اور بے رنگ سر
اور ان پر پہلے راجاؤں کی مایا کے نشاں

پہلے راجاؤں کی مایا، جھوٹ، ظلم اور کرّ و فر
آہ! جب جمہور پر جبر و ستم تھا بے گماں؛
ہاں وہی راجہ کہ جن سے بحر و بر بھی کانپ اُٹھے
ہاں وہی ننگِ بشر جن سے بشر بھی کانپ اٹھے

اک زمانہ تھا کہ اُن کے زور کی اک دھوم تھی
اُن کی فوجوں کے سپاہی، سلطنت جن سے بنی
اور بازاروں کی رونق اور تجارت کا فروغ،
مصلحت نے پُر ہو جو ہر سمت ایسا تھا دروغ
آج لیکن اس جگہ پر گیدڑوں کا شور ہے!
اور افعی موت کا شبنم سے منہ دھوئے ہوئے

سامنے منڈی کا دروازہ شکستہ ہے، یہیں
تانبے اور چاندی کے سکّوں میں دیا کرتے تھے لوگ
اپنے اپنے مال پر محصول کا بارِ حزیں!
اور تھکن کے دُور کرنے کو پیا کرتے تھے لوگ
ساغروں میں بھر کے مینا سے مئے رنگیں کے جام!
عورتیں بھی تھیں اور اُن سے دل کو بہلانے کا کام!
دن کی محنت ختم ہو جاتی تھی، آجاتی تھی رات،

چاند کو پہلو میں لے کر سب پہ چھا جاتی تھی رات!
گرم بازاری گناہوں کی ہوا کرتی تھی تب!
جاگ ہی اٹھتا تھا ہر جا محشرِ لہو و لعب!
اور فصیلوں پر کھڑے ہوتے تھے شب کو پہرہ دار!
دیکھتے تھے دور تک وہ شاہراہیں، سبزہ زار!

ڈی۔ ایچ۔ لارنس

(۱۸۸۵ء — ۱۹۳۰ء)

انگلستان کا پیامی شاعر

۱

ایک نظم

آنکھوں میں ہیں گھلتی سی، پگھلتی ہوئی شامیں،

اور ایک تمنّا مرے دل میں،

ان سرخ جھروکوں سے نکل جاؤں، پرے جا کے میں پہنچوں،

اور دیکھوں صدیں تیرہ و تاریک گلابی!

جانے کی ہے، جانے کی تمنّا مرے دل میں!

اُن سُرخ جھروکوں سے پرے صاف فضا ہے،
اس صاف فضا میں،
اُترے ہوئے ملبوس کی مانند جُدا کر کے بدن سے
درد اور پشیمانی کے احساس سے چھوٹوں،
اور دیکھوں پلٹ کر،
مسلے ہوئے پیراہن بوسیدہ کا منظر!
ور نغمہ مسرّت کا الاپوں!

۲

اچھوتی جوانی

کبھی کبھی ——
جو زندگی ہے دیکھتی مری نظر کی چلمنوں کے پار سے
رزتی ہے مری زباں کے نغمۂ فشار سے،
اور ایسے جیسے اور لوگ کر رہے ہیں اپنی عمر کو بسر،
یہ کر رہی ہے ختم اپنی اک حیاتِ مختصر!
کبھی کبھی ——

یہ زندگی پھسل کے، دُور ہو کے میرے نرم اختیار سے،
فضا میں آشکار ہوتی ہے یہ زینتِ جواں!
اور آہِ سرد کھینچ کر میں سوچتا ہوں ناگہاں!
اور ایسے میری اجنبی سی چھاتیاں!
بھی جاگتی ہیں نیند سے!
اور ایسے پتلی پتلی موج ہائے سینہ کے تلے،
ہویدا ہوتا ہے شروعِ نغمۂ رواں!
مرا خموش اور خوابگوں شکم،
بھی جاگتا ہے کرکے فتنہ خیزیاں!
مرا یہ نرم اور پُرسکوں شکم،
لرز کے جاگ اٹھتا ہے بیک ارادہ و اثر!
پھر اس کے بعد خواہ مخواہ میری ایک اور ہستی نہاں۔
ستادہ ہو کے مجھ سے کرتی ہے کلامِ سرخوشی!
وہ کوئی دیو، خفتہ ہے جو بے حسی میں جاگ کر،
مچل کے کش مکش میں بہہ کے دیتا ہے سزا مجھے!
ستادہ ہے وہ اور میں کانپتا ہوں اُس کے سامنے،
——"تو پھر بتا تو کون ہے؟"——
وہ بے زبان ہے مگر ہے گرمجوش اور وسیع—— میں تو اس کو پوچھ سکتا ہی نہیں،

——— "تو کون ہے تجھے ہے مجھ سے کام کیا؟"

تواے کر دیو بت شکن، منوّر اور نور زن!"

وہ کس قدر حسین ہے!

کوئی صدا نہیں، نہ چشم و دست اُس کے ہیں کوئی!

مگر زمینِ زندہ کا وہ شعلہ ہے کھڑا ہوا ——— بھڑک رہا ———

ہے ایک آتشیں چٹان رات میں!

اور آہ، وہ اتھاہ بھید جانتا ہے، صرف وہ ہے جو سمجھتا ہے ہر ایک بات کو!

وہ ایک، وہ اکیلا ایک جانتا، سمجھتا ہے،

وہ نورِ اعتماد سے بھرا ہوا،

ستادہ ہو گیا کہیں سے، بے نشاں زمین سے!

میں کانپتا ہوں، اُس کے سائے میں، مگر،

وہ شعلہ زن ہے اور رواں

کہ تیرہ منزلوں کو جلد جا ملے!

وہ ایسے ہے کہ جیسے روشنی کا ایک ستون جس کے ارد گرد رات ہو لپٹ رہی

کہ جیسے جسم سیمگوں سے پیرہن کھنچا ہوا!

اور اس کی تیرہ روشنی فضا میں پھیلتی ہوئی ہے موجِ بحر کی طرح!

اور ایسے جیسے گردشوں سے لوٹ کر ستون ہی میں آ کے پھر ٹھہر گئی!

مجھے بلا رہا ہے کیا؟

وہ ایک اوز اکیلا اب مجھے بلا رہا ہے کیا؟
ہیں اس کی پُر وقار وزن سے لدی ہوئی خموشیاں صداؤں سے بھری ہوئی
وہ کیا مری نظر کے پار چل رہا ہے ہو کے آنکھ سے نہاں؟
نسائیت کی ہے لچک کہ بید کی خمیدگی۔
جو اُس میں ہے رواں دواں؟

مُسافر! آہ! آتشیں چٹان! کچھ نہیں ہے اس سے منفعت!
یہ تیری تابناک آرزو بنی ہے ایک موج درد کی!

ستون تیرہ، سُرخ! میری ہمدمی کو بھول جا،
مرے سلوک سے تو اپنے دل میں کوئی غم نہ لا،
کہ میں کنوارے پن کے بندھنوں کی بے بسی میں قید ہوں
یہ تیری اجنبی صدا مرے لئے خموش ہے!
جُدا، جُدا ـــــ
ہم آہ و نالہ کر رہے ہیں ایک ریگ زار میں!
مجھے معاف کر کہ میں
رہا جو ہوتا حدِ قید و بند سے،
تو پھر خوشی سے لپٹ جاتا اُس نسائی گلستان میں،
کہ جس میں تیرا دُہرا رقص بیقرار ہے خود کے لئے!

اے تیرہ اور گھمنڈی حسن اور خمیدہ حسن میں تجھے!
یہاں تک آہ، پوجتا رہوں کہ اینٹھ جائیں یہ سرین لیکن اک ہجوم دہر مجھ کو
روکتا ہے اس طرح کی بات سے!
اسی ہجوم دہر نے در بہشت بند کر کے راستے میں خار دار جھاڑیاں اُگائی ہیں

میں تیری عظمت اور بلندیوں کو مانتا ہوں، آہ! پر
ترا ستون آہنی خلاؤں پر محیط ہے!
ستونِ تیرہ، آتشیں! مجھے معاف کر کہ میں ہوں اور ہے جہاں کی تلخ دشمنی!

۳

بیراگ

آہیں بھرو اب، آہیں بھرو سب، آہیں بھرو!
آنسو بہاؤ، روتے جاؤ، آہیں بھرو!
سورج موت کی نیند میں ہے اور ہر شے ہے آکاش کی ایسے
جیسے دُھند جتا سے اُبلے!

چاند میں بھی اب جان نہیں ہے، چاند میں بھی اب جان نہیں
چاند جو دھرتی کو پیلی پیلی کرنوں کے جال اُڑھاتا تھا
چاند میں بھی اب جان نہیں ہے، چاند میں بھی اب جان نہیں،
موت کی نیند میں، موت کی نیند میں سات ستارے سوتے ہیں!
رات کے اندھیارے تابوتوں میں اب سارے سوتے ہیں،
گنتی کے باہر جگراتوں سے بے چارے سوتے ہیں!
آہیں بھرو، اب آہیں، آہیں، آہیں بھرو!
آہیں بھرو اب، آہیں بھرو سب، آہیں بھرو!

دھرتی، کنواری، دھرتی میں بھی جان نہیں،
ہم نے اُٹھا رکھی ہے ارتھی دھرتی کی،
وہ دیکھو لپٹیں اٹھتی ہیں چتا سے بھی،
آہیں بھرو اب، بلبی، سسکتی آہیں بھرو!
آنسو بہاؤ، گرم اور نمکین آنسو بہاؤ،
آنسو بہاؤ، روتے جاؤ، آہیں بھرو!
آہیں بھرو اب آہیں بھرو، سب آہیں بھرو!
لیکن آہیں بھرنے پر بھی دل میں نہ اپنے رنج کرو!
دل میں نہ اپنے رنج کرو، آہیں نہ بھرو، آہیں نہ بھرو!
مایا ہے سب، جگ مایا ہے، جیون مایا، جانیں بھی!

جینا جب مایا ہے پیارے! موت بھی مایا ہی ہوگی!

۴

بے چارا، بے کس

مرے سامنے اور مرے آس پاس، لا انتہا ہے فضائے جہاں،
پلٹ کر جو دیکھوں تو ڈر جاؤں میں،
فضا کل ہے احساس ہر سو رواں،
ڈراتی ہے حیران کر کے مجھے
کہ سطحِ سمندر پہ کشتی کوئی
ہو جیسے کسی آدمی کو لئے،
اور اُس کو سمندر کی بیباک موجیں پریشان کرتی ہوں تنہائی میں،
سہارا نہ ظاہر ہو کوئی جہاں!

بساطِ جہاں پر اکیلا ہوں میں،
اسی فکر میں بس اُلجھتا ہوں میں،

کہ اب کون سی چال چلتا ہوں میں!
مرے ہاتھ لرزاں ہیں جیسے خزاں میں ہوں دوشِ ہوا پر کئی پتّیاں!

سنبھالا جو خود کو یہ احساس تھا،
بہاتی ہے اک بادِ صرصر مجھے،
اُڑاتی ہوئی جا رہی ہے کدھر،
نہیں مجھ کو معلوم — اور کس لئے؟
نہیں مجھ کو معلوم — کچھ بھی نہیں!

ہے عظمت، جسامت مرے اس پاس،
میں اس درجہ بے نام اور ہیچ ہوں،
اگر فاصلہ دو قدم طے کروں،
تو گم گشتہ دو بار ہوتا ہوں میں!

میں کیسے پھر اس دل کو سمجھاؤں گا؟
کہ "ممکن ہے یہ، میں کروں گا یہی!"
میں بس ایک ذرّہ ہوں تنکا ہوں ایک،
اس آندھی میں ہر سمت ہے جو رواں!

۵

سپنے کی اُلجھن

یہ کیا چاند ہے پاس روزن کے، اتنا بڑا، لال بہتے لہو سا؟

مرے پاس کوئی نہیں ہے؟

نہیں سیج کے پاس کوئی؟

مگر پھر یہ زینے پہ آہٹ ہے کیسی؟

کہ ہے کوئی طائر جو روزن کے باہر یونہی پھڑپھڑاتا چلا جا رہا ہے!

ابھی ایک لمحہ ہی پہلے

مجھے اُس کے گرم اور نازک لبوں کا اک احساس کامل ہوا تھا،

یہ آکاش پر چاند گرم اور لہو سا چمکتا ہے ایسے کہ جیسے

اُنھیں گرم و نازک لبوں کا۔

مجھے اک اشارہ سا کرتا ہے گویا!

اور اب، لو، اُسے — چاند کو بادلوں نے ہے گھیرا،

اور افسردہ دُکھیا اندھیرا!

فضا پر ہے طاری!

یونہی (مجھ کو ماضی میں حاصل ہوئے تھے جو) بوسے
ابھی میٹھ جائیں گے تہ میں!
غلط میں نے سمجھا، غلط میں نے سمجھا!

۶

محبّت کا گیت

مجھے کچھ نہ کہنا اگر میں کہوں بھول جاتا ہوں آواز تیری،
یہ نغمہ سَحَر کا،
گر میں کہوں، بھول جاتا ہوں آنکھیں کہ جن سے ہویدا ہے جذبہ نظر کا!
مگر پھول جس وقت کھلتے ہیں باغوں میں، اُس دم یہی میں سمجھتا ہوں
جادو میں مہتاب کے، اور جُنوں میں،
ترا نرم، اجلا سا چہرہ، مرے جذبۂ دل سے پُرشوق سینے پہ رکھا ہوا ہے
اور اُس وقت گم ہو کے ہیبت کے نازک فسوں میں،
روش پر گلستاں کی استادہ رہتا ہوں، جیسے کسی نے کوئی بُت بنایا ہوا ہے!

مگر اُس گلستانِ پُر درد کو چھوڑ کے میں

وہیں، اپنے تاریک خلوت کدے میں،
اکیلے سے، درماندہ بستر پہ خاموش ہو کر،
یونہی بیٹھ جاتا ہوں مضطر!
اور اس وقت مہتاب کی نرم و نازک سی کرنیں چھلکتی ہوئی اور چھنتی ہوئی
روزنوں سے
مرے دل کو افسردہ کرتی ہوئی، آتی رہتی ہیں بے رحم، ظالم تو تر میں ہر دم۔
میں دُکھتے ہوئے بازوؤں کو اُٹھاتا ہوں اُس دم،
میں پُرشوق و پُر درد سینے کو اپنے بڑھاتا ہوں اُس دم،
میں بھرتا ہوں آہیں اور آنسو بہاتا ہوں اُس دم،
اور اس طرح بے تاب و پژمردہ ہو کر
اُسی بستر غم کی پہنائیوں میں،
یونہی لیٹ جاتا ہوں اُس دم!
یونہی، رات ساری میں بستر میں کروٹ بدلتا ہی رہتا ہوں ہر دم،
اور اس خواب کے سیل نازک میں بہتا ہوں ہر دم،
کہ ہارا ہوا نیم وا اک دہن ہے،
بے احساس انگیز، مجھ کو ملا ہے!
ہے پہلو میں میرے، جو سینہ جوانی کے پھولوں سے سنورا ہوا ہے!

۷

گہرے دوست

وہ بولی: "کیا تمھیں میری محبت کی نہیں پروا؟"
اور اُس کے ہاتھ میں اک آئینہ دے کر کہا میں نے
"نوازش ہو کہ یہ باتیں اسے پوچھو،
نوازش ہو اگر تم بڑی سرکار سے پوچھو!
تعلق دل کے جذبے یعنی کمزوری سے ہو جن کا
وہ باتیں تم بڑی سرکار سے پوچھو!"
یہ کہہ کر آئینہ میں نے دیا اُس کو۔

وہ آئینے کو میرے سر پہ ہی دے مارتی، لیکن۔
نظر آئینے میں جب عکس پر اپنے پڑی اُس کی
تو اک لمحے کو وہ حیراں ٹھٹھک کر رہ گئی اک دم،
اور اتنے میں وہاں سے میں سرک آیا!

۸

ادھورا پن

دُھندلکے میں تاروں کی کرنوں کے ننھی سی ندی تھرکتی ہوئی چھپاتی ہوئی،
اور آکاش کی زرد، حیراں نگاہیں،
یہی ہے یہی، کیف و بہجت کی حکم بلندی!

ہر اک چیز خاموش، خوابوں میں سوئی،
ہر اک درد، چنتا، اذیت کے جھرمٹ —
دُھندلکے میں تاروں کی کرنوں کے کھوئے ہوئے ہیں!

فقط اب دُھندلکا ہے تاروں کا، ندی کی نازک سی سرگوشیاں ہیں،
یہی نرم چیزیں یونہی جلوہ افشاں رہیں گی ہمیشہ!
اور آخر محبت جو تھی دل میں پنہاں، ہوئی آشکارا!
ہیں، سُن دل کے جذبے کو گویا مجسم نظر بن لئے ہوں،
ستاروں کی دُھندلی شعاعوں کی مانند ظاہر ہوئی ہے محبت کی ہستی!
نہ پہچانا پہلے محبت کو میں نے
کہ درد اور اذیت کے جھرمٹ مزاحم ہوئے تھے

مرے فہم و احساس کے راستے میں!

بُلاوا ہو تم اور جواب اُس کا ہوں میں،
تمنا ہو تم اُس کی تکمیل ہوں میں،
تم اک رات ہو اور میں اُس کا ہوں دن!
کسی اور شے کی ضرورت نہیں ہے،
مکمل ہے ہر شے!
کسی شے کی حاجت نہیں ہے،
مہیا ہے سب کچھ،
یہ تکمیل ہے! تم ہو، میں ہوں (بھلا اور کیا ہو؟)
کسی اور شے کی ضرورت نہیں ہے!

مگر پھر بھی حیران ہوں میں کہ ہر چیز کے باوجود اک اذیت ہے ہم کو!
تمنائیں جتنی تھیں پوری ہوئی ہیں، مگر کوئی حسرت ہے ہم کو!

۹

اندھیرے میں

اُٹھے جیسے دھرتی کے سینے سے نغمہ،
کوئی زرد سا داغ، بے نام، دھندلا،
گلستانِ انجم کا مضطر شگوفہ،
بلندی پہ لٹکے ہوئے نیلگوں شامیانے میں تھرکا!

اندھیرے میں کوئی صدا پست و مغلوب ہو کر خموشی میں کھوئی،
کہ آنسو تھے افسردہ دل کے،
کہ جس طرح بے چارا طائر جھپٹ کر اُڑے آشیاں سے
جو دیکھے شکاری!

"یہ کیا کر رہی ہو؟
یہ کیا بات ہے؟ رات آدھی ہوئی، آؤ یاں آؤ، سو جاؤ آکر،
مجھے بھی جگایا،
مگر یہ ہوا کیا کہ تم رو رہی ہو؟
اکیلا ہے بے چین بستر!"

"میں ڈرتی ہوں تم سے، میں ڈرتی ہوں، ڈرتی،
کوئی بات ہے تم میں جو مجھ کو تم سے گریزاں ہے کرتی۔"

"نہیں، تم نے سپنا ہے دیکھا! ابھی نیند اور ہوشمندی کے ہو درمیاں تم!
یہاں آؤ، آؤ یہاں تم!"

"نہیں، جاگ اٹھی ہوں میں تو،
یہ تم ہو کہ انجان بنتے ہو، ظالم ہو، مجھ پر نہیں مہرباں تم!"

"مری جان! ——"

"یہ تم ہو، یہ تم ہو! تمہیں ظلم کرتے ہو مجھ پر!
تمہیں میرے سینے پہ بوجھل گھنا بن کے چھائے ہو، سایہ فگن ہو،
یہ سایہ مجھے مار ڈالے گا آخر!"

"چلو آؤ، مانو! ——"

"نہیں، میں تو ہوں شیفتہ زندگی کی!"
"مجھے تم نہ دوگے کبھی چین اور سکھ سے جینے ——

مجھے، جو تمھیں زندگی کا اُجالا ہے دیتی!"

نہیں بات کوئی، مری جاں! فقط نیند آئی ہے مجھ کو،
یہ "رائی" کا پربت بناؤ نہ ہرگز، مجھے پاس ہے اک تمھارا!"

"مصیبت ہے، بیزار کرتا ہے مجھ کو یہ برتاؤ ہر دم تمھارا،
میں کب تک سہوں گی یہی سرد مہری؟
مرے سامنے بھوت بن کر کھڑے ہو، مجسم اندھیرا!"

"مجھے کہہ رہی ہو؟ یہ باتیں مجھے کہہ رہی ہو؟"

"یہ برتاؤ مجھ سے محبت ہے میری!؟
بنایا ہے بیچارگی کو مری تم نے بیرن سہیلی!"

"مری جان! نرم اور سہانی ہے رات، اور رما کر بھاتی ہے تم کو،
ہر ایک بات کا ایک موقع ہے، اتنا تو سوچو!"

"میں بیزار ہوں، آہ! اس رات کی تیرگی مار ڈالے گی مجھ کو!"

"مری جان! راحت کے رستے پہ چلتا ہو کوئی۔
تو پہلو میں تاریکیاں اُس کے ہوتی ہیں غم کی!
تو پھر کس لئے ہے یہ شکوہ شکایت، یہ تیزی، یہ تلخی!"

"نہیں، میں مسرت میں رقصاں ہوں ہر دم،
مجھے اس جہاں میں نہیں ہے کوئی غم،
نہیں، میں تو ہوں شیفتہ زندگی کی!"

تو پھر بھی پلٹ کر جو دیکھو تو بنتی ہیں تاریکیاں ہی مقابل نظر کی!
"اصولِ جہاں ہے کہ سایہ ہمیشہ
رہے گا جہاں بھی ہو بہجت کا نغمہ!"

"ستمگر ہو، ظالم ہو، تم تو اُجالے کو آلودہ کرتے ہو تاریکیوں سے!"

"مگر میں تمہارے اندھیرے میں ہر دم ملاتا ہوں اپنا اُجالا،
تمہارے اور اپنے اجالے ملاتا ہوں ہر دم،
تمہاری فغاں میں ملاتا ہوں اپنا تبسم!
شبِ تار کی خامشی میں ہر انساں ہستی کو کھو کر،

ہواؤں کا، پیڑوں کا، بے چین دریا کا ہمراز ہو کر،
بھُلاتا ہے جینے کی کاوش کو (دل سے)
مٹاتا ہے درماندگی کے سمٹنے کی کاہش کو (دل سے)"

"مجھے اس سے کیا واسطہ؟ میں تو ہستی ہوں اپنی ہی یکسر!"

"چلو آؤ سو جائیں بھیدوں کے پھولوں سے اس دم ہے لبریز بستر!
مرے پاس آؤ، مرے جسم سے جسم اپنا لگاؤ!
جو میرے پہلو میں کروٹ کا گچھا، مجھے تیرہ و تار سایہ بناؤ!
چلو آؤ اب ضد کو چھوڑو، شبِ تار نے کچھ ڈرایا ہے تم کو!
سنو، دیکھو، دریا کا مضطر فسانہ
سُناتا ہے جو پیچ کھاتے ہوئے ہم کو روز و شبانہ!
یہ جنگل، یہ بھاتے ہیں مجھ کو،
نگاہوں سے روپوش ہو کر نہ جانے کن اسرار سے یہ لدے ہیں!"

"مجھے اپنی ہستی کو پانے دو، میں آہ دریا نہیں اور نہ پیڑ ہوں جنگل میں جو
سب اُگے ہیں"

"مجھے چوم لو! کس قدر سرد ہو تم! تمہارے یہ ننھے شگوفے!
یہ دو ہیلے برف کے ہیں!

مجھے چوم لو! ۔ جانتی ہو کہ تم سے
مرا تشنگی دُور کرنا
تمہیں اپنے جذبوں سے مخمور کرنا،
اندھیرے میں سب کچھ بُھلانا۔
ہے آرام و راحت کا مخزن!
ہے بہجت کا پُرشوق مسکن!
شبِ تار میں شعلۂ سیمگوں کو بجھانا!
مگر بھول جاؤ مری جاں! نہیں کوئی پروا کہ نیند آرہی ہے،
یہاں میں ہوں، تم ہو، یہ بستر ہے، ہر ایک شے بھولتی جا رہی ہے!"

متفرق[1]

(۱)

"تم کہتے ہو کہ میں غلطی پر ہوں،
تم ہوتے کون ہو مجھے یوں کہنے والے، کوئی بھی مجھ سے کیوں
کہے کہ میں غلطی پر ہوں؟
میں غلطی پر نہیں ہوں!"

(۲)

یہ میں تو نہیں، یہ میں تو نہیں، ایک اور ہوا
میری ہستی سے چلتی ہے،
ایک اور نفیس ہوا بہتی ہے، وقت کی طرفِ نو پہ مچلتی ہے،
اے کاش! میں اُس کے سہارے پر چلتا جاؤں، چلتا جاؤں،
لے جائے مجھے یہ دور کہیں، ہاں دور کہیں، ہاں دور کہیں۔

---

[1] یہ نظمیں ہیں